

• اکتیسویں رات

جب اکتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- قاضی نے غلاموں سے پوچھا کہ تمہارے آقا نے کون سا جرم کیا تھا کہ میں اسے قتل کی سزا دیتا؟ اور یہ میرا گھر تمہارے سامنے ہے، دیکھ لو۔ اس نائی نے کہا کہ تو نے بھی اسے کوڑے مارے ہیں اور میں نے اسے چلاتے سنا ہے۔ قاضی نے کہا کہ اس نے جرم کیا کیا تھا جس پر میں نے اسے قتل کیا اور اسے میرے گھر کون لایا اور وہ کہاں سے آیا اور کہا گیا؟ اس نائی نے کہا کہ بڑھے کھوشوں کی طرح باتیں مت کر، مجھے سارا حال اور واقعہ معلوم ہے۔ تیری بیٹی اس پر عاشق ہے اور وہ تیری بیٹی پر۔ جب تجھے معلوم ہوا کہ وہ تیرے گھر میں آیا ہے تو تو نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ اسے ماریں۔ واللہ ہمارے اور تیرے درمیان سوائے خلیفہ کے اور کوئی فیصلہ نہ کرے گا ورنہ تو ہمارے آقا کو نکال کر اس کے گھر والوں کے حوالے کر دے اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں خود اندر آکر اس کو نکال لاؤں گا اور تجھے شرمندگی ہو گی۔ قاضی کی زبان بند تھی اور وہ لوگوں کے سامنے شرمندہ تھا اور کہتا تھا کہ اگر تو سچ کہتا ہے تو اندر آ اور اسے نکال کر لے جا۔ یہ سن کر نائی جھپٹ کر اندر آ گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ نائی اندر آ گیا ہے تو میں دیکھنے لگا کہ کسی طرح سے نکل کر بھاگ جاؤں مگر کوئی راستہ نظر نہ آیا اور میں نے دیکھا کہ جس منزل پر میں ہوں، وہاں ایک بڑا سا صندوق رکھا ہوا ہے۔ میں نے اس کے اندر جا کر ایک چادر اوڑھ لی اور سانس بند کر لی۔ اب وہ کمرے میں داخل ہوا اور اندر آتے ہی میری طرف پھرا اور جہاں میں تھا، وہاں جھانکا اور دہنے بائیں دیکھ کہ وہ صندوق اپنے سر پر اٹھا لیا۔ یہ دیکھ کر میرے حواس جاتے رہے۔ اب وہ تیز تیز چلنے لگا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا تو میں سنبھل کر بیٹھا اور صندوق کھول کر نیچے کود پڑا

اور میری ٹانگ ٹوٹ گئی۔ چونکہ دروازہ کھلا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ دروازے پر ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ میری آستین میں بہت سی اشرفیاں تھیں جو میں نے ایسے موقعوں اور کاموں کے لیے اٹھا رکھی تھیں۔ اب میں ان کو لوگوں کے سامنے لٹانے لگا تا کہ ان کی توجہ ان کی طرف بٹ جائے۔ واقعی وہ انہیں لوٹنے لگے اور ان کی طرف مشغول ہو گئے اور میں بغداد کی گلیوں میں دہنے بائیں بھاگ رہا تھا اور یہ مردود نائی میرے پیچھے پیچھے وہاں پہنچتا اور کہتا جاتا کہ انہوں نے میرے آقا کو قتل کرنے کی ٹھان لی تھی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے ان پر فتح عطا کی اور میرا آقا ان کے ہاتھوں سے بچ گیا۔ تو اپنی بری تدبیروں سے باز نہ آیا یہاں تک کہ تو نے یہ حرکت کی۔ اگر خدا میری بدولت تجھ پر مہربانی نہ کرتا تو اس مصیبت سے تو کبھی نہ نکلتا بلکہ وہ تجھے ایسی مصیبت میں ڈال دیتے کہ تو اس سے کبھی نہ نکل سکتا۔ مگر آخر کب تک جیوں گا کہ تجھے ہر بار چھٹکارا دے سکوں۔ خدا کی قسم، تو نے اپنی بری تدبیروں سے مجھے ہلاک کر ڈالا ہے! اور اس پر لطف یہ کہ تو اکیلا جانا چاہتا تھا لیکن میں تیری نادانی پر تجھ سے ناراض نہیں ہوں کیونکہ تو ابھی ناسمجھ ہے اور جلدباز۔ میں نے کہا کہ تیری گزشتہ حرکتیں کافی نہیں ہیں کہ تو میرے پیچھے دوڑ رہا ہے اور بازار میں ایسی باتیں کہہ رہا ہے۔ غصے کی وجہ سے میری جان نکل رہی تھی لہذا میں بازار کے اندر ایک دوکان میں گھس گیا اور جلاہے سے، جو اس کا مالک تھا، پناہ مانگی۔ اس نے نائی کو اندر آنے سے روکا اور میں جلاہے کے ایک مخزن میں جا کر بیٹھ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں کسی طرح سے بھی اس ملعون نائی سے اپنا پیچھا چھڑا سکتا کیونکہ وہ دن رات میرے پیچھے پڑا رہے گا اور مجھے اس کی صورت دیکھنے کی تاب نہیں۔

اب میں نے گواہ طلب کر کے اپنے گھر والوں کے نام وصیت نامہ لکھا اور اپنی جائیداد کو تقسیم کر کے ان پر ایک ناظر مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ میرے گھر اور جاگیروں کو بچ ڈالے اور چھوٹے بڑوں کی نگہبانی کرے۔ یہ انتظام کر کے میں فوراً نکل

کھڑا ہوا تاکہ اس کٹنے سے میرا پیچھا چھوٹے اور تمہارے شہر میں آکر سکونت اختیار کی اور میں یہاں ایک مدت سے ہوں۔ اب جب کہ تم نے مجھے کھانے پر بلایا ہے تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہی ملعون تمہارے یہاں بھی موجود ہے اور صدر میں بیٹھا ہوا ہے۔ ایسی حالت میں میرا دل یہاں ٹھہرنے سے کیوں کر خوش ہو سکتا ہے! کیونکہ اس نے میرے ساتھ یہ حرکتیں کی ہیں اور اسی کی وجہ سے میری ٹانگ ٹوٹی ہے۔ یہ کہہ کر نوجوان نے ٹھہرنے سے انکار کر دیا۔

جب ہم نے یہ قصہ سنا تو نائی سے پوچھا کہ جوان نے جو کچھ تیرے متعلق کہا ہے سچ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ واللہ میں نے اپنی سمجھ اور عقل اور مروت کی بنا پر اس کے ساتھ یہ کاروائی کی۔ اگر میں نہ ہوتا تو یہ مر جاتا۔ فقط میں اس کی نجات کا سبب ہوا۔ یہ بہتر تھا کہ اس کی ٹانگ گئی بہ نسبت اس کے کہ اس کی جان جاتی۔ اگر میں باتونی ہوتا تو اس کے ساتھ بھلائی نہ کرتا۔ میں تم لوگوں سے ایک ماجرا بیان کرتا ہوں جس سے تمہیں اس بات کی تصدیق ہو جائے گی کہ میں کم خن ہوں اور اپنے چھ بھائیوں کی طرح فضول گو نہیں۔

○ نائی کی کہانی

اور وہ یہ ہے کہ جب المستنصر باللہ ابن المستنصر باللہ بغداد میں خلیفہ تھا تو میں وہیں رہتا تھا۔ اسے فقیروں اور غریبوں سے بہت محبت تھی اور عالموں اور نیکوں کی صحبت بہت مرعوب۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ دس آدمیوں پر ناراض ہوا اور اس نے بغداد کے حاکم کو حکم دیا کہ وہ انہیں عید کے دن اس کے سامنے پیش کرے۔ یہ لوگ ڈاکو تھے جو شاہراہ پر ڈاکہ ڈالتے تھے۔ شہر کا حاکم گیا اور اس نے انہیں گرفتار کر کے ایک کشتی میں بٹھایا۔ جب میری نظر ان پر پڑی تو میں نے خیال کیا کہ یہ لوگ غالباً دعوت کے لیے جمع ہوئے ہیں اور میرا خیال ہے وہ دن بھر اسی کشتی میں کاٹیں گے

اور کھائیں پئیں گے۔ میرا جی چاہا کہ میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ حضرات، میں اپنی مروت اور دانشمندی کی وجہ سے ان کی کشتی میں اتر کر ان کے ساتھ مل گیا یہاں تک کہ وہ دیا کو پار کر کے دوسری طرف پہنچے۔

جب ہم وہاں پہنچے تو سپاہی اور چوکیدار زنجیریں لیے وہاں کھڑے تھے اور انہوں نے ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال دیں اور ایک زنجیر میری گردن میں بھی ڈال دی، حاضرین، کیا یہ میری مروت اور کم گوئی کی دلیل نہیں کہ میں چپ تھا اور کچھ کہنا نہ چاہتا تھا۔ اب وہ ہم سب کو زنجیروں میں باندھ کر لے گئے اور امیر المومنین المستصبر باللہ کے سامنے پیش کیا اور اس نے حکم دیا کہ دسوں کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ اب جلاد نے آکر ہمیں گردن زنی کے گدے پر بٹھایا اور اپنی تلوار کھینچ کر ایک ایک کی گردن اڑانی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ دسوں کی گردنیں اڑا دیں۔ اب میں باقی رہ گیا اور خلیفہ نے جلاد کی طرف دیکھ کر کہا کہ تو نے محض نو کی گردنیں کیوں اڑائیں؟ اس نے کہا کہ معاذ اللہ تو دس کی گردنیں اڑانے کا حکم دے اور میں محض نو کی گردنیں اڑاؤں! خلیفہ نے کہا کہ میرے خیال میں تو نے نو ہی گردنیں اڑائی ہیں اور یہ جو تیرے سامنے بیٹھا ہوا ہے، دسواں ہے۔ جلاد نے کہا کہ تیرے احسانات کی قسم وہ پورے دس ہو چکے۔ لوگوں نے انہیں گنا تو واقعی دس تھے۔

اب خلیفہ نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ ایسی حالت میں تیری خاموشی کا کیا مطلب ہے اور تو خونیوں کے ساتھ کیسے آیا ہے؟ اس کا سبب بتا کیونکہ تو بڑا بوڑھا آدمی ہو کر اتنی کم عقلی کی باتیں کرتا ہے۔ جب میں نے امیر المومنین کی گفتگو سنی تو اس سے کہا کہ اے امیر المومنین، میں واقعی بہت خاموش بوڑھا ہوں اور مجھے حکمت میں سے بڑا حصہ ملا ہے اور عقل کی پختگی اور فہم کی تیزی اور کم گوئی کی تو کوئی انتہا ہی نہیں اور میں نائی کا پیشہ کرتا ہوں۔ کل صبح میں نے دیکھا کہ یہ دس کشتی کی طرف جا رہے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور انہیں کے ساتھ کشتی

سے اترے۔ اس لیے کہ میں نے خیال کیا کہ وہ دعوت میں جا رہے ہیں۔ ابھی ایک
 پہر بھی نہ گزرا ہو گا کہ پہرے دار آئے اور انہوں نے ان کی گردنوں میں زنجیریں
 ڈال دیں اور ایک زنجیر میری گردن میں بھی ڈال دی۔ مروت کی وجہ سے میں خاموش
 رہا اور ایک بات بھی نہ کی۔ یہ سب میری مروت کی دلیل ہے۔ اب وہ لوگ ہمیں
 لے کر آئے اور تیرے سامنے کھڑا کر دیا اور تو نے حکم دیا کہ دسوں کی گردن مار
 دی جائے اور محض میں جلاد کے سامنے باقی رہ گیا۔ پھر بھی میں نے نہ کہا کہ میں
 کون ہوں؟ یہ محض انتہا درجے کی مروت کی وجہ سے تھا کہ میں ان کے ساتھ قتل
 ہونے میں بھی شریک تھا۔ میں نے عمر بھر لوگوں کے ساتھ اسی طرح کی بھلائی کی
 ہے اور انہوں نے مجھے برے سے برا بدلہ دیا ہے۔

جب خلیفہ نے میری باتیں سنیں اور اسے معلوم ہو گیا کہ میں بڑی مروت والا اور کم
 سخن ہوں اور فضول باتیں نہیں بناتا جیسا کہ اس جوان کا خیال ہے جس کو میں نے
 تکلیفوں سے چھٹکارا دیا ہے تو وہ زور سے ہنسنے لگا یہاں تک کہ لوٹ گیا اور مجھ سے
 کہا کہ اے خاموش، اور تیرے چھٹوں بھائی بھی علم اور حکمت اور کم گوئی میں تیری
 طرح ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہ وہ کبھی میری طرح تھے اور نہ ہوں گے۔ اے
 امیر المومنین، تو مجھے برائی کی طرف منسوب کرتا ہے۔ تیرے لیے یہ شایان نہیں کہ
 تو مجھے اور انہیں برابر سمجھے۔ کیونکہ فضول گوئی اور کم مروتی کی وجہ سے ان میں کوئی
 نہ کوئی عیب پیدا ہو گیا ہے۔ ایک ان میں سے کانا ہے اور دوسرا مفلوج اور تیسرا

بوچا اور نکٹا اور چوتھے کے ہونٹ کٹے ہوئے ہیں اور پانچوں کبڑا ہے اور چھٹا اندھا ہے۔
 اے امیر المومنین، یہ نہ خیال کر کہ میں باتونی ہوں اور میرے لیے یہ ضروری ہے کہ
 میں تجھ پر ثابت کر دوں کہ میں ان سے زیادہ بامروت ہوں اور ان میں سے ہر ایک
 کے ساتھ کوئی نہ کوئی واقعہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے وہ عیب اس میں پیدا ہو
 گیا، اور میں تجھے سے ابھی بیان کرتا ہوں۔

○ نائی کے پہلے بھائی کی کہانی

اے امیر المومنین، میرا ایک بھائی جو کہ کبڑا ہے، بغداد میں درزی کا پیشہ کرتا تھا اور ایک دوکان میں بیٹھ کر سیتا تھا جو اس نے ایک بڑے امیر آدمی سے کرائے پر لی تھی۔ یہ شخص دوکان کے اوپر والی منزل پر رہتا تھا اور اس کے مکان کے نیچے ایک چکی تھی۔ ایک دن میرا کبڑا بھائی اپنی دوکان میں بیٹھا سی رہا تھا کہ اس نے اوپر کی طرف دیکھا اور اس کی نظر ایک عورت پر پڑی جو چودھویں رات کے چاند کی طرح تھی اور کھڑکی میں کھڑی لوگوں کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ جب میرے بھائی نے اس کو دیکھا تو وہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور دن بھر وہیں دیکھتا رہا اور شام تک اپنا سینا پرونا بند کر دیا۔ دوسرے روز صبح کو اس نے پھر اپنی دوکان کھولی اور سینے کے لیے بیٹھ گیا۔ وہ ایک ٹانکا لگاتا اور کھڑکی کی طرف دیکھتا اور اس کو اسی طرح پاتا۔ اب اس کی محبت اور عشق اور بھی زیادہ ہو گیا۔ جب تیسرا دن ہوا تو وہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر پھر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اب عورت نے اسے دیکھا اور اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہے اور وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ اور وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اب وہ وہاں سے چلتی ہوئی اور اس کے پاس اپنی ایک کنیز کو ایک بقیچہ دے کر بھیجا، جس میں سرخ مشجر کا ایک ٹکڑا تھا۔ کنیز نے آکر کہا کہ میری آقا تجھے سلام بھیجتی ہے اور کہتی ہے کہ اس ٹکڑے میں سے اس کے لیے ایک قیض عمدہ طرز سے کاٹ کر خوبصورتی کے ساتھ سی دے۔ اس نے کہا کہ برو چشم۔ یہ کہہ کر اس نے اسی روز کاٹ کر سی دی۔ دوسرے دن صبح کو پھر وہ کنیز اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میری آقا نے تجھے سلام کہا ہے اور پوچھا ہے کہ تو کل رات کس طرح سویا؟ مگر اسے تیری یاد میں بالکل نیند نہیں آئی۔ یہ کہہ کر اس نے اسے ایک ٹکڑا زرد اطلس کا دیا اور کہنے لگی کہ میری آقا نے کہا ہے کہ اس ٹکڑے میں سے دو شلواریں کاٹ کر

آج ہی سی دے۔ اس نے جواب دیا کہ برو چشم۔ میرا اسے بہت سلام کہیو اور کہیو کہ تیرا غلام تیرا فرمانبردار ہے، تو جو چاہے حکم دے۔ اب وہ کلٹے لگا اور بہت محنت سے دونوں شلواریں سینے لگا۔

ایک پہر کے بعد وہ عورت جھروکے میں سے جھانکی اور اشارے سے اسے سلام کیا اور کبھی وہ آنکھیں نیچی کر لیتی اور کبھی اس کے سامنے مسکرا دیتی، اور اسے خیال ہوا کہ اب وہ اسے مل جائے گی۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گئی اور کنیز میرے بھائی کے پاس آئی اور اس نے اسے دو شلواریں حوالے کر دیں اور وہ لے کر چلی گئی۔ جب رات ہوئی تو وہ اپنے بچھونے پر پڑ گیا اور کروٹیں بدلتے رات گزاری۔ جب صبح ہوئی تو وہ اٹھا اور اپنی دوکان میں جا بیٹھا۔ کنیز نے آکر کہا کہ میرا آقا تجھے بلاتا ہے۔ جب اس نے یہ سنا تو ڈرا۔ کنیز نے جب یہ دیکھا کہ وہ ڈر گیا ہے تو کہنے لگی کہ تجھے کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ اس میں تیرے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ میری آقا نے تیرے اور میرے مالک کے درمیان تعارف کرا دیا ہے۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا اور کنیز کے ساتھ چل کھڑا ہوا اور جب اس کے مالک کے پاس پہنچا جو اس کی مالکہ کا شوہر تھا تو زمین کو بوسہ دیا اور اس نے سلام کا جواب دیا اور بہت سے کپڑے اسے دے کر کہا کہ ان میں سے کلٹ کر میرے لیے قمیض سی دے۔ میرے بھائی نے کہا کہ برو چشم اور رات تک کالتا رہا۔ یہاں تک کہ بیس قمیضیں کلٹ کا تیار کیں اور بالکل کھلایا پیا نہیں۔

مالک نے پوچھا کہ ان کی سلائی کیا ہو گی؟ اس نے کہا کہ بیس درہم۔ لڑکی کے شوہر نے کنیز کو آواز دی اور کہا کہ بیس درہم لے آ۔ میرا بھائی چپ رہا اور لڑکی نے اس کی طرف اشارے سے کہا کہ اس سے کچھ مت لے۔ میرے بھائی نے مالک سے کہا واللہ میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا۔ اور اپنی تلے دانی لے کر باہر چلا گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ میرے بھائی کو داموں کی بہت ضرورت تھی اور تین دن تک اس نے بہت کم کھلایا پیا کیونکہ وہ ان کی سلائی میں مشغول رہا۔ اب کنیز آئی اور اس نے

کہا کہ کہاں تک پہنچا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تیار ہیں اور قیضوں کو لے کر وہ ان کے گھر گیا اور ان کے شوہر کے حوالے کر کے اٹے پاؤں پھر آیا۔ لڑکی اپنے شوہر سے میرے بھائی کا سارا ماجرا بیان کر چکی تھی لیکن اس کو کچھ خبر نہ تھی۔ شوہر بیوی دونوں نے یہ صلاح کر لی تھی کہ اس سے بے اجرت دیے سلوائیں اور اس پر اس کا مذاق اڑائیں۔ دوسرے دن صبح کو جب وہ پھر دوکان پر آیا تو کنیز نے آکر اس سے کہا کہ میرا مالک تجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہے اور وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ جب وہ مالک کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے پانچ شلوکے کاٹے۔ اس نے کاٹ کر وہ کپڑے اپنے ساتھ لیے اور چل دیا۔ ان شلوکوں کو سی کر وہ مالک کے پاس لے گیا۔ اس نے سلائی پسند کی اور آواز دی کہ درہموں کی تھیلی لا اور اپنا ہاتھ بڑھایا۔ لڑکی نے پھر اپنے شوہر کے پیچھے سے اشارہ کیا کہ کچھ مت لے اور اس نے کہا کہ اے میرے آقا، جلدی کیا ہے! بہت وقت پڑا ہے، لے لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا اور اس کی حالت گدھے سے بھی بدتر تھی کیونکہ پانچ چیزیں اکٹھی ہو چکی تھیں۔ عشق اور ناداری اور بھوک اور برہنگی اور مشقت، مگر وہ اپنے اوپر جبر کر کے صبر کر رہا تھا۔

جب میرا بھائی ان کے سارے کام کر چلا تو انہوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلی اور اس کی شادی اپنی کنیز سے کر دی۔ اور ہم بستی کی رات اس سے کہا کہ آج کی رات خراس میں جا کر صبح تک سو، اس میں تیری بہتری ہے۔ میرے بھائی نے اس کو سچ سمجھا اور خراس میں جا کر اکیلا سو گیا۔ اب لڑکی کا شوہر خراس والے کے پاس گیا اور اس سے سازش کی وہ اسے خراس میں جوتے۔ خراس والا آدھی رات کے وقت پہنچا اور کہنے لگا کہ یہ نیل آج رات بیکار کھڑا ہوا ہے اور خراس نہیں چلاتا اور ابھی غلہ بہت باقی ہے۔ یہ کہہ کر وہ خراس میں اترا اور پرات میں غلہ بھر کر میرے بھائی کے پاس گیا اور ایک رسی جو اس کے ہاتھ میں تھی، اس کی گردن میں باندھی اور کہنے لگا کہ ہیو، خراس چلا۔ کیا تو فقط کھانے اور گوہر کرنے اور موتنے کے

لیے یہاں ہے! یہ کہہ کر اس نے کوڑا لیا اور اسے مارنا شروع کیا اور میرا بھائی رو اور چلا رہا تھا اور کوئی اس کی مدد کو نہ آتا تھا۔ اس طرح وہ صبح کے وقت تک غلہ پیتا رہا۔ اب مکان کا مالک آیا اور اس نے دیکھا کہ میرے بھائی پر جوا رکھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ چلا گیا اور دن نکلے کنیز وہاں پہنچی اور کہنے لگی کہ تیرے ماجرے سے مجھے سخت تکلیف ہوئی اور ہم تیرے درد میں شامل ہیں، لیکن مار اور مشقت کی وجہ سے میرے بھائی کی زبان بند تھی۔

اب میرا بھائی گھر آیا اور فوراً وہ کاتب پہنچا جس نے اس کا نکاح نامہ لکھا تھا اور سلام کر کے کہنے لگا کہ خدا تجھے بڑی عمر دے! تیرے چہرے سے پتہ چلتا ہے کہ تو رات سے لے کر صبح تک مزے اور بوس و کنار میں مشغول رہا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ خدا جھوٹ کو تباہ کرے، اے قرم ساق۔ واللہ میں نے نیل کی جگہ صبح تک چکی چلائی ہے۔ اس نے کہا کہ تو سہی، آخر کیا ہوا! اور میرے بھائی نے ساری سرگزشت بیان کی۔ اس نے کہا کہ تیرا ستارہ اس کے ستارے کے ساتھ موافق نہیں آیا۔ لیکن اگر تو چاہے تو میں تیرا نکاح نامہ بدل دوں۔ اس نے جواب دیا کہ دیکھ، شاید کوئی اور دغا بازی ابھی میرے لیے رہ گئی ہو۔ یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے چل دیا اور دوکان میں آ کر انتظار کرنے لگا کہ شاید کوئی شخص کام لے کر اس کے پاس آئے، جس سے اس کی روزی چلے۔ اتنے میں پھر وہی کنیز پہنچی اور کہنے لگی کہ میری مالکہ تجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ چل دور ہو، اے نیک بخت لڑکی، اب میرے اور تیری مالکہ کے درمیان کوئی معاملہ باقی نہیں رہا۔ لڑکی نے جا کر مالکہ کو اس کی خبر دی اور میرے بھائی کو ابھی اس کی خبر بھی نہ تھی کہ وہ پھر کھڑکی سے جھانک کر رونے اور کہنے لگی کہ پیارے، کیا ہوا کہ اب میرے اور تیرے درمیان کوئی معاملہ باقی نہیں رہا۔ لیکن میرے بھائی نے کوئی جواب نہ دیا اور لڑکی نے قسم کھا کر کہا کہ جو کچھ خراس میں پیش آیا ہے، اس میں، میں بے گناہ ہوں اور بری الذمہ۔ جب میرے بھائی کی نظر اس کے حسن پر پڑی اور اس نے اس کی میٹھی میٹھی باتیں

سنیں تو جو کچھ اسے رنج پہنچا تھا، جاتا رہا اور اس نے اس کا عذر قبول کر لیا اور اس کو دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اب اس لڑکی کو سلام کیا اور اس کے ساتھ باتیں کیں اور سینے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کنیز آئی اور کہنے لگی کہ میری مالکہ نے تجھے سلام کہا اور پیغام بھیجا ہے کہ آج میرے شوہر کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شب باشی کرے۔ جب وہ چلا جائے تو، تو ہمارے ہاں آؤ اور صبح تک میری مالکہ کے ساتھ مزے کیجیو۔ اس سے قبل اس کا شوہر اسے پوچھ چکا تھا کہ کیا کرنا چاہیے جس سے تیرا پیچھا اس سے چھٹے اور اس نے جواب دیا تھا کہ میں اس کے ساتھ ایک چال چلوں گی اور اسے سارے شہر میں ہنڈواؤں گی لیکن میرے بھائی کو عورتوں کی دغا بازی کا حال کچھ معلوم نہ تھا۔ جب شام ہوئی تو کنیز آئی اور میرے بھائی کو اپنے ساتھ لے گئی۔ جب لڑکی نے میرے بھائی کو دیکھا تو کہنے لگی کہ اے میرے آقا، خدا کی قسم، میں تیری بہت مشتاق تھی۔ اس نے کہا کہ خدا کہ واسطے اور کاروائی سے پہلے مجھے جلدی سے ایک بوسہ دے۔ ابھی اس کی بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ قریب کے کمرے سے لڑکی کا شوہر نکلا اور میرے بھائی سے کہنے لگا کہ واللہ، میں تجھے بغیر پولیس کے حوالے کئے نہ چھوڑوں گا۔ میرے بھائی نے بہت گریہ و زاری کی لیکن اس نے ایک نہ سنی اور اسے شہر کے حاکم کے پاس لے گیا اور اس نے اسے کوڑے مارے ایک ایک اونٹ پر بٹھا کر سارے شہر میں پھرایا۔ لوگ اسے دیکھ کر کہتے تھے کہ واقعی اس شخص کی یہی سزا ہے جو دوسروں کی بیویوں پر دست درازی کرتا ہے۔ اب وہ شہر بدر کر دیا گیا اور شہر سے نکلا، مگر اسے معلوم نہ تھا کہ کہاں جائے؟ اس پر میں خوف زدہ ہوا اور اس سے جا کر ملا اور اسے اپنے ساتھ واپس لے آیا اور وہ اب تک میرے ہی ساتھ رہتا ہے۔ خلیفہ میری بات سن کر ہنسنے لگا اور اس نے کہا کہ اے خاموش، اے کم گو، تو نے خوب کیا، اور اس نے حکم دیا کہ مجھے انعام دے کر رخصت کر دیا جائے۔ میں نے کہا کہ جب تک میں اپنے دوسرے بھائیوں کی بھی سرگزشت نہ بیان کر لوں تجھ سے کچھ نہ لوں گا، اور تو مجھے باتونی خیال مت

کر۔

○ نائی کے دوسرے بھائی کی کہانی

اے امیر المومنین، میرے دوسرے بھائی کا نام بقباۃ ہے جو مفلوج ہے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ کسی کام کے لیے جا رہا تھا کہ ایک بڑھیا اس کے سامنے آئی اور کہنے لگی کہ اے مردوے، ذرا ٹھہر جا تا کہ میں تیرے سامنے ایک بات پیش کروں اور اگر وہ تجھے پسند ہو تو اسے میری خاطر کر دے، خدا تیرا بھلا کرے! میرا بھائی ٹھہر گیا اور بڑھیا نے کہا کہ میں تجھ سے ایک بات کہوں گی اور تجھے اس کا راستہ بھی بتاؤں گی، لیکن باتیں نہ بنائیو۔ میرے بھائی نے کہا، کہہ۔ بڑھیا نے کہا کہ اس بارے میں تیری کیا مرضی ہے کہ ایک خوبصورت مکان ہو اور دل کش باغ جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور پھل ہوں اور شراب اور ایک حسین چہرہ جس کے ساتھ تو رات سے صبح تک ہم آغوش رہے؟ اگر تو میرے کہنے پر عمل کرے گا تو اس میں تیرے لیے بھلائی ہے۔ جب میرے بھائی نے یہ باتیں سنیں تو اس سے کہا کہ اے میری آقا، ایسے کام کے لیے تو نے ساری دنیا کو چھوڑ کر میری طرف کیوں التفات کیا؟ میری کون سی بات تجھے پسند آئی؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے کہا نہ تھا کہ بہت باتیں مت بنائیو۔ بس خاموش رہ اور میرے ساتھ چل۔

یہ کہہ کر بڑھیا واپس ہوئی اور میرا بھائی ان چیزوں کی لالچ میں جو بڑھیا نے اس سے بیان کی تھیں، اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا، یہاں تک کہ وہ ایک مکان میں پہنچے جو بہت کشادہ تھا اور جس میں بہت سے نوکر چا کر تھے۔ اب وہ بڑھیا میرے بھائی کو لے کر زینے پر چڑھی اور اس نے دیکھا کہ یہ ایک عالی شان محل ہے۔ جب گھر والوں نے اسے دیکھا تو اس سے کہا کہ تجھے کون یہاں لایا ہے؟ بڑھیا نے انہیں جواب دیا کہ چپ رہو اور اس کی طبعیت مکر نہ کرو۔ وہ دستکار ہے اور ہمیں اس کی ضرورت

ہے۔ یہ کہہ کر وہ ایک آراستہ کمرے میں اسے لے گئی جس سے زیادہ خوبصورت دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ جب دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو عورتیں کھڑی ہو گئیں اور اسے مرحبا کہا اور اپنے پاس بٹھایا۔ ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ اسے شور و غل سنائی دیا اور کئی کنیزیں آئیں جن کے وسط میں ایک لڑکی تھی جو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبصورت تھی۔ میرے بھائی کی نظر اس پر پڑی تو وہ سروقد کھڑا ہو گیا اور آداب بجا لایا اور اس لڑکی نے مرحبا کہا اور کہا کہ بیٹھ جا اور وہ بیٹھ گیا۔ اب وہ لڑکی اس کے سامنے آئی اور کہنے لگی کہ خدا تجھے عزت دے! تو خیریت سے تو ہے؟ میرے بھائی نے جواب دیا کہ اے میری آقا! میں سرتاپا خیریت سے ہوں۔ اب اس نے کھانا منگوایا اور اس کے لیے بہت اچھا کھانا لایا گیا اور وہ کھانے بیٹھ گئی اور ہنسی کے مارے لوٹی جاتی تھی اور جب میرا بھائی اس کی طرف دیکھتا تو وہ اپنی کنیزوں کی طرف منہ پھیر لیتی گویا کہ وہ ان پر ہنس رہی ہے اور میرے بھائی سے محبت کا اظہار کرتی اور مزے مزے کی باتیں کرتی۔ میرا بھائی گدھا کچھ بھی نہ سمجھا بلکہ شوق کی زیادتی کی وجہ سے وہ سمجھتا تھا کہ لڑکی اس پر عاشق ہے اور وہ بھی اس کی آرزو پوری کرے گی۔

جب کنیزیں اسے کھانا کھلا چکیں تو شراب لائیں۔ اس کے بعد وہ تار والے باجے لائیں اور زور زور سے گانے لگیں۔ اب میرا بھائی مزے میں آگیا اور اس لڑکی کے ہاتھ سے ایک پیالہ لے کر پی گیا اور اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد لڑکی نے بھی ایک پیالہ پیا اور میرے بھائی نے اس سے کہا کہ تندرستی! اور آداب بجا لایا۔ اب لڑکی نے اسے ایک پیالہ پلایا اور وہ پی گیا اور لڑکی نے اس کی گردن پر ایک مکا مارا۔ جب میرے بھائی نے یہ حال چال دیکھا تو وہ وہاں سے نوک دم بھاگا لیکن بڑھیا اس کے پیچھے پہنچی اور اس سے اشارے سے کہنے لگی کہ لوٹ آ۔ اور وہ لوٹ آیا۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ بیٹھ جا اور وہ بیٹھ گیا۔ اور بیٹھا رہا مگر کوئی بات نہ کی۔ لڑکی نے اس کی گدی پر ایک اور تھپڑ مارا۔ یہی نہیں بلکہ اپنی تمام کنیزوں سے

کہا کہ اس کے تھپڑ لگائیں اور وہ بڑھیا سے کہتا جاتا تھا کہ اس سے اچھا نظارہ میں نے عمر بھر نہیں دیکھا اور بڑھیا کہتی جاتی تھی کہ اے میری مالکہ، بس کر۔ لیکن کنیزوں نے اسے اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ بیت الخلا جانے لگا لیکن بڑھیا پیچھے سے اس کے پاس پہنچی اور کہنے لگی کہ اگر تو ذرا اور صبر کرے تو اپنی مراد کو پہنچ جائے گا۔ میرے بھائی نے اسے جواب دیا کہ آخر کب تک صبر کروں! مارے تھپڑوں کہ میں بے ہوش تو ہو چکا ہوں۔ اس نے کہا کہ جب اسے نشہ چڑھ جائے گا تو تیری مراد حاصل ہو گی۔ یہ سن کر میرا بھائی واپس آیا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اب سب کی سب کنیزیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور لڑکی نے انہیں حکم دیا کہ اس کے خوشبو لگائیں اور اس کے منہ پر گلاب چھڑکیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اب لڑکی نے کہا کہ خدا تجھے عزت بخشے! تو میرے گھر آیا اور میری شرط پوری کی جو کوئی میری مخالفت کرتا ہے، اس کو میں نکال باہر کرتی ہوں اور جو کوئی صبر کرتا ہے، اپنی مراد کو پہنچتا ہے۔ میرے بھائی نے اس سے کہا کہ اے میری مالکہ، میں تیرا غلام ہوں اور تیرا فرمانبردار۔ اس نے کہا، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ خدا نے مجھے کھیل کود کا گرویدہ بنایا ہے۔ اس لیے جو کوئی میرا کہنا مانے، اس کی مراد بر آئے گی۔

اب اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ بلند آواز سے گائیں یہاں تک کہ ساری مجلس سرور میں آ جائے۔ پھر اس نے ایک کنیز سے کہا کہ اپنے آقا کو لے جا کر اس کی حاجت رفع کرا کے فوراً میرے پاس لے آ۔ کنیز میرے بھائی کو لے چلی مگر اسے یہ معلوم نہ تھا کہ آخر وہ اس کے ساتھ کیا کرے گی۔ اب بڑھیا پھر پیچھے سے پہنچی اور اس سے کہنے لگی کہ ذرا اور صبر کر، اب تھوڑی ہی سی کسر باقی ہے۔ یہ سن کر اس کے چہرے پر رونق آ گئی اور وہ پھر لڑکی کے سامنے پہنچا، بڑھیا برابر کہتی جاتی تھی کہ ذرا صبر کر، تو اپنی مراد کو پہنچ گیا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ وہ کیا چاہتی ہے کہ یہ کنیز میرے ساتھ کیا کرے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ میں تیرے قربان

جاؤں! سوائے بھلائی کے کچھ نہیں۔ وہ یہ چاہتی ہے کہ یہ تیری بھنویں رنگے اور تیری مونچھیں تراش دے۔ میرے بھائی نے کہا کہ بھنویں کا رنگ تو دھونے سے جاتا رہے گا مگر مونچھوں کو نوچنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ اس کی مخالفت مت کر کیونکہ وہ اپنا دل تجھے دے چکی ہے۔ میرے بھائی نے اپنی بھنویں رنگوانے اور اپنی مونچھیں نچوانے دیں۔ اب کنیر نے جا کر اپنی مالکہ کو اس کی خبر پہنچائی مگر اس نے کہا کہ ابھی ایک چیز اور باقی ہے اور یہ ہے کہ تو اس کی داڑھی بھی مونڈ ڈال تاکہ اس کی شکل بے داڑھی مونچھ والے لڑکے کی سی نکل آئے۔

کنیر نے اس کے پاس جا کر اپنی مالکہ کے حکم سے اسے مطلع کیا۔ میرے احمق بھائی نے اس سے کہا کہ ایسی بات کیونکر کر سکتا ہوں جس سے لوگوں میں میری بدنامی ہو! بڑھیا نے کہا کہ وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہتی تو بلا داڑھی کے امرد ہو جائے تاکہ تیرے چہرے پر کوئی ایسی چیز نہ رہے جو اس کے چہرے کیونکہ اس کے دل میں تیری طرف سے بڑی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ ذرا اور صبر کر لے اور تیری مراد حاصل ہو گی۔ میرے بھائی نے دل پر جبر کر کے کنیر کا کہنا مان لیا اور اپنی داڑھی مونڈ ڈالی۔ اب کنیر اسے لڑکی کے پاس اس ہیئت میں لائی کہ اس کی بھنویں رنگی ہوئی تھیں اور مونچھیں کٹی ہوئی اور داڑھی منڈی ہوئی اور چہرہ سرخ۔ پہلے تو وہ اسے دیکھ کر ڈر گئی لیکن پھر اتنا ہنسی کہ ہنستے ہنستے لوٹ گئی اور اس سے کہنے لگی کہ اے میرے آقا! واقعی تو نے اپنی اس نیک اطواری سے میرا دل لبھا لیا ہے۔ اب میں تجھے اپنی جان کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ اٹھ اور ناچ۔ وہ اٹھا اور ناچنے لگا اور لڑکی نے ایک ایک تکیہ اٹھا کر اسے مارا اور اسی طرح کل کنیروں نے نارنگیوں اور نیبوؤں اور ترنجوں سے اسے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ تکیوں کی مار اور گدی کے مکوں اور پھلوں کی مار کھانے کے وجہ سے وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ بڑھیا نے کہا کہ اب تیری مراد بر آئی اور تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اب مار کا خاتمہ ہو چکا ہے اور محض ایک چیز

باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ اس کی عادت میں سے ہے کہ جب وہ نشے میں ہوتی ہے تو کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی۔ جب تک کہ اپنے کپڑے اور پاجامہ اتار کر مادر زاد ننگی نہ ہو جائے۔ اس کے بعد وہ تجھ سے کہے گی کہ تو بھی اپنے کپڑے اتار ڈال اور میرے پیچھے دوڑ وہ تیرے آگے آگے دوڑے گی گویا کہ وہ تجھ سے بھاگ رہی ہے اور تو جگہ جگہ اس کا پیچھا کرے گا اور وہ تیرے ہاتھ آ جائے گی۔ اب اس بڑھیا نے اس سے کہا کہ اپنے کپڑے اتار ڈال۔ وہ اٹھا اور اپنے آپے میں تو تھا ہی نہیں اور اپنے سارے کپڑے اتار کر ننگا ہو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• بتیسویں رات

جب بتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب بڑھیا نے نائی کے بھائی سے کہا کہ کپڑے اتار ڈال اور وہ اٹھا، اور وہ اپنے آپ میں تو تھا ہی نہیں اور اپنے کپڑے اتار ڈالے اور ننگا ہو گیا تو نائی یہ بیان کرتا ہے کہ لڑکی نے میرے بھائی سے کہا کہ آہم دونوں دوڑیں۔ یہ کہہ کر وہ بھی غلٹی ہو گئی اور اس سے کہنے لگی کہ اگر تو کچھ چاہتا ہے تو میرا پیچھا کر۔ یہ کہہ کر وہ آگے آگے بھاگی اور میرا بھائی پیچھے پیچھے دوڑا۔ اور وہ ایک کمرے سے دوسرے میں جاتی اور پھر نکل کر تیسرے میں اور میرا بھائی اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اور شوق اسے بے چین کئے ہوئے تھا، گویا کہ وہ بالکل دیوانہ تھا۔ اب وہ دوڑ کر ایک اندھیرے کمرے کے آگے پہنچ گئی اور میرا بھائی اس کے پیچھے دوڑتا ہوا اس میں پہنچا اور اس کا پاؤں ایک کمزور جگہ پر پڑا اور وہ نیچے گر پڑا اور وہ یک بیک کیا دیکھتا ہے کہ وہ بیچ بازار میں ہے اور وہ بازار چمڑا فروشوں کا ہے اور چمڑوں پر آواز لگا رہے ہیں اور خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے اسے اس حالت میں دیکھا کہ وہ ننگا ہے۔ اور اس کی داڑھی اور بھوئیں منڈی ہوئی ہیں اور چہرہ لال رنگا ہوا ہے تو وہ اسے دیکھ کر تالیاں پیٹنے لگے اور اسے چمڑوں سے خوب مارا۔ وہ ننگا تو تھا ہی، مار سے بے ہوش ہو گیا اور وہ اسے ایک گدھے پر بٹھا کر حاکم کے حوالے کر آئے۔ حاکم نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ اسی حالت میں وزیر کے محل سے ہمارے اوپر گرا تھا۔ حاکم نے اسے سو درے لگائے اور بغداد سے شہر بدر کر دیا۔ میں اس کے پیچھے جا کر اسے پوشیدہ طور سے شہر میں لے آیا اور اس کا کھانا پینا مقرر کر دیا اور اگر مجھ میں مروت نہ ہوتی تو میں اس جیسے شخص کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔

○ نائی کے تیرے بھائی کی کہانی

میرے تیرے بھائی کا نام فقیق ہے اور وہ اندھا ہے۔ ایک دن وہ قسمت کا مارا ایک بڑے مکان پر پہنچا اور دستک دی تاکہ اس کا مالک اس سے سبب پوچھے اور وہ سوال کرے۔ مالک مکان نے کہا کہ کون ہے؟ لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اب میرے بھائی نے سنا کہ وہ بلند آواز سے پوچھ رہا ہے کہ کون ہے؟ لیکن میرے بھائی نے پھر بھی جواب نہ دیا اور سنا کہ کوئی آ رہا ہے، یہاں تک کہ وہ دروازے پر پہنچ گیا اور اسے کھولا اور اس سے کہا کہ کیا تو اندھا ہے؟ میرے بھائی نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ مجھے اپنا ہاتھ دے اور اس نے اسے اپنا ہاتھ دیا، اس امید پر کہ شاید وہ اسے کچھ دے گا۔ لیکن وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مکان کے اندر لے گیا اور زینے پر چڑھتے چڑھتے سب سے اوپر کی منزل پر پہنچ گیا اور میرا بھائی اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ یا تو وہ اسے کھانا کھلائے گا یا کچھ بھیک دے گا۔ جب وہ سب سے اوپر پہنچ چکا تو اس نے کہا کہ اے اندھے، کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کے لیے کچھ دے۔ اس نے کہا کہ خدا تجھے زیادہ دے! میرے بھائی نے کہا کہ اے فلاں، یہ تو نے مجھ سے نیچے ہی کیوں نہ کہا؟ اس نے جواب دیا کہ اے کینے، جب میں نے تجھے پہلی بار آواز دی تھی تو، تو نے بھی تو جواب نہیں دیا تھا؟ میرے بھائی نے کہا کہ اس وقت تو میرے ساتھ کچھ بھلائی نہیں کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ اچھا، مجھے زینے سے نیچے اتار دے۔ اس نے جواب دیا کہ راستہ تیرے سامنے ہے۔ میرا بھائی اٹھ کر آگے بڑھا اور اترتے اترتے یہاں تک پہنچا کہ اس کے اور دروازے کے درمیان بیس پٹریاں باقی رہ گئیں۔ اب اس کا پاؤں پھسلا اور وہ گر کر دروازے کے پاس آ پڑا اور اس کا سر پھٹ گیا اور وہ باہر نکلا اور اسے معلوم نہ تھا کہ کہاں جائے۔ اتنے میں اسے اس کے چند اندھے رفیق مل گئے اور انہوں نے اس سے پوچھا کہ آج تو نے کتنی کمائی کی؟ اور اس نے ان سے ساری سرگزشت بیان کر دی اور

ان سے کہا کہ اے میرے بھائیو! میں چاہتا ہوں کہ جو درہم میرے پاس باقی رہ گئے ہیں، ان کو نکال کر اپنے اوپر خرچ کروں۔

مکان کا مالک اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا اور اس کی باتیں سن رہا تھا، لیکن نہ میرے بھائی کو اس کی خبر تھی اور نہ ہی اس کے ساتھیوں کو۔ اب میرا بھائی اپنے گھر پہنچا اور اندر گیا اور وہ شخص بھی اندر چلا گیا اور میرے بھائی کو اس کی خبر نہ ہوئی اور میرا بھائی بیٹھ کر اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ داخل ہوئے تو اس نے کہا کہ دروانہ بند کر دو اور مکان کی تلاشی لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غیر آدمی ہمارے پیچھے پیچھے آ گیا ہو۔ جب اس شخص نے میرے بھائی کو یہ کہتے سنا تو اٹھ کر ایک رسی سے لٹک گیا جو چھت سے بندھی ہوئی تھی۔ انہوں نے سارے مکان کو چھان ڈالا اور کسی کونہ پایا اور واپس آکر میرے بھائی کے پاس بیٹھ گئے اور اپنے اپنے درہم نکال کر گننے لگے تو بارہ ہزار درہم نکلے۔ ان کو انہوں نے مکان کے ایک کونے میں رکھ دیا۔ ہر ایک نے محض اتنے درہم لے لیے جتنے کی اسے ضرورت تھی اور باقیوں کو زمین میں گاڑ دیا۔ اب انہوں نے کچھ کھانا نکالا اور بیٹھ کر کھانے لگے، لیکن میرے بھائی نے اپنے پہلو میں کسی غیر آدمی کے چبانے کی آواز سنی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارے ساتھ کوئی غیر آدمی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا جو مکان کا مالک تھا اور سب نے مل کر اسے خوب پیٹا۔ جب وہ دیر تک اسے پیٹ چکے تو چلانے لگے کہ اے مسلمانو! ہمارے یہاں چور گھسا ہے اور ہمارا مال چرانا چاہتا ہے۔ یہ سن کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور وہ شخص آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گیا اور وہی دعویٰ کرنے لگا جو اندھے اس کے اوپر کرتے تھے اور اپنی آنکھیں نیچی کر لیں تاکہ کوئی شک نہ کرے کہ وہ بھی ان کی طرح اندھا نہیں ہے اور چلانے لگا کہ اے مسلمانو! دہائی خدا کی اور سلطان کی! دہائی خدا کی اور شر کے حاکم کی! کیونکہ میں حاکم کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔

اتنے میں لوگوں نے میرے بھائی سمیت سب کو گھیر لیا اور ان کو حاکم کے مکان پر لے گئے۔ حاکم نے ان سب کو اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ٹھہر جا، بغیر سزا دیے تجھے کسی بات کا پتہ نہ چلے گا۔ سب سے پہلے مجھ سے شروع کر اور مجھے سزا دے اور پھر اس میرے سردار کو۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ سے میرے بھائی کی طرف اشارہ کیا۔ اب لوگوں نے اسے لٹا کر اس کی پیٹھ پر چار سو ڈنڈے مارے۔ جب کسی قدر مار سے اسے تکلیف ہوئی تو اس نے ایک آنکھ کھول دی۔ اور جب اور مار پڑی تو دوسری آنکھ بھی کھول دی۔ حاکم نے کہا کہ اے ملعون، یہ کیا حرکت ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے جان بخشی کا پروانہ مر لگا کر دے تو میں سارا بھید کھول دوں۔ ہم چاروں اپنے آپ کو اندھا بنا کر زبردستی لوگوں کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور مکانوں میں داخل ہو کر عورتوں کا نظاہ کرتے ہیں اور ان کو بد راہ کرتے ہیں۔ اس طرح سے ہمارے پاس بڑی دولت جمع ہو گئی ہے جو باہ ہزار درہم ہے۔ جب میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرا حصہ تین ہزار درہم مجھے دے دو تو وہ اٹھ کر مجھے مارنے لگے اور میرا مال ضبط کر بیٹھے اور میں خدا کی اور تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھے میری بات کا یقین آ جائے۔ لہذا ان میں سے ہر ایک کو مجھ سے زیادہ ڈنڈے مار اور اپنی آنکھیں کھول دے گا۔ حاکم نے ان کو سزا دینے کا حکم دیا اور میرے بھائی سے شروع کیا اور اسے شہتیر سے باندھ کر کہنے لگا کہ اے گنگارو، تم خدا کی نعمتوں کا کفران کرتے ہو اور اپنے آپ کو اندھا ظاہر کرتے ہو۔ میرے بھائی نے کہا کہ اللہ اللہ، ہم میں سے واللہ کوئی انکھیا نہیں۔ اب اس پر اتنی مار پڑی کہ وہ بیہوش ہو گیا۔ حاکم نے کہا کہ اسے ہوش میں آ جانے دو، پھر دوبارہ اسے مارنا۔ پھر اس نے اس کے ساتھیوں کو مارنے کا حکم دیا۔ ہر ایک کو تین تین سو ڈنڈے۔ اور انکھیا ان سے کہتا جاتا تھا کہ آنکھیں کھول دو ورنہ مار پڑے گی۔ اب اس شخص نے حاکم سے کہا کہ یہ لوگ آنکھیں تو کھولتے نہیں

لہذا کسی کو میرے ساتھ کر دے کہ درہم لے آئے۔ یہ ڈرتے ہیں کہ کہیں لوگوں میں ندامت نہ ہو۔ حاکم نے درہم منگوا کر ان میں سے تین ہزار درہم جو اس کا حصہ تھا، اسے دے دیا اور باقی کو ضبط کر لیا اور تینوں کو شہر بدر کر دیا۔

اے امیر المومنین، اب میں جا کر اپنے بھائی سے ملا اور حال پوچھا اور اس نے وہ ماجرا بیان کیا جو میں نے ابھی تجھ سے کہا ہے اور میں اسے چھپا کر شہر میں لے آیا اور اس کے لیے پوشیدہ طور پر کھانے پینے کا انتظام کر دیا۔ خلیفہ یہ سن کر ہنسا اور کہنے لگا کہ اسے انعام دے کر رخصت کر دو۔ اس نے کہا کہ واللہ جب تک میں امیر المومنین سے اپنے سب بھائیوں کی سرگزشت نہ بیان کر لوں، میں کچھ نہیں لینے کا کیونکہ میں بہت کم گو ہوں۔

○ نائی کے چوتھے بھائی کی کہانی

اب نائی نے کہا کہ امیر المومنین، میرا چوتھا بھائی جو کانا ہے، بغداد میں قصاب تھا، گوشت بیچتا اور مینڈھے پالتا تھا اور بڑے بڑے اور امیر لوگ اس کے یہاں آکر گوشت خریدتے اس طرح سے اس نے بہت سا پیسہ کمایا اور بہت سے مویشی اور مکانات خریدے اور ایک مدت تک اس کی یہی حالت رہی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بڑھا لمبی داڑھی والا اس کے پاس آیا اور درہم نکال کر کہنے لگا کہ مجھے ان کا گوشت دے دے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے درہم دیے اور اس نے گوشت دیا اور بوڑھا چلا گیا۔ اب میرے بھائی نے دیکھا کہ بوڑھے کے درہم بہت سفید اور چمکدار ہیں۔ اس لیے ان کو اوروں سے علیحدہ ایک کونے میں رکھ دیا۔ بوڑھا پانچ مہینے برابر اس کے یہاں آتا رہا اور میرا بھائی اس کے درہموں کو علیحدہ ایک صندوق میں رکھتا گیا۔ ایک دن اس کو خیال ہوا کہ درہموں کو نکال کر بھیڑیں خریدے اور اس نے صندوق کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس

میں محض گول گول کٹے ہوئے سفید کلغذ پڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے منہ پر طمانچے مارنے اور چلانے لگا اور بہت سے لوگ آکر جمع ہو گئے اور جب اس نے ان سے اپنی سرگزشت بیان کی تو ان کو بڑا تعجب ہوا۔ اب میرا بھائی اپنے دستور کے موافق اٹھا اور ایک مینڈھے کو ذبح کیا اور اسے دوکان کے اندر لٹکا دیا اور اس میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر باہر نکال کر لٹکا دیا۔ میرا بھائی کہہ رہا تھا کہ کاش کہ وہ منحوس بڑھا آتا ہو! ابھی ایک پہر بھی نہ گزرا تھا کہ بوڑھا آیا اور اس کے پاس وہی چاندی تھی۔ میرے بھائی نے اٹھ کر اسے پکڑ لیا اور شور مچانے لگا کہ اے مسلمانو! دوڑو اور اس فاجر کی سرگزشت میرے ساتھ سنو۔ جب بوڑھے نے اسے یہ کہتے سنا تو کہنے لگا کہ دو باتوں میں سے تو کون سی بات پسند کرتا ہے؟ یہ کہ تو مجھے جانے دے یا یہ کہ میں لوگوں میں تیری فضیلت کراؤں۔ میرے بھائی نے جواب دیا کہ تو کس بات پر میری فضیلت کرائے گا؟ اس نے جواب دیا کہ تو آدمیوں کے گوشت کو بھیڑ کا گوشت کہہ کر بیچتا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ اے ملعون تو جھوٹا ہے۔ بوڑھے نے جواب دیا کہ ملعون وہ ہے جس کی دوکان میں آدمی لٹکا ہوا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ اگر تیرا کہنا سچ ہے تو میرا مال اور خون تیرے لیے حلال ہیں۔ بوڑھے نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے لوگو! اگر تم میری بات کی تحقیق کرنا چاہتے ہو اور جاننا چاہتے ہو کہ میں سچ کہتا ہوں تو اس کی دوکان کے اندر جا کر دیکھ لو۔ لوگ میرے بھائی کی دوکان کے اندر دوڑ پڑے اور وہ مینڈھا واقعی انسان کی شکل میں ہو گیا تھا اور لٹک رہا تھا۔

جب انہوں نے یہ دیکھا تو میرے بھائی کو پکڑ کر شور مچانے لگے کہ اے کافر! اے فاجر اور جو اس کے عزیز ترین دوست تھے! اسے گھونے اور تھپڑ مارنے لگے اور کہنے لگے کہ تو ہمیں انسان کا گوشت کھانے کو دیتا ہے۔ بوڑھے نے اس کی ایک آنکھ پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ وہ اندھی ہو گئی۔ اب لوگ اس ذبح کئے ہوئے انسان کو لے کر شہر کے داروغہ کے پاس پہنچے اور بوڑھے نے اس سے کہا کہ اے حاکم! یہ شخص

آدمیوں کو ذبح کرتا ہے اور بھیڑ کا گوشت کہہ کر بیچتا ہے۔ ہم اسے پکڑ کے تیرے پاس لائے ہیں، اٹھ اور خدا کا حق ادا کر۔ میرے بھائی نے اپنی صفائی پیش کی لیکن اس نے ایک نہ سنی اور حکم دیا کہ اسے پانچ سو ڈنڈے مارے جائیں اور اس کا سارا مال ضبط کر لیا جائے۔ اگر مال نہ ہوتا تو وہ قتل بھی کر دیا جاتا۔

اب میرا بھائی وہاں سے سر کے بل بھاگا اور ایک بڑے شہر میں پہنچا اور اس نے یہ بہتر خیال کیا کہ موچی کی دوکان کھولے اور وہ دوکان کھول کر بیٹھ گیا اور کچھ کام کاج شروع کر دیا تاکہ کچھ کھانا پینا ملے۔ ایک دن وہ کسی ضرورت سے باہر گیا ہوا تھا کہ اس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ بادشاہ شکار کے لیے باہر جا رہا ہے۔ میرا بھائی بھی بادشاہ کی شان و شوکت دیکھنے کے لیے ٹھہر گیا۔ اب بادشاہ کی نظر میرے بھائی کی آنکھ پر پڑی اور اس نے آنکھ نیچی کر لی اور کہنے لگا کہ اللہ مجھے آج کی برائی سے بچائیو۔ یہ کہہ کر اس نے باگ پھیر دی اور سب غلاموں کو لے کر لوٹ گیا۔ اب اس کے حکم کے مطابق غلاموں نے میرے بھائی کو آلیا اور اتنا سخت مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گیا لیکن میرے بھائی کو کچھ نہ معلوم ہوا کہ اس پر کیوں مار پڑی۔ جب وہ نیم جان گھر واپس آ رہا تھا تو اسے راستے میں بادشاہ کا ایک نوکر ملا اور اس نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ نوکر ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور کہنے لگا کہ بھائی، بادشاہ کو اس کی برداشت نہیں کہ اس کی نظر کانے پر پڑے، بالخصوص جب وہ دہنی آنکھ سے کانٹا ہو تو وہ اسے بے قتل کئے نہیں چھوڑتا۔ جب میرے بھائی نے یہ سنا تو اس شہر سے بھاگ جانے کا تہیہ کیا اور اٹھ کر وہاں سے چل کھڑا ہوا اور ایک دوسری جگہ پہنچا جہاں وہ کسی کو نہ جانتا تھا اور وہاں بہت دنوں رہا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ میرا بھائی اپنے بارے میں پریشان تھا اور دل بہلانے باہر نکلا کہ اتنے میں اس نے اپنے پیچھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آتی ہوئی سنی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ پھر مقدر نے مجھے آگھیرا اور وہ دیکھنے لگا کہ کہاں جا کر چھپے مگر

اسے کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ اب اس کی نظر ایک بند دروازے پر پڑی اور اس نے اسے دھکا دے کر گرا دیا اور اندر گھس گیا اور دیکھا کہ وہاں ایک لمبی غلام گردش ہے اور وہ اس کے اندر داخل ہو گیا۔ ابھی اس کو کسی بات کی خبر نہ تھی کہ دو آدمیوں نے آکر اسے پکڑ لیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا کہ تو ہمارے ہتھے چڑھا۔ اے خدا کے دشمن! تین راتوں سے تو نے ہمیں بالکل سونے نہ دیا، نہ چین لینے دیا اور ہمیں مرنے کے قریب پہنچا دیا۔ میرے بھائی نے کہا کہ اے لوگو! بات کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تو ہمارے اوپر چھاپا مارتا ہے اور ہماری فضیحت کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے طرح طرح کی چالیں سوچتا ہے اور مکان کے مالک کا گلا کاٹنا چاہتا ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ تو نے اور تیرے ساتھیوں نے اسے قلائچ کر دیا ہے! بہر حال وہ چھری نکال کر ہمارے حوالے کر جس سے تو ہمیں ہر رات ڈراتا ہے۔ اب انہوں نے تلاشی لی تو انہیں اس کی کمر میں ایک چھری ملی۔

اس نے کہا کہ اے لوگو! میرے بارے میں خدا سے ڈرو اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میری سرگزشت کیا ہے؟ اور اس نے سارا قصہ بیان کر دیا، اس امید پر کہ وہ اسے جانے دیں گے۔ لیکن انہوں نے بھائی کی ایک نہ سنی اور اسے پکڑ کر مارنا شروع کر دیا اور اس کے کپڑے اتار ڈالے۔ اب انہوں نے دیکھا کہ اس کے بدن پر کوڑے کی مار کے نشان ہیں اور اس سے کہنے لگے کہ یہ تو مار کے نشان ہیں اور وہ اسے حاکم کے پاس لے گئے۔ میرا بھائی اپنے دل میں کہتا تھا کہ یہ میرے گناہوں کی سزا ہے اور سوائے خدا کے اور کوئی مجھے نجات نہیں دے سکتا۔ اب حاکم نے میرے بھائی سے کہا کہ اے فاجر! تجھے کس بات نے اس پر آمادہ کیا کہ تو قتل کے ارادے سے ان کے گھر میں گھستا ہے؟ میرے بھائی نے کہا کہ اے حاکم! میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری بات سن اور جلدی مت کر۔ حاکم نے جواب دیا کہ ہم اور ڈاکو کی باتیں سنیں، جس نے لوگوں کو غریب بنا دیا ہے اور جس کی پیٹھ پر مار کے نشان ہیں! تو نے کوئی بہت بڑا جرم کیا ہو گا جس کی وجہ سے لوگوں نے تیری یہ گت بنائی

ہے! یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ میرے بھائی کے سو درے لگائے جائیں اور اس کے سو درے لگائے گئے اور ایک اونٹ پر بٹھا کر اسے پھرایا گیا اور لوگ کہتے جاتے تھے کہ یہ اس شخص کی کم از کم سزا ہے جو لوگوں کے گھروں پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اب حاکم نے اسے شہر بدر کرنے کا حکم دیا اور میرے بھائی کا چہرہ فق ہو گیا۔ جب میں نے اس کا حال سنا تو میں نے اس کے پاس جا کر ماجرا پوچھا اور اس نے اپنی ساری سرگزشت بیان کی اور میں اس کے ساتھ ساتھ چکر لگا رہا تھا اور لوگ ڈھنڈورا پیٹتے جاتے تھے۔ اب انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور میں اس کے پاس گیا اور اسے لے کر چپکے سے شہر میں آیا اور اس کے کھانے پینے کا انتظام کر دیا۔

○ ثانی کے پانچویں بھائی کی کہانی

میرا پانچواں بھائی دونوں کانوں سے بوچا تھا۔ اے امیر المومنین، اور فقیر تھا، رات کو لوگوں سے بھیک مانگتا اور دن میں اس پر گزارا کرتا تھا۔ اور ہمارا باپ عمر رسیدہ بوڑھا تھا۔ وہ بیمار ہوا اور مر گیا اور سات سو دینار ہمارے لیے ترکے میں چھوڑے اور ہم میں سے ایک نے ایک ایک سو درہم لے لیے لیکن جب میرے پانچویں بھائیوں کو اس کا حصہ ملا تو وہ حیران ہو گیا اور اس کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ کیا کرنا چاہیے؟ وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ اسے خیال ہوا کہ ان داموں سے طرح طرح کے کانچ کے برتن خریدے اور ان سے فائدہ اٹھائے۔ یہ سوچ کر اس نے سو درہم کے کانچ کے برتن خریدے اور انہیں ایک تشت میں رکھ کر ایک جگہ بیٹھ کر بیچنے لگا۔ اس کے پہلو میں ایک دیوار تھی، اس سے وہ تکیہ لگا کر بیٹھ گیا اور اپنے دل میں سوچنے لگا کہ ان کانچ کے برتنوں میں میری پونجی ایک سو درہم کی ہے اور ان کو دو سو درہم میں بیچوں گا۔ پھر میں دو سو درہم کے کانچ کے برتن خریدوں گا اور ان کو چار سو درہم میں بیچوں گا۔ اسی طرح سے میں خریدتا اور بیچتا رہوں گا، یہاں تک کہ میرے پاس بہت سا مال جمع ہو جائے

گا اور میں اس سے ہر طرح کا تجارت کا مال اور جواہرات اور عطر خریدوں گا۔ ان سے بے حد فائدہ اٹھاؤں گا۔ اس کے بعد میں ایک خوبصورت محل خریدوں گا اور غلام اور گھوڑے اور سونے کی کاٹھیاں خریدوں گا۔ اور خوب کھاؤں پیوں گا اور شہر کا کوئی گویا اور ڈومنی نہ ہو گی جس کو میں اپنے یہاں نہ بلاؤں گا اور اگر خدا کو منظور ہے تو میں اپنی پونجی ایک لاکھ درہم تک پہنچا دوں گا۔

وہ اپنے دل میں یہی حساب لگا رہا تھا اور کلچ کے برتنوں کا تشیت اس کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اب وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب میرا مال ایک لاکھ درہم ہو جائے گا تو میں شاہزادیوں اور وزیر زادیوں سے نکاح کے لیے کنتیاں بھیجوں گا اور وزیر کی بیٹی کے پاس شادی کا پیغام بھیجوں گا کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ حسن میں لاجواب اور جمال میں یکتا ہے اور ایک ہزار دینار اس کا مهر مقرر کروں گا۔ اگر اس پر اس کا باپ راضی ہو گیا تو خیر، ورنہ میں اس کی مرضی کے خلاف لڑکی کو جبراً لے آؤں گا اور جب وہ میرے گھر آچکے گی تو میں اس کے لیے دس ننھے ننھے غلام خریدوں گا اور اپنے لیے بادشاہوں اور سلطانوں کی پوشاکوں میں سے ایک پوشاک خریدوں گا اور ایک سونے کی زین بنا کر اسے قیمتی جواہرات سے آراستہ کروں گا۔ پھر میں سوار ہوں گا اور میرے اردگرد اور سامنے سفید غلام ہوں گے اور میں شہر کا چکر لگاؤں گا اور لوگ مجھے سلام کریں گے اور دعا دیں گے۔ اب میں اس وزیر کے یہاں پہنچوں گا جو لڑکی کا باپ ہے اور سفید غلام میرے آگے پیچھے اور دہنے اور بائیں ہوں گے۔ جب وزیر مجھے دیکھے تو کھڑا ہو جائے گا اور مجھے اپنی جگہ بٹھائے گا اور خود نیچے بیٹھ جائے گا کیونکہ وہ میرا سر ہے۔

میرے ساتھ دو غلام ہوں گے جن کے پاس ہزار دینار کی تھیلیاں ہوں گی اور میں وزیر کو ایک ہزار اس کی لڑکی کے مهر کے دوں گا اور ایک ہزار اس کو تحفہ دوں گا تاکہ اس کو معلوم ہو کہ میں کتنا بامروت اور بخشنے والا ہوں اور دنیا میری نظر میں کتنی حقیر ہے۔ جب وہ مجھ سے دس باتیں کرے گا تو میں دو باتوں کا جواب

دوں گا اور پھر اپنے گھر واپس آ جاؤں گا۔

جب کوئی شخص میری سسرال سے آئے گا تو میں اسے نقد اشرفیاں دوں گا اور خلعت پہناؤں گا اور اگر کوئی ہدیہ لے کر آئے گا تو میں اسے منظور نہ کروں گا اور واپس کر دوں گا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ میں عالی دماغ ہوں اور اپنی شان نہیں چھوڑتا۔ پھر میں نئی شوکت اور دبدبے سے ان کے یہاں جاؤں گا۔ جب یہ سب کچھ ہو چکے گا تو میں انہیں حکم دوں گا کہ شادی کی رات کا انتظام کیا جائے اور میں اپنے گھر کو نمایاں طور پر سجاؤں گا۔ جب منہ دکھائی کا وقت آئے گا تو میں اپنی بہترین پوشاک پہنوں گا اور ریشمی لباس میں تکیہ لگا کر بیٹھوں گا اور داہنے بائیں نہ دیکھوں گا کیونکہ یہ میری عقل کی بڑائی اور سمجھ کی پختگی کی دلیل ہو گی، اور میری بیوی میرے سامنے چاند کی طرح کھڑی ہو گی اور اپنی پوشاک اور زیور پہنے ہو گی اور میں تکبر اور غرور سے اس کی طرف نہ دیکھوں گا۔ یہاں تک کہ سارے حاضرین کہیں گے کہ اے آقا، تیری بیوی اور تیری لونڈی تیرے سامنے کھڑی ہے۔ اس پر مہربانی کر اور ایک نظر ڈال کیونکہ کھڑے کھڑے اس کو تکلیف ہوتی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ کئی بار میرے آگے زمین کو بوسہ دیں گے۔ اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور ایک نظر اس کو دیکھوں گا اور پھر سر نیچا کر لوں گا۔ اس کے بعد وہ اسے سونے کے کمرے میں لے جائیں گے اور میں اٹھ کر اپنے کپڑے بدلوں گا اور بہترین لباس پہنوں گا۔ جب وہ دلہن کو دوسری بار لائیں گے تو جب تک وہ کئی بار میری خوشامد نہ کر لیں گے، میں اس کی طرف نہ دیکھوں گا، اور ایک بار دیکھ کر پھر آنکھیں نیچی کر لوں گا اور اس کی منہ دکھائی کے ختم ہونے تک یونہی رہوں گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی ختم کر دی، جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

جب تینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- نائی کے بھائی نے کہا کہ پھر میں نظر نیچی کر لوں گا اور اس کی منہ دکھائی کے ختم ہونے تک یونہی رہوں گا۔ اب میں ایک خادم کو حکم دوں گا کہ وہ ایک تھیلی لائے، جس میں پانچ سو دینار ہوں۔ جب دینار آجائیں تو میں انہی ڈومنیوں کو حکم دوں گا کہ مجھے دلہن کے پاس لے چلیں۔ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گی تو میں نہ اس کی طرف آنکھ اٹھاؤں گا اور نہ اس سے بات چیت کروں گا تاکہ اس میں حقارت پائی جائے اور لوگ کہیں کہ میں کیسا عالی دماغ آدمی ہوں۔ اب اس کی ماں آئے گی اور میرا سر اور دونوں ہاتھ چوم کر کہے گی کہ اے میرے آقا اپنی لونڈی کو ایک نظر دیکھ اور اس کی دل دہی کر کیونکہ اسے آرزو ہے کہ اسے تیرا قرب حاصل ہو۔ میں اس کا کوئی جواب نہ دوں گا۔ جب وہ یہ دیکھے گی تو اٹھ کر بار بار میرے پاؤں چومے گی اور کہے گی کہ اے آقا، میری بیٹی نہایت حسین لڑکی ہے اور ابھی تک کسی مرد پر اس کی نظر نہیں پڑی ہے، اگر وہ تیری یہ سرد مہری دیکھے گی تو اس کی دل شکنی ہو گی، اس کی طرف متوجہ ہو کر اس سے باتیں کر۔ یہ کہہ کر وہ اٹھے گی اور میرے لیے ایک پیالہ لائے گی، جس میں شراب ہو گی اور اس کی بیٹی اس کے ہاتھ سے وہ پیالہ لے لے گی اور اسے میرے پاس لائے گی لیکن میں اسے اپنے سامنے کھڑا رہنے دوں گا اور میں ایک گول زرکش تکیے سے تکیہ لگائے ہوئے ہوں گا اور اپنی بزرگی کی وجہ سے اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھوں گا تاکہ وہ سمجھے کہ میں عظیم الشان سلطان ہوں۔ اب وہ مجھ سے کہے گی کہ اے میرے آقا، میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ اپنی لونڈی کے ہاتھ سے پیالے کو رد نہ کر، کیونکہ میں واقعی تیری لونڈی ہوں، مگر میں اس سے بات نہ کروں گا، یہاں تک کہ وہ میری خوشامد کرے گی اور کہے گی کہ تجھے پینا پڑے گا اور پیالہ میرے منہ کی طرف بڑھائے گی اور میں اسے ایک تھپڑ لگاؤں

گا اور اسے اپنے پاؤں سے اس طرح ٹھوکر ماروں گا' یہ کہہ کر اس نے اپنے پاؤں سے ایک ٹھوکر ماری اور تشت مع کلچ کے برتنوں کے الٹ گیا اور چونکہ وہ اونچی جگہ پر تھا، اس لیے زمین پر گر کر سارے برتن ٹوٹ گئے۔

اب میرا بھائی چلانے لگا اور کہتا جاتا تھا کہ یہ سب میرے غرور کی وجہ سے ہوا۔ اے امیر المومنین، اب میرے بھائی نے اپنے طمانچے لگانے اور کپڑے پھاڑنے شروع کر دیئے۔ وہ روتا جاتا اور طمانچے لگاتا جاتا تھا اور لوگ جو جمعے کی نماز کو جا رہے تھے، بعض اس کو دیکھ کر اس پر ترس کھاتے تھے اور بعض کو اس کا کچھ خیال نہ تھا، اور میرے بھائی کی یہ حالت تھی کہ اس کی پونجی اور فائدہ دونوں ضائع ہو گئے۔ وہ کچھ دیر تک کھڑا رویا کیا کہ اتنے میں ایک حسین عورت وہاں سے گزری، اس کے ساتھ بہت سے خادم تھے اور وہ ایک نخر پر سوار تھی، جس پر سونے کی زین کسی ہوئی تھی اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی اور وہ جمعے کی نماز پڑھنے جا رہی تھی۔ جب اس نے کلچ کے برتن دیکھے اور اور میرے بھائی کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ رو رہا ہے تو اسے اس پر ترس آ گیا اور اس کا دل پیچ گیا اور اس نے حال دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے پاس کلچ کے برتنوں کا ایک تشت تھا، جس سے وہ اپنی روزی کماتا تھا، وہ ٹوٹ گیا ہے اور اس کی حالت تیرے اوپر ظاہر ہے۔ یہ سن کر اس نے ایک خادم کو بلایا اور کہا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے، اس مسکین کو دے دے اور اس نے اسے ایک توڑا حوالے کر دیا، جس میں پانچ سو دینار تھے۔ جب یہ توڑا میرے بھائی کے ہاتھ میں آیا تو وہ مارے خوشی کے مرا جاتا تھا اور اس نے آگے بڑھ کر اسے دعا دی، جب گھر پہنچا تو وہ امیر تھا۔

ابھی وہ بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ کسی نے دروانہ کھٹکھٹایا اور اس نے اٹھ کر دروانہ کھولا تو دیکھا کہ ایک بڑھیا کھڑی ہے جس کو وہ پہچانتا نہ تھا۔ اس نے کہا کہ 'بیٹا، تو جانتا ہے کہ نماز کا وقت قریب آ گیا ہے اور میں بے وضو کے ہوں اور چاہتی ہوں کہ تیرے گھر میں وضو کروں اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ میرا بھائی اندر گیا اور اس

سے کہا کہ آ جا۔

جب وہ اندر آئی تو اس نے اسے وضو کرنے کے لیے ایک لوٹا دیا اور خود الگ جا کر بیٹھ گیا اور دیناروں کے ملنے کی وجہ سے پھولے نہ سماتا تھا۔ اب اس نے وہ دینار اپنے ازار بند میں باندھ لیے۔ جب باندھ چکا اور بڑھیا وضو کر چکی تو وہ اس جگہ آئی جہاں میرا بھائی بیٹھا ہوا تھا اور دو رکعت نماز پڑھی اور میرے بھائی کے لیے دعا مانگی۔ اس نے بڑھیا کا شکریہ ادا کیا اور اپنا ہاتھ دیناروں کی طرف بڑھایا اور دو دینار نکال کر اسے دیے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ میری طرف سے صدقہ ہے۔ جب بڑھیا نے دینار دیکھے تو کہنے لگی کہ سبحان اللہ جو تجھے چاہتی ہے، اسے تو فقیر سمجھتا ہے! اپنے دینار رہنے دے، مجھے ان کی حاجت نہیں، انہیں اپنے دل سے جدا نہ کر۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اس سے ملے، جس نے تجھے دینار دیئے ہیں تو میں تجھے اس سے ملا دوں گی کیونکہ وہ میری مالکہ ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ اس سے ملنے کی ترکیب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے بیٹا، اس کا میلان امیر آدمیوں کی طرف ہے۔ اس لیے اپنے سارے دینار لے کر میرے ساتھ چل تا کہ تیری مراد پوری ہو۔ جب تو اس کے ساتھ ہو جیو تو ہرگز کسی قسم کی ملاطفت اور پیاری باتوں میں کمی نہ کیجیو کیونکہ اس طرح سے اس کا سارا حسن اور مال تیرا ہو جائے گا۔

میرے بھائی نے اپنا سارا سونا لیا اور اٹھ کر بڑھیا کے ساتھ روانہ ہو گیا اور اسے یقین نہیں آتا تھا۔ جب بڑھیا آگے آگے چلی اور میرا بھائی اس کے پیچھے پیچھے یہاں تک کہ وہ ایک بڑے دروازے پر پہنچے اور بڑھیا نے دستک دی اور ایک رومی لڑکی نے آکر دروازہ کھولا۔ بڑھیا اندر گئی اور میرے بھائی سے کہا کہ میرے ساتھ آ۔ اب وہ ایک بڑے محل میں داخل ہوئے، جس میں ایک بہت بڑی بیٹھک تھی اور فرش پر عمدہ عمدہ قالین بچھے ہوئے تھے اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ میرا بھائی وہاں بیٹھ گیا اور اپنی اشرفیاں سامنے رکھ لیں اور اپنی گھٹنوں پر رکھ لی کہ اتنے میں ایک لڑکی آئی جس سے زیادہ حسین کسی کی نظر سے نہ گزری ہو اور وہ زرق برق لباس پہنے ہوئی تھی۔ اسے

دیکھ کر میرا بھائی سرو قد کھڑا ہو گیا۔ جب لڑکی نے اسے دیکھا تو وہ مسکرائی اور خوشی کا اظہار کیا اور اشارے سے کہا کہ بیٹھ جا۔ اب اس نے حکم دیا کہ دروانہ بند کر دیا جائے اور میرے بھائی کے پاس آئی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دونوں ایک تنہا کمرے میں پہنچے جس میں ریشمی فرش بچھے ہوئے تھے۔ وہاں میرا بھائی بیٹھ گیا اور اس کے پہلو میں وہ بھی بیٹھ گئی اور اس سے تھوڑی دیر ہنسی مذاق کرتی رہی۔ اب وہ اٹھی اور کہنے لگی کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں یہاں سے مت جائیو۔ یہ کہہ کر وہ چل دی اور میرا بھائی اکیلا رہ گیا کہ اتنے میں ایک لمبا چوڑا حبشی غلام اس کمرے میں آیا اور اس کے پاس ایک ننگی تلوار تھی اور میرے بھائی سے کہنے لگا کہ تف ہو تجھ پر! تجھے یہاں کون لایا ہے اور تو کیا کر رہا ہے؟ جب میرے بھائی نے اسے دیکھا تو اسے جواب دینے کی طاقت باقی نہ رہی اور اس کی زبان بند ہو گئی اور منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ اب حبشی نے میرے بھائی کو پکڑ کر اس کے کپڑے اتارے اور اسے تلوار کی سطح سے اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا اور منحوس غلام کو خیال ہوا کہ وہ مر گیا۔

اب میرے بھائی نے اسے کہتے سنا کہ نمک چھڑکنے والی کہاں ہے؟ یہ سن کر ایک لونڈی آئی اور اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سینی تھی اور اس میں بہت سا نمک تھا اور غلام، بھائی کے زخموں پر چھڑکنے لگا، مگر وہ جنبش نہ کرتا کہ کہیں غلام کو معلوم نہ ہو جائے کہ وہ زندہ ہے اور وہ اسے قتل کر کے اس کی جان نکال لے۔ اب وہ لونڈی چلی گئی اور غلام نے آواز دی کہ تمہ خانے والی کہاں ہے؟ یہ سن کو وہی بڑھیا آئی اور اسے پاؤں سے پکڑ کر کھینچا اور تمہ خانے میں لے جا کر اسے لاشوں کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ وہاں وہ دو روز تک پڑا رہا اور خدا نے نمک کو اس کی زندگی کا سبب بنا دیا کیونکہ اس سے خون رک گیا۔ اب میرے بھائی نے دیکھا کہ اس میں جنبش کرنے کی قوت آ گئی ہے اور اس نے اٹھ کر تمہ خانے کا چور دروانہ کھولا اور ڈرتے ڈرتے

باہر نکلا۔ خدا نے اس کی پردہ پوشی کی اور وہ اندھیرے میں چل نکلا اور صبح تک بیٹھک میں چھپا رہا۔ جب صبح ہوئی تو وہ ملعون بڑھیا دوسرے شکار کی تلاش میں نکلی اور میرا بھائی بھی اس کے پیچھے نکل آیا، اور بڑھیا کو اس کا پتہ نہ چلا۔ اب وہ اپنے گھر پہنچ کر علاج کرنے لگا، یہاں تک کہ اچھا ہو گیا۔ لیکن وہ ہر روز دیکھتا تھا کہ بڑھیا لوگوں کو ایک ایک کر کے لے جاتی ہے اور اس مکان میں چھوڑ آتی ہے، اور وہ کچھ نہ کہتا تھا مگر جب اس کی جان میں جان آئی اور قوت پیدا ہوئی تو اس نے ایک چیتھڑا لے کر اس کی تھیلی بنائی اور اس میں کانچ کے ٹکڑے بھر کر اسے اپنی کمر سے باندھ لیا اور بھیس بدل کر نکلا تا کہ اس کو کوئی پہچانے نہیں اور عجی لباس پہن کر اس میں ایک تلوار چھپا لی۔ جب اسے وہ بڑھیا نظر آئی تو اس نے عجمیوں کے لہجے میں کہا کہ اے بڑھیا، میں پردیسی ہوں اور آج ہی اس شہر میں پہنچا ہوں اور یہاں کسی سے واقف نہیں ہوں۔ تیرے پاس ترازو ہو گا جس میں نو سو دینار آجائیں؟ اس کے بدلے میں تجھے ان میں سے کچھ دینار دوں گا۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ میرا بیٹا صراف ہے اور اس کے پاس ہر قسم کے ترازو ہیں۔ میرے ساتھ چل قبل اس کے کہ وہ مکان سے چلا جائے اور اپنی اشرفیاں تول لے۔

میرے بھائی نے کہا کہ تو آگے آگے چل اور وہ چلی اور میرا بھائی اس کے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ وہ اسی دروازے پر پہنچی اور اسے کھٹکھٹایا اور بعینہ اور وہی لونڈی آئی اور اس نے دروازہ کھولا۔ بڑھیا اس کو دیکھ کر مسکرا دی اور کہنے لگی کہ میں آج تمہارے لیے چربی والا گوشت لائی ہوں۔ لونڈی نے میرے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اسے مکان کے اندر داخل کر لیا اور یہ وہی مکان تھا جس میں وہ پہلے گیا تھا۔ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھنے کے بعد لڑکی اٹھی اور اس نے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں، یہاں سے اٹھیو مت۔ یہ کہہ کر وہ چل دی اور اس کے جاتے ہیں ملعون غلام ننگی تلوار لے کر آدھکا اور میرے بھائی سے کہنے لگا کہ اے ملعون اٹھ۔ میرا بھائی اٹھا اور

غلام آگے آگے چلا اور میرا بھائی پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اب اس نے اپنا ہاتھ تلوار کی طرف بڑھایا جو اس کے کپڑوں میں پوشیدہ تھے اور غلام پر ایسا وار کیا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو گیا اور وہ اسے پاؤں سے کھینچ کر تہہ خانے میں لے گیا اور آواز دی کہ نمک چھڑکنے والی کہاں ہے؟ اب وہ ایک سنی لے کر پہنچی، جس میں نمک تھا اور جب اس نے دیکھا کہ میرا بھائی شمشیر بدست کھڑا ہے تو وہ اٹے پاؤں بھاگی لیکن میرے بھائی نے پیچھے سے ایک ایسی تلوار ماری اور اس کا سر اڑا دیا۔ اب اس نے آواز دی کہ بڑھیا کہاں ہے؟ اور جب وہ آئی تو اس نے کہا کہ اے منحوس بڑھیا، تو مجھے پہچانتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں میرے آقا، اس نے کہا کہ میں وہی درہم والا ہوں جس کے گھر آکر تو نے وضو کیا تھا اور نماز پڑھی تھی اور پھر مجھے یہاں مصیبت میں ڈال گئی تھی۔ بڑھیا نے کہا کہ خدا سے ڈر اور مجھے معاف کر لیکن اس نے اس کی ایک نہ سنی اور تلوار سے اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔

اب وہ اس لڑکی کی تلاش میں نکلا اور جوں ہی لڑکی کی نظر اس پر پڑی، وہ حواس باختہ ہو گئی اور اس نے امان مانگی اور میرے بھائی نے اسے امان دی اور اس سے پوچھا کہ تو کس طرح اس حبشی کے ہتھے چڑھی؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک سوداگر کی کنیز ہوں اور یہ بڑھیا ہمارے یہاں آیا جلا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ میں اس سے مانوس ہو گئی۔ ایک روز وہ مجھ سے کہنے لگی کہ آج ہمارے یہاں ایک شادی ہے کہ آج تک کسی نے ایسی نہ دیکھی ہو گی اور میں چاہتی ہوں کہ تو اس میں شریک ہو۔ میں نے کہا برو چشم۔ یہ کہہ کر اٹھی اور اپنے بہترین کپڑے اور زیور پہنے اور ایک تھیلی میں سو دینار لے کر اس کے ساتھ چل کھڑی ہوئی اور اس مکان میں پہنچی یہاں پہنچتے ہی اس حبشی نے میری عصمت لی اور بڑھیا کی اس چالاکی کی وجہ سے میں تین سال سے یہاں ہوں۔ میرے بھائی نے پوچھا کہ اس کے پاس کچھ مال و دولت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بہت کچھ ہے۔ اگر تو اسے یہاں سے لے جا سکتا ہے تو

لے جا اور خدا سے بھلائی طلب کر۔ اب میرا بھائی اٹھ کر اس کے ساتھ چلا اور اس نے بہت سے صندوق کھول کر دکھائے، جن میں تھیلیاں تھیں۔ یہ دیکھ کر میرا بھائی دنگ ہو گیا اور لڑکی نے اس سے کہا کہ میں یہیں ٹھہرتی ہوں اور تو جا کر لوگوں کو لے آ اور مال کو یہاں سے لے چل۔ میرا بھائی باہر گیا اور دس آدمیوں کو ٹھہرا کر لے آیا۔ لیکن جب وہ دروازے پر پہنچا تو اسے کھلا ہوا پایا اور دیکھا کہ نہ وہاں وہ لڑکی ہے اور نہ ہی تھیلیاں۔ صرف کپڑے اور کچھ اور چھوٹی ہوئی چیزیں پڑی ہوئی ہیں۔

اب اس کی سمجھ میں آیا کہ لڑکی نے اسے دھوکا دیا اور جو کچھ باقی رہ گیا تھا، وہ اس نے اپنے قبضے میں کیا اور کوٹھڑیاں کھول کر ان میں سے سب کچھ نکال لی اور گھر کے اندر کچھ نہ چھوڑا اور گھر جا کر مزے سے سو رہا۔

جب سویرا ہوا تو بیس سپاہی اس کے پاس پہنچے اور اسے گرفتار کر کے کہنے لگے کہ شر کے حاکم نے تجھے بلایا ہے، اور اسے لے چلے۔ میرے بھائی نے ان سے اجازت مانگی کہ وہ ذرا گھر میں ہو آئے۔ لیکن انہوں نے اسے نہ چھوڑا کہ وہ گھر کے اندر داخل ہو۔ اس نے انہیں سارے درہم دینے کا وعدہ کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اسے ایک رسی سے خوب جکڑ کر باندھا اور لے کر چلتے ہوئے۔ راستے میں میرے بھائی کا ایک دوست ملا اور اس نے اس کا دامن پکڑ کر اس سے التجا کی کہ ٹھہر جا اور مجھے ان لوگوں کے ہاتھ سے چھڑانے میں مدد کر۔ وہ شخص ٹھہر گیا اور اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حاکم کا حکم ہے کہ ہم اس شخص کو گرفتار کر کے اس کے سامنے حاضر کریں اسی لیے ہم اسے لیے جا رہے ہیں۔ میرے بھائی کے دوست نے کہا کہ میں تمہیں پانچ سو دینار دیتا ہوں، تم اسے چھوڑ دو اور حاکم کے پاس جا کر کہہ دینا کہ وہ ہمیں ملا نہیں۔ انہوں نے اس کی بات بھی نہ مانی اور اسے منہ کے بل کھینچتے لیے چلے گئے اور حاکم کے سامنے پیش کر دیا۔

جب والی نے میرے بھائی کو دیکھا تو کہنے لگا کہ یہ کپڑے اور مال تجھے کہاں سے ہاتھ لگے؟ میرے بھائی نے کہا کہ مجھے امان دے تو کہوں۔ حاکم نے امان کا رومال اسے دیا اور اس نے سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ جو اسے بڑھیا کے ساتھ پیش آیا تھا اور نیز یہ کہ لڑکی کس طرح غائب ہو گئی۔ اس کے بعد وہ والی سے کہنے لگا کہ جو چیزیں میں نے لی ہیں ان میں سے جو کچھ تیرا دل چاہے لے لے اور میرے پاس محض اتنا چھوڑ دے کہ میں اس سے اپنی روزی کما سکوں۔ والی نے سارے کپڑے اور تمام مال اس سے لے لیا۔ مگر اس ڈر سے کہ کہیں سلطان کو خبر نہ ہو جائے۔ اس نے میرے بھائی کو بلا کر کہا کہ اس شہر سے نکل جاؤ ورنہ میں تجھے پھانسی پر چڑھا دوں گا۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم اور ایک دوسرے شہر کو روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور اس کے کپڑے اتار لیے اور اسے مارا اور اس کے دونوں کان کٹ ڈالے۔ جب اس کا حال معلوم ہوا تو میں کپڑے لے کر اس کے پاس گیا اور اسے چوری سے شہر میں لے آیا اور اس کے کھانے پینے کے لیے روزینہ مقرر کر دیا۔

○ نائی کے چھٹے بھائی کی کہانی

اے امیر المومنین، میرا چھٹا بھائی جس کے دونوں ہونٹ کٹے ہوئے تھے، فقیر تھا ایک روز وہ بھیک مانگنے کے لیے نکلا تا کہ وہ بھوک کے مارے مرنے لگے اور اس نے ایک گلی میں ایک خوبصورت مکان دیکھا جس کی بیٹھک بہت کشادہ اور بلند تھی اور دروازے پر بہت نوکر چاکر تھے اور احکام جاری کئے جا رہے تھے۔ میرے بھائی نے ایک شخص سے پوچھا جو وہاں کھڑا ہوا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ اس نے کہا کہ ایک برکی کا۔ یہ سن کر میرا بھائی دربانوں کے پاس گیا اور ان سے سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ اندر جا، جو جو تو چاہے گا، ہمارا آقا تجھے دے گا۔ اب وہ بیٹھک میں داخل ہوا اور

تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک حویلی دیکھی جو انتہا درجے کی خوشنما اور خوبصورت تھی اور اس کے بیچ میں ایک باغ تھا، ایسا باغ اس نے اپنی زندگی میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ حویلی میں مرمر کا فرش تھا اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ میرا بھائی یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کدھر جائے۔ آخر کار وہ مکان کے صدر کی طرف بڑھا اور وہاں اس نے ایک شخص کو دیکھا، جس کا چہرہ حسین تھا اور داڑھی بہت خوبصورت تھی۔ جب اس نے میرے بھائی کو دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوا اور مرحبا کہا اور اس کی مزاج پرسی کی۔ اس نے جواب دیا کہ میں محتاج ہوں۔ جب اس نے میرے بھائی کو یہ کہتے سنا تو اسے نہایت غم ہوا اور اس نے اپنے کپڑوں کی طرف ہاتھ بڑھائے اور ان کو پھاڑنے لگا اور کہا کہ جس شہر میں، میں ہوں، اس میں تو بھوکا رہے! یہ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے اس سے ہر قسم کی مدد کا وعدہ کیا اور کہنے لگا کہ تجھے میرے ساتھ کھانا کھانا ہو گا۔ میرے بھائی نے جواب دیا کہ اے میرے آقا، مجھ میں اب صبر کی طاقت نہیں، میں بے حد بھوکا ہوں۔

اب اس نے غلام کو آواز دی کہ تشت اور لوٹا لا اور کہنے لگا کہ اے میرے مہمان، آگے آ اور اپنے ہاتھ دھو۔ میرا بھائی ہاتھ دھونے کے لیے اٹھا لیکن نہ اسے کوئی تشت نظر آیا نہ لوٹا۔ مگر میزبان اپنے ہاتھ اس طرح ہلا رہا تھا کہ گویا وہ ہاتھ دھو رہا ہے۔ اس کے بعد اس نے آواز دی کہ دسترخوان بچھاؤ لیکن میرے بھائی نے کچھ نہ دیکھا۔ اب اس نے میرے بھائی سے کہا کہ بسم اللہ یہ کھانا کھا اور تکلف مت کر، اور اس نے اپنے ہاتھ اس طرح چلائے کہ گویا وہ کھانا کھا رہا ہے۔ وہ شخص میرے بھائی سے کہتا جاتا تھا کہ کھا اور دیکھ کہ یہ روٹی کیسی سفید اور خوبصورت ہے لیکن میرے بھائی کو کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔

اب میرے بھائی نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایسا شخص معلوم ہوتا ہے جو لوگوں کے ساتھ مذاق کرنا پسند کرتا ہے اور اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے

آقا' میں نے تمام عمر نہ اس سے زیادہ خوبصورت سفید روٹی دیکھی ہے اور نہ اس سے زیادہ مزیدار کھائی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ روٹی ایک کنیر نے پکائی ہے جس کو میں نے پانچ سو دینار میں خریدا ہے۔ اب اس نے آواز دی کہ اے غلام' ہر سہ لا جو بہترین کھانا ہے' مگر اس میں بہت سا روغن ڈال لایو' اور میرے بھائی سے کہنے لگا کہ اے میرے مہمان' خدا کی قسم سچ سچ کہہ کہ تو نے اس ہریے سے بہتر کبھی کھایا ہے؟ تجھے میری جان کی قسم' کھا اور تکلف مت کر۔ پھر اس نے غلام سے کہا کہ سبکداز لا جو موٹے بیروں کا بنا ہوا ہے' اور میرے بھائی سے کہا کہ آ' اے میرے مہمان اور کھا کیونکہ تو بھوکا ہے اور تجھے اس کی ضرورت ہے' اور وہ اپنے جڑے چلا رہا اور چاب رہا تھا۔ وہ شخص اس طرح ایک کھانے کے بعد دوسرا منگاتا اور کوئی چیز نہ آتی۔ مگر وہ میرے بھائی سے کہتا کہ کھا۔

اب اس نے پھر غلام کو آواز دی کہ چوزے لا جن کے اندر پتے بھرے ہوئے ہیں اور میرے بھائی سے کہا کہ تیری جان کی قسم اے میرے مہمان' ان چوزوں کو میں نے پتے کھلا کر موٹا کیا ہے' کھا کیونکہ ایسی چیز تو نے کبھی نہیں کھائی ہو گی۔ میرے بھائی نے کہا کہ اے میرے آقا' اس کا کیا کہنا! اب وہ اپنے ہاتھ کو میرے بھائی کے منہ کی طرف اس طرح بڑھانے لگا' گویا کہ وہ اس کے منہ میں لقمہ دے رہا ہے اور وہ تمام کھانوں کا شمار اور ان کی تعریف کرتا جاتا تھا۔ لیکن میرا بھائی بھوکا تھا اور اس کی بھوک بڑھتی جاتی تھی اور اسے تمنا تھی کہ کاش جو کی روٹی ہی مل جائے۔

اب اس نے کہا کہ ان کھانوں کے مسالوں سے بہتر کبھی تو نے دیکھا ہے؟ میرے بھائی نے جواب دیا کہ اے میرے آقا' کبھی نہیں۔ اس نے کہا کہ خوب کھا اور تکلف مت کر۔ میرے بھائی نے کہا کہ اب میرا پیٹ بھر گیا ہے۔ اس پر اس شخص نے آواز دی کہ ان کھانوں کو بڑھاؤ اور شیرینی لاؤ۔ اور میرے بھائی سے کہا کہ یہ کھانا کھا کیونکہ یہ بہت نفیس ہے اور یہ میٹھے ٹکڑے کھا' تجھے میری جان کی قسم' لے اس

میٹھے نکلے کو لے قبل اس کے کہ اس کا شیرہ بہہ جائے۔ میرے بھائی نے کہا کہ اے میرے آقا! خدا تیرا سایہ میرے اوپر رکھے! اور وہ میٹھے نکلوں میں مشک کی زیادتی کے متعلق پوچھنے لگا۔ اس نے جواب دیا کہ میں اسی کا عادی ہوں، میرے لیے ہر میٹھے نکلے میں سے ایک مشقال مشک اور آدھا مشقال عنبر ڈالا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور میرا بھائی سر اور منہ ہلاتا جاتا اور جبروں سے کھیلتا جاتا تھا۔

اب اس نے میرے بھائی سے کہا کہ یہ بادام کھا اور تکلف مت کر۔ میرے بھائی نے جواب دیا کہ میں سیر ہو گیا اور اب میں زیادہ نہیں کھا سکتا۔ اس نے کہا کہ اے میرے مہمان! اگر اور کھا سکتا ہے تو کھا اور لطف اٹھا مگر خدا کے لیے بھوکا مت رہ۔ میرے بھائی نے کہا کہ اے میرے آقا! جس نے اتنے قسم قسم کے کھانے کھائے ہوں وہ کیونکر بھوکا رہ سکتا ہے! میرا بھائی سوچنے لگا، اس نے اپنے دل میں کہا کہ اب میں ایسی بات کرتا ہوں کہ وہ ایسی حرکتوں سے توبہ کر لے۔ اب اس شخص نے کہا کہ ہمارے لیے شراب لاؤ اور لوگوں نے اپنے ہاتھ ہوا میں ہلائے یہاں تک کہ گویا وہ شراب لائے اور اس نے میرے بھائی کو پیالہ دے کر کہا کہ اے میرے آقا اس کی خوشبو بہت اچھی ہے لیکن مجھے بیس (۲۰) سالہ پرانی نبیذ پینے کی عادت ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں تجھ سے شرط لگاتا ہوں کہ تو اس کا ایک گھونٹ بھی پی نہیں سکتا۔ میرے بھائی نے جواب دیا کہ اے میرے آقا! تیرا بڑا احسان ہو گا اور اپنے ہاتھوں کو اس طرح جنبش دی کہ گویا وہ پی رہا ہے اور کہا کہ جام صحت! اب مکان کے مالک نے بھی اپنے ہاتھوں کے اشارے سے پی اور ایک دوسرا پیالہ میرے بھائی کو دیا۔ اس نے وہ بھی پی لیا اور ظاہر کیا کہ گویا بدمست ہو گیا ہے۔ اب میرے بھائی نے اس غافل پا کر اس کا ہاتھ اوپر اٹھایا یہاں تک کہ اس کی بغل سفید سفید دکھائی دینے لگی اور اس کی گردن پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ سارا مکان گونج اٹھا اور پھر دوسرا تھپڑ لگایا۔

اس شخص نے کہا کہ اے کینے یہ کیا؟ میرے بھائی نے جواب دیا کہ اے میرے

آقا' میں تیرا غلام ہوں۔ تو نے اس پر مہربانی کی اور اپنے گھر میں آنے دیا اور اسے کھانا کھلایا اور پرانی شراب پلائی اور وہ تیری خدمت میں گستاخ ہو گیا۔ لیکن تو اس بات سے اعلیٰ ہے کہ اس نادانی کا بدلہ لے اور اس کا گناہ معاف کر۔ جب اس نے میرے بھائی کی باتیں سنیں تو بڑے زور زور سے ہنسا اور کہنے لگا کہ میں ایک مدت سے لوگوں کے ساتھ مذاق کرتا ہوں اور اپنے دوستوں کی ہنسی اڑاتا ہوں لیکن سوائے تیرے میں نے کسی میں اتنا استقلال نہ پایا نہ اتنی سمجھ کہ وہ میری بات میں شریک ہو سکے۔ میں نے تجھے معاف کیا اور تجھے میں واقعی اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ بناتا ہوں، تو میرا ساتھ کبھی نہ چھوڑیو۔ اب اس نے وہی طرح طرح کے کھانے منگوائے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے اور اس نے اور میرے بھائی نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کر مئے نوشی کے کمرے میں گئے اور دیکھا کہ وہاں چاند کی طرح حسین کنیزیں ہیں جو طرح طرح کے باجوں پر طرح طرح کے گیت گا رہی ہیں۔ وہاں ان دونوں نے شراب اپنی شروع کی یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ وہ شخص میرے بھائی کے ساتھ بہت مانوس ہو گیا گویا دونوں بھائی بھائی تھے اور آپس میں بے حد محبت ہو گئی اور اس نے میرے بھائی کو خلعت عطا کی۔ دوسرے روز صبح کو پھر وہی کھانا پینا شروع ہوا اور ان کی یہ حالت بیس برس تک رہی۔

اس کے بعد وہ شخص فوت ہو گیا اور سلطان نے اس کا سارا مال اور جو کچھ میرے بھائی کے پاس تھا ضبط کر لیا اور میرے بھائی سے یہاں تک مطالبہ کیا کہ وہ بالکل فقیر ہو گیا۔ اور اس کے پلے کچھ نہ رہا۔ اب میرا بھائی وہاں سے بھاگا مگر راستے میں بدوؤں نے اس پر حملہ کیا اور پکڑ کر اپنے قبیلے میں لے گئے۔ اور جس شخص نے اسے قید کیا تھا وہ اسے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا اور کہتا تھا کہ فدیہ دے کر اپنی جان مجھ سے خرید لے ورنہ میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ لیکن میرا بھائی رو کر جواب دیتا کہ خدا کی قسم میرے پاس ایک ٹکا بھی نہیں۔ مگر میں تیرا قیدی ہوں، تیرا جو جی چاہے

میرے ساتھ کر۔ اس پر بدو نے ایک چھری نکال کر میرے بھائی کے دونوں ہونٹ کاٹ ڈالے اور زیادہ سختی سے مطالبہ کرنے لگا۔

اس بدو کی ایک حسین بیوی تھی، اور جب وہ بدو باہر ہوتا تو وہ میرے بھائی کے ساتھ راز و نیاز کرتی مگر وہ اسے روکتا۔ لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ وہ میرے بھائی سے راز و نیاز کی باتیں کر رہی تھی اور میرا بھائی اٹھا اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگا اور اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اتنے میں اس کا شوہر آ گیا اور اس نے میرے بھائی کو دیکھ کر کہا کہ تف ہو تجھ پر، اے مردود، اب تو میری بیوی کو بھی خراب کرنا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک چھری نکالی اور میرے بھائی کو خسی کر دیا اور اسے اونٹ پر بٹھا کر ایک پہاڑ کے اوپر چھوڑ آیا۔ اتفاقاً بعض مسافر ادھر سے گزرے اور انہوں نے اسے پہچانا اور اسے کھلایا پلایا اور مجھے اس کی خبر پہنچائی۔ میں وہاں گیا اور اسے سواری پر بٹھا کر شہر میں لے آیا اور ضرورت کے موافق اس کے کھانے پینے کا انتظام کر دیا اور اب اے امیر المومنین، میں تیری خدمت میں حاضر ہوں اور مجھے ڈر تھا کہ بغیر تجھے خبر کئے کہیں میں واپس نہ چلا جاؤں کیونکہ ایسا کرنا غلطی تھا۔ اب میرے ساتھ چھ بھائی ہیں اور ان کا کھانا پینا میرے ذمے ہے۔

جب امیر المومنین نے میرا قصہ سنا اور جو کچھ میں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا تھا، سنا تو وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ اے خاموش تو سچ کہتا ہے کہ تو کم گو ہے اور فضول باتیں نہیں کرتا۔ لیکن اب تو اس شہر سے نکل جا اور کہیں اور جا کر رہ، اور اس نے میرے شہر بدر ہونے کا فرمان جاری کر دیا۔ اب میں ملک ملک اور اقلیم اقلیم پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے اس کی موت اور دوسرے شخص کے خلیفہ ہونے کی خبر ملی اور میں اس شہر میں واپس آیا اور دیکھا کہ میرے سب بھائی فوت ہو چکے ہیں اور میرا اس جوان سے پالا پڑا اور میں نے اس کے ساتھ بہترین سلوک کیا، اور اگر میں بیچ میں نہ پڑتا تو وہ قتل ہو چکا ہوتا۔ وہ میرے اوپر ایسی بات کا الزام رکھتا ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔ اے لوگو، جو کچھ میری فضول گوئی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے،

جھوٹ ہے۔ اسی جوان کی بدولت میں شر بہ شر مارا مارا پھرا یہاں تک کہ اس خطے میں پہنچا اور اسے تمہارے پاس دیکھا۔ اے نیک مردو! کیا یہ میری مروت کی دلیل نہیں ہے؟

اب درزی نے چین کے بادشاہ سے کہا کہ جب ہم نے نائی کا قصہ سنا اور اس کی فضول گوئی کا علم ہوا اور یہ کہ اس نے جوان کے ساتھ کیا ظلم کیا تو ہم نے اسے پکڑ کر قید کر دیا اور آرام سے بیٹھ کر کھایا پیا۔ عصر کی اذان کے وقت دعوت ختم ہوئی تو میں وہاں سے روانہ ہو کر گھر آیا اور دیکھا کہ میری بیوی ناک بھوں چڑھائے بیٹھی ہے۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا کہ تو اپنے دوستوں کے ساتھ مزے اڑاتا ہے اور میں گھر میں غمگین بیٹھی ہوئی ہوں۔ اگر تو میری طبیعت بہلانے باہر نہ لے چلے گا تو میں تجھے چھوڑ دوں گی اور ہماری جدائی کا یہی سبب ہو گا۔ یہ سن کر میں اسے لے کر باہر گیا اور عشاء کے وقت تک سیر تماشے میں مشغول رہا۔ جب ہم لوٹے تو ہمیں یہ کبڑا ملا اور وہ نشے میں چور تھا اور یہ دو اشعار پڑھ رہا تھا:

”جام بھی صاف ہے اور شراب بھی دونوں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ اس لیے بڑی مشکل کا سامنا ہے کیونکہ کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شراب ہی شراب ہے اور پیالہ ندارد اور کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیالہ ہی پیالہ ہے اور شراب ندارد۔“

میں نے اسے دعوت دی اور تلی ہوئی مچھلیاں خرید کر لایا اور ہم سب کھانے بیٹھ گئے۔ میری بیوی نے ایک نوالے میں ایک ٹکڑا مچھلی کا رکھ کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا اور اس کا منہ بند کر دیا اور وہ مر گیا۔ اب میں اسے لاد کر لے گیا اور چالاکی سے اسے اس یہودی طبیب کے گھر ڈال آیا اور یہودی چالاکی سے خاناماں کے گھر اور خاناماں چالاکی سے عیسائی دلال کے راستے میں ڈال آیا۔ یہ ہے میرا کل ماجرا اور کیا یہ کبڑے کے قصے سے زیادہ عجیب نہیں ہے؟

جب چین کے بادشاہ نے یہ قصہ سنا تو مارے خوشی کے وہ سر ہلانے لگا اور تعجب میں

آکر کہنے لگا کہ جو ماجرا اس جوان اور فضول گو نائی کے درمیان پیش آیا ہے وہ اس جھوٹے کبڑے سے زیادہ اچھا اور دل خوش کن ہے۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے اپنے چند حاجیوں کو حکم دیا کہ اس درزی کے ساتھ جاؤ اور نائی کو قید خانے سے نکال کر میری خدمت میں حاضر کرو، کیونکہ میں اس کی باتیں سننا چاہتا ہوں اور یہ تم سب کی نجات کا باعث ہو گا، اور ہم اس کبڑے کو دفن کرا دیں گے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• چونتیسویں رات

جب چونتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- چین

کے بادشاہ نے کاہ کہ نائی کو میرے پاس لاؤ، اس کی وجہ سے تم سب کو نجات ملے گی اور ہم اس کبڑے کو دفن کرا دیں گے کیونکہ وہ کل سے مردہ پڑا ہے اور اس کی قبر بنوا دیں گے۔ حاجب اور درزی فوراً قید خانے گئے اور وہاں سے نائی کو نکال کر لے چلے اور بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے۔ جب بادشاہ نے اسے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت بوڑھا ہے اور نوے برس سے زیادہ اس کی عمر ہو گئی، اس کا چہرہ سیاہ اور داڑھی اور بھوئیں سفید ہیں، کان کٹے ہوئے، ناک لمبی اور چہرے سے حماقت ٹپک رہی ہے۔ اسے دیکھ کر بادشاہ ہنس پڑا اور اس سے کہنے لگا کہ اے خاموش، میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا قصہ مجھ سے بھی بیان کرے۔ نائی نے کہا کہ جہاں پناہ، لیکن اس عیسائی اور یہودی اور اس مسلمان اور اس مردہ کبڑے کا، جو تم لوگوں کے درمیان ہے، کیا قصہ ہے؟ اور ان سب کے جمع ہونے کے کیا معنی ہیں؟ چین کے بادشاہ نے کہا کہ تو پوچھ کر کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں ان کا حال اس لیے پوچھتا ہوں تاکہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں فضول گو نہیں ہوں اور جو لوگ مجھ پر باتونی ہونے کا الزام لگاتے ہیں، میں اس سے بری ہوں اور میں وہ شخص ہوں جسے لوگ خاموش کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور میں واقعی اسم باسمکی ہوں۔

بادشاہ نے کہا کہ اس کبڑے کا قصہ اس نائی سے بیان کر دو اور یہ کہ اس کے ساتھ عشاء کے وقت کیا پیش آیا اور عیسائی اور یہودی اور خاناماں اور درزی نے کیا واردات بیان کی۔ دہرانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اب نائی نے اپنا سر ہلایا اور کہا کہ واللہ یہ ایک عجوبہ بات ہے۔ اس کبڑے کا منہ کھولو۔ انہوں نے اس کا منہ کھولا اور نائی اس

کے سر کے پاس بیٹھ گیا اور پھر اس کے سر کو اپنی گود میں لے کر اس کا منہ دیکھنے لگا اور اتنا ہنسا کہ ہنٹے ہنٹے لوٹ گیا اور کہنے لگا کہ یوں تو ہر موت عجیب چیز ہے لیکن اس کبڑے کی موت اس قابل نہیں کہ سونے کے پانی سے لکھی جائے۔ نائی کے اس کہنے پر لوگوں کو سخت حیرانی ہوئی اور بادشاہ اس کی بات سن کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا کہ اے خاموش، آخر یہ کیا بات ہے، کہہ تو سہی۔ نائی نے کہا کہ جہاں پناہ، تیری نعمتوں کی قسم اس جھوٹے کبڑے میں ابھی جان باقی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کمر میں سے کسوت نکالی اور اسے کھول کر اس میں سے ایک سرے دانی نکالی، جس میں تیل تھا اور اس تیل سے اس نے کبڑے کے گلے اور گلے کے رگ پٹھوں کی مالش کی اور ایک لوہے کی چوٹی نکال کر اس کے حلق میں ڈالی اور ایک ٹکڑا مچھلی کا کانٹے سمیت نکال لیا۔ جب وہ نکالا تو وہ خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ اب کبڑے نے چھینک لی اور کود کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگا کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد رسول اللہ۔ بادشاہ اور حاضرین یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے اور بادشاہ ہنٹے ہنٹے بے ہوش ہو گیا اور تمام حاضرین کا بھی یہی حال تھا۔

اب بادشاہ نے کہا کہ واللہ یہ قصہ عجیب و غریب ہے اور اس سے بڑھ کر تمام عمر میں کبھی نہ دیکھا۔ پھر اس نے کہا کہ اے مسلمانو! اے فوج والو! کیا تم نے اپنی زندگی میں کبھی یہ دیکھا ہے کہ کوئی شخص مر کر زندہ ہو جائے! اگر کبڑے کو یہ نائی نہ ملتا، اور وہی تو اس کی زندگی کا سبب ہے، تو وہ مر گیا ہوتا۔ سب نے کہا کہ یہ واقعی ایک عجوبہ ہے۔

اب چین کے بادشاہ نے حکم دیا کہ اس قصے کو قلم بند کر لیا جائے اور انہوں نے قلمبند کر کے اسے بادشاہ کے دفتر میں رکھ دیا۔ بادشاہ نے یہودی اور عیسائی اور خانساں الغرض ہر ایک کو ایک ایک نفیس خلعت عطا کر کے ان کو رخصت کیا اور وہ رخصت ہوئے۔ اب بادشاہ درزی کی طرف مخاطب ہوا اور اسے ایک نہایت عمدہ خلعت عطا کی اور اسے اپنے خاص درزی کا عمدہ دیا اور اس کا روزینہ مقرر کر دیا، اور اس کے اور کبڑے

کے درمیان صلح کرا دی اور کبڑے کو ایک بیش قیمت اور خوبصورت خلعت عطا کی اور اس کا بھی روزینہ مقرر کر کے اسے اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ بنایا اور نائی کو بھی انعام اور ایک خلعت دے کر اس کا روزینہ مقرر کر دیا اور اسے اپنا ہم پیالہ و ہم نوالہ اور شاہی نائی بنایا۔ اس طرح وہ سب نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگے یہاں تک کہ انہیں موت نے آ لیا جو تمام لذتوں کو زائل کرنے والی اور تمام صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی ہے۔ لیکن یہ دو وزیروں اور انیس الجلیس کی کہانی سے زیادہ عجیب و غریب نہیں ہے۔ بہن نے کہا کہ وہ کیا؟

○ دو وزیروں اور انیس الجلیس کی کہانی

اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- بھرے میں ایک بادشاہ تھا جسے فقیروں اور غریبوں سے بڑی محبت تھی اور رعایا کہ بہت عزیز رکھتا اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا اسے مال و دولت دیتا۔ اس کا نام محمد بن سلیمان الزینی تھا۔ اس کے دو وزیر تھے ایک کا نام معین بن ساوی تھا اور دوسرے کا فضل بن خاقان، فضل بن خاقان اپنے زمانے کا سب سے زیادہ سخی آدمی تھا اور اس کی سیرت بڑی اچھی تھی اور تمام لوگ اس سے محبت کرتے اور اس سے مشورہ لیتے اور سب اس کو عمر کی زیادتی کی دعا دیتے کیونکہ وہ سرتاپا نیکی تھا اور برے وقت میں آڑے آتا تھا۔ لیکن معین بن ساوی لوگوں سے نفرت کرتا تھا اور نیکی سے دور بھاگتا تھا اور سرتاپا بدی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ لوگ جتنا فضل بن خاقان کو چاہتے تھے اتنا ہی معین بن ساوی سے نفرت کرتے تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ بادشاہ محمد بن سلیمان الزینی اپنی حکومت کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور ملک کے اراکین اس کے اردگرد جمع تھے کہ اتنے میں اس نے اپنے وزیر فضل

بن خاقان کو آواز دی اور اس سے کہا کہ مجھے ایسی لڑکی کی ضرورت ہے، جس سے زیادہ حسین دنیا بھر میں نہ ہو اور جو کمال خوبصورت ہو اور اعتدال میں یکتا ہو اور عادات و اطوار کی اچھی ہو۔

اراکین نے کہا کہ ایسی لڑکی دس ہزار دینار سے کم میں نہیں مل سکتی۔ یہ سن کر بادشاہ نے خزانچی کو بلایا اور کہا کہ دس ہزار دینار فضل بن خاقان کے گھر پہنچا دیئے جائیں۔ خزانچی نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ سلطان کے حکم کے بموجب وزیر ہر روز بازار جاتا اور دلالوں کے تنبیہ تھی جس کنیز کے دام ہزار دینار سے زائد ہوں وہ بغیر وزیر کے سامنے پیش کئے نہ جاتے۔ اس لیے دلال ایسی کنیز کو بغیر اس کے سامنے پیش کئے نہ بیچتے۔ مگر جتنی کنیزیں ان کے ہاتھ لگیں وہ وزیر کو پسند نہ آتیں۔ ایک روز دلال وزیر فضل بن خاقان کے گھر آیا اور دیکھا کہ وہ بادشاہ کے محل کو جانے کے لیے پا برکاب ہے۔ اس نے وزیر کی رکاب کھٹکھٹائی اور کہا کہ اے میرے آقا، جس کے لیے شاہی فرمان جاری ہوا ہے کہ اس کی تلاش کی جائے۔ وہ حاضر ہے۔ وزیر نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ یہ سن کر دلال چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکی کو لے کر واپس آیا جو سروقد تھی اور جس کا سینہ ابھرا ہوا تھا اور آنکھیں کالی کالی تھیں اور رخسار نرم اور چکنے تھے اور کمر پتلی تھی اور کولہ بھاری تھے اور پوشاک بہترین تھی اور لعاب شربت سے زیادہ شیریں تھا اور قد جھکی ہوئی ٹہنیوں سے زیادہ معتدل تھا اور آواز صبح کی نسیم سے زیادہ نرم۔

جب وزیر نے اسے دیکھا تو اسے وہ بہت پسند آئی اور اس نے دلال سے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس کی قیمت دس ہزار دینار لگ رہی ہے۔ لیکن اس کا مالک قسم کھا کر کہتا ہے کہ جو چوزے اس نے کھائے ہیں اور جو شراب

اس نے پی ہے اور جو خلعتیں اس نے اپنے استادوں کو دی ہیں محض ان کی قیمت دس ہزار دینار سے زیادہ ہے کیونکہ اس نے خوشنویسی اور نحو اور لغت اور تفسیر اور

فقہ اور دینیات اور طب اور نجوم اور باجے بجانے کی تعلیم پائی ہے۔ وزیر نے کہا کہ اس کے مالک کو میرے پاس لا اور دلال نے اسے فوراً حاضر کر دیا۔ وہ ایک ایرانی تھا جس کے ساتھ زمانے نے لڑ لڑ کر اس کا بہت کم حصہ باقی چھوڑا تھا۔ وزیر نے کہا کہ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ اس لڑکی کے عوض سلطان محمد بن سلیمان الزینی سے دس ہزار دینار قبول کرے؟ ایرانی نے کہا کہ میں اسے بلا معاوضہ سلطان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، یہ میرا فرض ہے۔ اب وزیر نے دینار لانے کا حکم دیا اور جب دینار آئے تو اس نے تول کر عجی کو دے دیے۔ اب دلال آگے بڑھا اور وزیر سے کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔ وزیر نے کہا کہ کہہ۔ اس نے کہا کہ میری رائے میں اس لڑکی کو آج بادشاہ کے پاس نہ لے جا کیونکہ وہ ابھی سفر سے آئی ہے اور آب و ہوا بدلی ہے اور وہ سفر کی وجہ سے تھکی ہوئی ہے۔ دس دن تو اسے اپنے محل میں رکھ اور جب اس کی حالت درست ہو جائے تو اسے حمام بھیجیو اور بہترین پوشاک پہنا کر سلطان کے پاس لے جایو۔ اس میں تیرے لیے بہودی ہے۔ دلال کی بات پر وزیر نے غور کیا تو اسے مناسب معلوم ہوئی اور وہ لڑکی کو محل میں لے آیا اور اس کا ایک زنانہ حصہ اس کے لیے خالی کرایا اور اس کے لیے کھانا اور شراب وغیرہ جس جس چیز کی اسے ضرورت تھی، مہیا کی اور وہ ایک مدت تک اس حال میں رہی۔

وزیر فضل بن خاقان کا ایک بیٹا تھا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبصورت تھا، اس کا چہرہ حسین تھا اور رخسار سرخ اور اس پر عنبر کے نقطے کی طرح ایک تل تھا اور وہ سبزہ آغاز تھا۔ اس لڑکے کو اس لڑکی کا ماجرا معلوم نہ تھا کیونکہ اس کے باپ نے لڑکی سے کہا تھا کہ بیٹی میں نے تجھے محض بادشاہ محمد بن سلیمان الزینی کی ہم بستری کے لیے خریدا ہے لیکن میرا ایک لڑکا ہے، جس نے محلے کی کسی لڑکی کو نہیں چھوڑا۔ اس سے خبردار رہو اور اسے اپنا چہرہ دکھانے اور اپنی آواز سننے سے پرہیز کیجیو۔ لڑکی نے جواب دیا کہ برو چشم۔ یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے چلا گیا۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ وہ لڑکی محل کے حمام میں گئی اور کنیزوں نے اسے غسل دیا اور اس نے نفیس کپڑے پہنے، جس سے اس کا حسن و جمال دوبالا ہو گیا اور وہ وزیر کی بیوی کے پاس آئی اور اس کے ہاتھ چوے۔ نعیم نے اس سے کہا کہ اے انیس الجلیس یہ حمام کیسا خوبصورت ہے! اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا، وہاں سوائے تیری موجودگی کے اور کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ اب مالکہ نے کنیزوں سے کہا کہ ہمیں بھی حمام میں لے چلو۔ انہوں نے کہا کہ بسرو چشم، اور اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں اور چلتے چلتے اس نے اس کمرے کے دروازے پر جہاں انیس الجلیس تھی، دو چھوٹی کنیزیں مقرر کر کے ان سے کہہ دیا تھا کہ کوئی شخص لڑکی کے پاس جانے نہ پائے اور انہوں نے جواب دیا کہ بسرو چشم۔ اسی اثنا میں انیس الجلیس کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی، نور الدین علی، جو وزیر کا بیٹا تھا، اندر آیا اور پوچھا کہ ماں اور دوسرے لوگ کہاں ہیں؟ دونوں کنیزوں نے جواب دیا کہ حمام گئی ہیں۔ اب انیس الجلیس نے کمرے کے اندر سے نور الدین علی وزیر کے بیٹے کی باتیں سنیں اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ دیکھوں تو سہی آخر یہ کس شان کا لڑکا ہے، جس کے بارے میں وزیر نے مجھ سے کہا ہے کہ محلے کی کوئی لڑکی اس سے چھوٹی نہیں۔

واللہ میرا جی چاہتا ہے کہ اسے ایک نظر دیکھوں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور ابھی تک حمام کا اثر اس پر باقی تھا، اور کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی اور نور الدین علی کو دیکھا کہ وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور دیکھتے ہی ہزاروں ارمان اس کے دل میں امنڈنے لگے اور اس نے دیکھا کہ لڑکے کی توجہ بھی اس کی طرف ہے۔ اب لڑکے نے اسے ایک نظر دیکھا جس سے ہزاروں حسرتوں کا پتہ چلتا تھا اور دنوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ لڑکا دونوں کنیزوں کی طرف بڑھا اور انہیں ڈانٹا اور وہ بھاگ کر دور جا کھڑی ہوئیں اور دیکھنے لگیں کہ وہ کیا کرتا ہے اور دیکھا کہ وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا اور اسے کھول کر لڑکی کے پاس گیا اور

کہنے لگا کہ کیا تو ہی وہ کنیز ہے جسے میرے باپ نے میرے لیے خریدا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ سن کر لڑکا اس کی طرف بڑھا اور نشے میں تو تھا ہی۔ اس سے لپٹ گیا۔

جب دونوں کنیزوں نے یہ دیکھا کہ ان کا چھوٹا آقا انیس الجلیس کے ساتھ مشغول ہے تو وہ چیخنے چلانے لگیں۔ لیکن اتنے میں لڑکا اپنا کام کر چکا تھا اور وہ نکلا اور اپنی جان بچا کر بھاگا اور اپنے فعل کی سزا کے ڈر سے چلتا ہوا۔ جب مالکہ نے دونوں کنیزوں کو چلاتے سنا اور حمام سے نکل آئی اور پسینہ ٹپک رہا تھا اور کہنے لگی کہ گھر کے اندر یہ شور و غل کیسا؟ جب وہ ان دونوں کنیزوں کے پاس پہنچی جن کو وہ کمرے کے دروازے پر کھڑا کر کے گئی تھی تو اس نے ان سے کہا کہ مردودو! کیا ہوا؟ جب انہوں نے اسے دیکھا تو کہا کہ ہمارا آقا نور الدین ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے ہمیں مارا اور ہم وہاں سے بھاگ آئے اور اس کے بعد وہ انیس الجلیس کے پاس گیا اور اسے گلے لگایا۔ اس کے بعد اس نے کیا کیا، ہمیں نہیں معلوم۔ جب ہم نے تجھے پکارا تو وہ بھاگ گیا۔

اب مالکہ انیس الجلیس کے پاس گئی اور اس سے ماجرا پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ میری آقا میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک خوبصورت لڑکا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تو وہی کنیز ہے جسے میرے باپ نے میرے لیے خریدا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اے میری آقا! خدا کی قسم مجھے یقین تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے گلے لگایا۔ مالکہ نے پوچھا کہ علاوہ یہ بات کرنے کے اس نے تیرے ساتھ اور بھی کچھ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں، اس نے میرے تین بوسے لیے۔ مالکہ نے کہا کہ بغیر انزال ہوئے اس نے تجھے نہیں چھوڑا ہے۔ یہ کہہ کہ وہ رونے اور منہ پیٹنے لگی اور ساری کنیزیں بھی یہی کرنے لگیں۔ اس ڈر سے کہ نور الدین کا باپ کہیں اس کی گردن نہ اڑا دے۔ اتنے میں وزیر بھی آ پہنچا اور کہنے لگا کہ کیا ماجرا ہے؟ اس کی بیوی نے کہا کہ پہلے حلف اٹھاؤ کہ جو کچھ

میں کہوں گی، اسے تو ٹھنڈے دل سے سن لے گا۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ اب اس نے بیٹے کی ساری حرکت اس سے کہہ دی۔ یہ سن کر وہ بہت غمزہ ہوا اور اپنے کپڑے پھاڑنے اور اپنا منہ پیٹنے اور اپنی داڑھی نوچنے لگا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اپنی جان نہ مار، میں اس کنیز کی قیمت جو دس ہزار دینار ہے، اپنے مال میں سے تجھے دوں گی۔ یہ سن کر اس نے اپنا سر اٹھایا اور اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ تو سمجھتی نہیں، مجھے اس کی قیمت کی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ میری جان اور میرا مال دونوں ضائع نہ ہو جائیں۔

بیوی نے کہا کہ اے میرے آقا، یہ کس طرح؟ اس نے جواب دیا کہ تجھے معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے ایک دشمن لگا ہوا ہے جس کا نام معین بن ساویٰ ہے؟ اگر اس کو اس بات کی خبر ہو گئی تو وہ فوراً سلطان کے پاس پہنچے گا۔ اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پینتیس ویں رات

جب پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- وزیر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے ایک دشمن لگا ہوا ہے، جس کا نام معین بن ساوی ہے، اگر اسے اس بات کی خبر ہو گئی تو وہ فوراً سلطان کے پاس پہنچے گا اور اس سے کہے گا کہ جس وزیر کے بارے میں تیرا یہ خیال ہے کہ وہ تجھ سے محبت کرتا ہے اس نے تجھ سے دس ہزار دینار لے کر ایک کنیز خریدی، جس کی نظیر دنیا میں نہیں، اور جب وہ اسے پسند آئی تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تو اسے لے لے کیونکہ سلطان سے زیادہ تو اس کا مستحق ہے، اور اس نے اسے لے لیا اور اس کی بکارت زائل کی اور اب وہ اس کی کنیز ہے۔ بادشاہ کہے گا کہ تو جھوٹا ہے۔ وہ جواب دے گا کہ اگر حکم ہو تو ابھی اس کے گھر پر چھاپا مار کر اسے لے آؤں۔ سلطان اس کو اس بات کی اجازت دے دے گا اور وہ ہمارے گھر پر حملہ کر کے کنیز کو لے جا کر سلطان کے سامنے پیش کر دے گا۔ اور وہ کنیز سے پوچھے گا اور اسے مکر تے بن نہ پڑے گی۔ اس پر وزیر سلطان سے کہے گا کہ اے میرے آقا، تو جانتا ہے کہ میں تجھے ٹھیک مشورہ دیتا ہوں لیکن تیرے دل میں میری قدر نہیں۔ یہ سن کر سلطان مجھے سزا دے گا اور میری جان لے لے گا اور لوگ مجھ پر خوشیاں منائیں گے۔ اس کی بیوی نے کہا کہ یہ بات خفیہ طور پر ہوئی ہے، اس کی خبر کسی کو مت کر اور اس معاملے کو خدا کے سپرد کر۔ یہ سن کر وزیر کے دل کو اطمینان

ہوا۔

یہ تو وزیر کا قصہ ہوا۔ اب نور الدین علی کا ماجرا سنئے۔ وہ ڈرا کہ اسے اس کی بدکاری کی سزا ملے گی۔ اس لیے وہ دن بھر باغوں میں مڑگشتی کرتی اور رات کو آ کر اپنی ماں کے پاس سو رہتا اور صبح کو اٹھ کر پھر باغ میں چلا جاتا۔ اس طرح ایک مہینہ گزر

گیا اور اس نے باپ کو اپنی صورت نہ دکھائی۔ ایک روز اس کی ماں اس کے باپ سے کہنے لگی کہ اے میرے آقا کیا تو چاہتا ہے کہ ہم اس لڑکی اور اپنے لڑکے دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں کیونکہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو وہ ہمارے یہاں سے چلتا ہو گا۔ اس نے کہا کہ تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ بیوی نے جواب دیا کہ آج رات جاگتا رہ اور جب وہ آئے، اسے پکڑ لے اور باہم صلح کر کے اس کو وہ لڑکی حوالے کر دے کیونکہ لڑکی کو اس سے محبت ہے اور اس کو لڑکی سے، اور اس کے دام میں تجھے دے دوں گا۔

وزیر نے رات تک انتظار کیا اور جب اس کا لڑکا آیا تو اس نے اسے پکڑ لیا اور چاہا کہ اسے ذبح کر ڈالے۔ ماں دوڑی ہوئی آئی اور پوچھا کہ تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اسے ذبح کر ڈالوں گا۔ بیٹے نے باپ سے کہا کہ کیا تو یہ ٹھنڈے دل سے کر سکتا ہے؟ یہ سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور اس نے کہا کہ بیٹا، میرے جان و مال کا جانا تو نے کس طرح ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیا! لڑکے نے کہا کہ ابا! شاعر کا قول سن:

”مجھے معاف کر کیونکہ عقلمند لوگ ہمیشہ مجرموں کو معاف کرتے ہیں جو تیرا دشمن پست ترین درجے میں ہے، وہ تجھ سے ضرور معافی کا خواستگار ہو گا کیونکہ تیرا درجہ بہت بلند ہے۔“

یہ سن کر وزیر اپنے بیٹے کے سینے پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ بیٹا، میں نے تجھے معاف کیا کیونکہ اس کا دل پیچ گیا تھا۔ لڑکا اٹھا اور اس نے اپنے باپ کے ہاتھ چومے۔ باپ نے کہا کہ بیٹا، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تو انیس الجلیس کے ساتھ انصاف سے پیش آئے گا تو میں اسے بھی تیرے حوالے کر دوں۔ لڑکے نے جواب دیا کہ ابا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس کے ساتھ انصاف نہ کروں! باپ نے کہا کہ میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ تو اس کے اوپر دوسری شادی نہ کریو اور اسے تکلیف نہ پہنچایو اور اسے مت بیچنو۔ اس نے جواب دیا کہ ابا، میں تیرے سامنے حلف اٹھانے کو تیار ہوں کہ میں نہ اس کے اوپر دوسری شادی کروں گا اور نہ اسے بیچوں گا۔ یہ

کہہ کر اس نے حلف اٹھایا اور لڑکی کے ساتھ ہم بستر ہوا اور ایک سال تک اس کے ساتھ رہا اور خدا کا کرنا یہ ہوا کہ سلطان کے دماغ سے لڑکی کا قصہ بالکل اتر گیا۔

معین بن ساویٰ کا قصہ یہ ہے کہ اس کو اس واقعے کی خبر تو ہوئی لیکن اس ڈر سے کہ سلطان وزیر کی بڑی قدر کرتا ہے اس کی یہ ہمت نہ پڑی کہ سلطان کے سامنے زبان کھولے۔ ایک سال کے بعد وزیر فضل الدین بن خاقان ایک روز حمام کر کے باہر نکلا اور چونکہ وہ پسینے پسینے ہو رہا تھا، اسے ہوا لگ گئی اور وہ بستر پر لیٹ گیا۔ اب اس کی بیماری بڑھتی گئی اور کمزوری جاری رہی۔ اس حالت میں اس نے اپنے بیٹے نور الدین علی کو اپنے پاس بلایا اور جب وہ آیا تو اس نے کہا کہ بیٹا، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ روزی قسمت سے ہے اور موت لابدی ہے اور ہر ایک کو ایک نہ ایک دن موت کا جام پینا ہی پڑتا ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ سوائے اس کے اور کوئی نصیحت میں تجھے نہیں کرتا ہوں کہ خدا سے ڈریو اور عاقبت کا خیال رکھیو اور انیس الجلیس کا خیال رکھیو لڑکے نے کہا کہ ابا، تیری نظیر موجود نہیں، سب لوگ جانتے ہیں کہ تو ہمیشہ ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ اور وہ منبروں پر تیرے لیے دعا مانگتے ہیں۔ اس نے کہا کہ بیٹا، میں یہ چاہتا ہوں کہ خدا اسے قبول کرے۔ یہ کہہ کر اس نے دونوں شہادتیں پڑھیں اور نیک بندوں کے ساتھ جا کر مل گیا۔ اب محل میں رونا پیٹنا مچ گیا اور سلطان کو خبر پہنچی۔ جب شہر والوں کو فضل بن خاقان کی موت کا حال معلوم ہوا تو مکتب کے بچوں تک نے گریہ و زاری کی۔ اس کے بیٹے نور الدین نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اس میں تمام امرا اور وزرا اور حکام اور شہر والے شامل ہوئے اور شامل ہونے والوں میں وزیر معین بن ساویٰ بھی تھا۔

جب لوگ اسے دفن کر چکے اور اہل و عیال اور دوست احباب واپس گئے تو نور الدین بھی گھر لوٹا اور روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس کے بعد وہ ایک مدت تک اپنے باپ کی یاد میں ملول و غمگین رہا۔ ایک دن جب وہ اپنے باپ کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ نور الدین نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس

کے باپ کا ایک دوست اور ہم پیالہ و ہم نوالہ ہے۔ اس نے اندر آکر نور الدین کو بوسہ دیا اور کہا کہ جس شخص نے تجھ جیسا بیٹا چھوڑا ہو، اسے مردہ نہ کہنا چاہیے اور آخر کار پہلوں اور پچھلوں کے راہبر رسول اللہ کو بھی اسی راستے پر چلنا پڑا ہے۔ اے میرے آقا، اپنے دل کو سنبھال اور رنج و غم کو دور کر۔ یہ سن کر نور الدین بیٹھک کے کمرے میں گیا اور تمام ضروریات کی چیزیں وہاں منتقل کیں اور اس کے یار دوست جمع ہوئے اور اس نے اپنے ساتھ کنیز کو بھی شامل کیا اور دس سوداگر زادے اس کے پاس آئے اور ان سب نے کھانا کھایا اور شراب پی۔ اب روز دعوتیں ہونے لگیں اور اس نے بخشش و انعام و اکرام جاری کر دیا۔ یہ دیکھ کر ایک دن اس کا وکیل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا نور الدین، کیا تو نے یہ مثل نہیں سنی کہ جو شخص خرچ کرتا چلا جاتا ہے اور حساب نہیں کرتا وہ ایک دن فقیر ہو جاتا ہے اور اس کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔ پھر اس نے کہا کہ اے میرے آقا، اسراف اور بڑی بخششوں کی وجہ سے مال ضائع ہو جاتا ہے۔ جب نور الدین نے اپنی وکیل کو یہ کہتے سنا تو اس کی طرف نظر اٹھائی اور کہنے لگا کہ جو کچھ تو نے کہا اس کا ایک لفظ بھی میں نے نہیں سنا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اے وکیل، اگر تیرے پاس میرے ناشتے کے لیے دام موجود ہیں تو رات کے کھانے کے بارے میں میرے کان مت کھا۔ یہ سن کر وکیل وہاں سے چل دیا اور نور الدین علی اپنے عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔

اب اس کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر اس کے ندیموں میں سے کہتا کہ یہ چیز اچھی ہے تو وہ کہتا کہ یہ تیرے نذر ہے، اور اگر دوسرا کہتا کہ فلاں مکان خوبصورت ہے تو وہ کہتا کہ یہ تیرے نذر ہے۔ نور الدین ان کے لیے صبح کو ایک دعوت کرتا اور شام کو دوسری یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا۔ سال کے بعد ایک روز بیٹھا ہوا تھا کہ کنیز انیس الجلیس آئی اور یہ اشعار پڑھنے لگی:

”اگر زمانہ تیرے ساتھ نیکی کرتا ہے تو تو سمجھتا ہے کہ وہ اچھا ہے اور اس سے بے

خبر ہو جاتا ہے کہ تیری قسمت میں برائیاں بھی لکھی ہوئی ہیں۔ اگر زمانہ تجھے صحیح و سلامت رکھتا ہے تو تو اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ اس سلامتی کے پہلو بہ پہلو تباہی بھی ہے۔

جب وہ یہ اشعار پڑھ چکی تو کسی نے دروازے پر دستک دی۔ نور الدین اٹھا اور بغیر اس کے کہ اس کو خبر ہو اس کا ایک دوست اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس کا وکیل کھڑا ہوا ہے۔ نور الدین نے اس سے کہا کہ کیا خبر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا، جس چیز کا مجھے تیرے بارے میں ڈر تھا، وہ پیش آگئی۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا؟ وکیل نے کہا کہ میری تحویل میں اب کوئی چیز باقی نہیں جس کی قیمت کم و بیش ایک درہم ہو۔ دیکھ یہ بھی کھاتے موجود ہیں، جن میں خرچ بھی درج ہے جو میں نے کیا اور اصل بھی۔ جب نور الدین نے اس کی باتیں سنیں تو اپنا سر جھکا لیا اور کہنے لگا کہ لا حول ولا قوہ الا باللہ جب اس شخص نے، جو اس کے پیچھے پیچھے جاسوسی کرنے آیا تھا، وکیل کی باتیں سنیں تو اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آیا اور کہنے لگا کہ ذرا دیکھ بھال کر کام کرنا کیونکہ نور الدین علی مفلس ہو چکا ہے۔ جب علی نور الدین کے پاس واپس آیا تو اس کے چہرے سے غم کے آثار نمایاں تھے۔

اب نور الدین کا ایک ساتھی اٹھا اور اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا، اگر اجازت ہو تو میں رخصت ہوں۔ نور الدین نے پوچھا کہ آج رخصت کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آج میری بیوی کے بچہ ہونے والا ہے اور میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جا کر اس کی دیکھ بھال کروں۔ نور الدین نے اسے اجازت دے دی۔ پھر دوسرا اٹھا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا نور الدین، آج میں اپنے بھائی کے پاس جانا چاہتا ہوں کیونکہ اس کے بیٹے کا ختنہ ہے۔ اسی طرح ہر ایک نے کوئی نہ کوئی بہانہ نکالا اور وہاں سے چلتا ہوا اور نور الدین اکیلا رہ گیا۔ اب اس نے اپنی کنیز کو بلا کر کہا کہ اے انیس الجلیس، تجھے معلوم ہے

کہ مجھ پر کیا آبنی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے وکیل کی باتیں دہرا دیں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ کئی دن سے میں بھی یہی ارادہ کر رہی تھی کہ تجھ سے اس کا ذکر کروں مگر میں نے دیکھا کہ تو ہمیشہ یہ اشعار پڑھتا ہے:

”اگر زمانہ تیرے ساتھ بخشش کرے تو تو بھی لوگوں کو دل کھول کر دے قبل اس کے کہ زمانہ اپنا ہاتھ کھینچ لے کیونکہ جب امیری آتی ہے تو بخشش سے وہ فنا نہیں ہوتی اور جب وہ جانے لگتی ہے تو کنجوسی سے وہ رک نہیں جاتی۔“

جب میں یہ دیکھتی تھی کہ تو یہ اشعار پڑھا کرتا ہے تو میں چپ ہو جاتی اور تجھ سے کچھ نہ کہتی تھی۔ نور الدین نے کہا کہ اے انیس الجلیس تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنا مال محض اپنے دوستوں پر صرف کیا ہے اور وہ مجھے غریب چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ میرے ساتھ ضرور ہمدردی کریں گے۔ انیس الجلیس نے کہا کہ واللہ ان سے تجھے رتی بھر بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ نور الدین نے کہا کہ میں ابھی جا کر ان کے دروازے کھٹکھٹاتا ہوں تاکہ مجھے ان سے کچھ مل جائے اور میں اسے اپنی پونجی بنا کر اس سے تجارت کروں اور کھیل کود سے دست بردار ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چلتے چلتے اس گلی میں پہنچا جہاں اس کے دسوں دوست رہتے تھے۔ اتفاق سے وہ دسوں اسی گلی میں مقیم تھے۔ اب وہ ایک دروازے کی طرف بڑھا اور اسے کھٹکھٹایا ایک کنیز نے آکر پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے آقا سے جا کر کہہ کہ نور الدین علی دروازے پر کھڑا ہے۔ کنیز نے اندر جا کر اپنے آقا کو خبر دی لیکن وہ اس پر ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ جا اور کہہ کہ تیرا آقا یہاں نہیں ہے۔ کنیز نور الدین کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا، میرا مالک گھر میں نہیں ہے۔

نور الدین اپنی طرف متوجہ ہو کر دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ شخص حرامی ہے اور گھر میں چھپ گیا ہے تو دوسرا حرامی نہ ہو گا۔ یہ کہہ کر دوسرے دروازے کی طرف

بڑھا اور وہی کہا جو پہلے کہا تھا مگر اس نے بھی کہلا بھیجا کہ وہ گھر میں نہیں ہے۔
اب وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ سب کا امتحان کرنا ضروری ہے، شاید ان میں سے
کوئی نہ کوئی ایسا نکل آئے جو سب کی کسر نکال دے۔ یہ کہہ کر اس نے دسوں کے
ہاں چکر لگایا مگر ان میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا جو دروانہ کھولے یا اسے اپنی صورت
دکھائے یا اسے ٹکڑا روٹی کا توڑ کر دے۔

اب وہ لوٹ کر اپنی کنیر کے پاس گیا اور اس کا رنج و غم دوبالا ہو گیا تھا۔ لڑکی نے
کہا تھا کہ اے میرے آقا، میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ ان سے تجھے ذرا برابر
بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم، ان میں سے کسی نے اپنی صورت
تک نہ دکھائی اور پہچانا تک نہیں۔ اس نے کہا کہ میرے آقا، گھر کا سارا سامان
اور برتن بیچ ڈال۔ جب تک کہ خدا کوئی اور صورت پیدا نہ کر دے، اور تھوڑا تھوڑا
خرچ کر۔ اس لیے اس نے گھر کی چیزیں بیچنی شروع کیں۔ یہاں تک کہ ساری چیزیں
بیچ ڈالیں اور اب کچھ باقی نہ رہا۔ اس نے انیس الجلیس کی طرف دیکھ کر کہا کہ
اب کیا کرنا چاہیے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا، اب میری رائے یہ ہے
کہ تو فوراً اٹھ اور مجھے بازار لے جا کر بیچ ڈال۔ تجھے معلوم ہے کہ تیرے باپ نے
مجھے دس ہزار دینار میں خریدا تھا اور خدا نے چاہا تو تجھے کم و بیش اتنی ہی قیمت مل
جائے گی۔ اگر خدا کو منظور ہے کہ ہم پھر ملیں تو مل جائیں گے۔ اس نے کہا کہ
اے انیس الجلیس، واللہ تیری جدائی مجھے ایک پر بھی گوارا نہیں۔ اس نے جواب دیا
کہ خدا کی قسم اے میرے آقا، مجھے بھی نہیں ہے لیکن ضرورت کے قانون جداگانہ
ہیں۔

اب وہ اٹھا اور انیس الجلیس کو اپنے ساتھ لیا اور اس کے آنسو اس کے چہرے پر
بارش کی طرح جاری تھے اور چلتے چلتے بازار پہنچا اور اسے دلال کے حوالے کیا اور اس
نے کہا کہ اے حاجی حسن، تجھے اس کی قیمت معلوم ہے جس پر تو بولی بولنے والا ہے؟
دلال نے جواب دیا کہ اے میرے آقا مجھے تجارت کے اصول حفظ یاد ہیں۔ پھر اس

نے کہا کہ یہ وہی انیس الجلیس ہے نا جسے تیرے باپ نے مجھ سے دس ہزار دینار میں خریدا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ ان باتوں کے بعد دلال سوداگروں کے پاس گیا مگر دیکھا کہ ابھی سب اکٹھے نہیں ہوئے ہیں۔ وہ انتظار کرنے لگا یہاں تک سوداگر اکٹھے ہوئے اور بازار قسم قسم کی کنیزوں سے گرم ہوا۔ مثلاً ترکی اور فرنگی اور چرکس اور حبشی اور نوبی اور نکروری اور رومی اور تاتاری اور جرجی وغیرہ وغیرہ۔ جب دلال نے دیکھا کہ بازار گرم ہے تو وہ آگے بڑھا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے سوداگرو! اے دولت مندو! ہر گول چیز اخروٹ نہیں ہوتی اور نہ ہر لمبی چیز کیلا۔ ہر سرخ چیز گوشت نہیں ہوتی اور نہ ہر سفید چیز چربی ہوتی ہے۔ اے سوداگرو! میرے پاس وہ بیش بہا موتی ہے جو ہر قیمت سے بالاتر ہے۔ اس پر میں کتنے کی بولی لگاؤں؟ ایک سوداگر نے جواب دیا کہ چار ہزار پانچ سو دینار کی بولی لگا اور دلال نے پہلی بولی چار ہزار پانچ سو کی لگائی اور یہ بولی لگا ہی رہا تھا کہ دیکھا کہ وزیر معین بن ساوی بازار میں سے گزر رہا ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ نور الدین بازار میں ایک طرف کھڑا ہوا ہے تو وہ اپنے دل میں سوچنے لگا کہ ابن خاقان یہاں کیوں کھڑا ہے! کیا اس جونک کے پاس ابھی اتنے دام باقی ہیں کہ وہ لونٹیاں خریدے! اب اس نے نور الدین کو غور سے دیکھا اور دلال کی بولی سنی اور دیکھا کہ وہ بیچ بازار کے بولی لگا رہا ہے اور سوداگر اس کے ارد گرد جمع ہیں۔ وزیر نے اپنے دل میں کہا کہ میرا ایسا خیال ہے کہ وہ مفلس ہو گیا ہے اور اپنی کنیز انیس الجلیس کو بیچنے لایا ہے۔ میرے دل کو اس سے کیسی فرحت ہوتی ہے!

اب وزیر نے بولی والے دلال کو بلایا اور اس نے آکر وزیر کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ وزیر نے کہا کہ میں اس کنیز کو خریدنا چاہتا ہوں۔ جس پر تو بولی لگا رہا ہے۔ دلال کو اس کی مخالفت کرنے کی مجال نہ تھی اور اس نے کہا کہ اے میرے آقا بسم اللہ۔ اب لڑکی آگے آئی اور دلال نے اسے وزیر کے سامنے پیش کیا اور اسے وہ پسند آئی اور اس نے کہا کہ اے حسن! اس کنیز کے کتنے دام تجھے مل رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ چار ہزار پانچ سو سے ابتدا ہوئی ہے۔ معین نے کہا کہ یہ چار ہزار پانچ

سو دینار میرے ذمے۔ جب سوداگروں نے یہ سنا تو کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس پر ایک درہم بھی بڑھائے بلکہ وہ پیچھے ہٹ گئے کیونکہ انہیں وزیر کے ظلم کا حال معلوم تھا۔

معین بن ساوی نے دلال کی طرف دیکھ کر کہا کہ تو کھڑا کیوں ہے؟ جا اور مشوہ کر کہ میرے ذمے چار ہزار دینار ہیں اور تیرا حق پانچ سو دینار ہے۔ دلال نور الدین کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا، کنیز تیرے ہاتھ سے مفت جا رہی ہے۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کی قیمت چار ہزار پانچ سو دینار سے شروع کی تھی کہ اتنے میں یہ ظالم معین بن ساوی بازار میں پہنچا اور جب اس نے کنیز کو دیکھا تو وہ اسے پسند آئی اور اس نے مجھ سے کہا کہ مالک سے چار ہزار کا فیصلہ کر لے اور پانچ سو تیرا حق ہے۔

میرے خیال میں اسے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ کنیز تیری ہے۔ اگر وہ فوراً قیمت ادا کر دے تو اچھی بات ہے، لیکن میں اس کے ظلم کا حال جانتا ہوں کہ وہ تیرے لیے اپنے ایک عامل کے نام ہنڈی لکھ دے گا اور تیرے پیچھے وہ کسی کو روانہ کر دے گا کہ اسے کچھ مت دینا۔ جب تو ان سے مطالبہ کرنے جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ہم ابھی دیتے ہیں اور وہ ہر روز یہی کہتے رہیں گے اور تو غیور طبیعت کا انسان ہے، او رجب وہ تیرے مطالبے سے تنگ آ جائیں گے تو تجھ سے کہیں گے کہ کلغذ دکھلا اور اسے لے کر پھاڑ ڈالیں گے۔ اس طرح سے کنیز کی قیمت سے بھی تجھے ہاتھ دھو ڈالنا پڑے گا۔

جب نور الدین علی نے دلال کی باتیں سنیں تو وہ اس کا منہ دیکھنے لگا اور کہا کہ پھر کیا کرنا چاہیے؟ اس نے کہا کہ میں تجھے مشوہ دیتا ہوں اور اگر تو نے اسے مان لیا تو اس میں تیرا بڑا فائدہ ہے۔ نور الدین نے کہا کہ وہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ جب میں بازار میں کھڑا ہوں تو فوراً میرے پاس آئو اور کنیز کو میرے ہاتھ سے چھین کر اسے ایک تھپڑ لگائو اور کہو اے میری بیسوا، جو قسم میں نے کھائی تھی وہ پوری

کی اور تجھے بازار میں لایا کیونکہ میں نے حلف اٹھایا تھا کہ تجھے بازار لے جا کر تجھ پر دلال سے بولی بلواؤں گا۔ اگر تو نے یہ کیا تو غالباً یہ چال وزیر اور تمام لوگوں پر چل جائے گی اور ان کو یقین آ جائے گا کہ تو محض اپنی قسم پوری کرنے اسے بازار میں لایا ہے۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ اب دلال اسے چھوڑ کر بیچ بازار میں آیا اور کنیز کا ہاتھ پکڑا اور وزیر معین بن ساوی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اے میرے آقا! لے اس کنیز کا مالک آ گیا ہے۔

نور الدین نے دلال کی طرف بڑھ کر کنیز کو اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور اس کے طمانچے مارے اور کہا کہ اے بیسوا میں اپنی قسم پوری کرنے کے لیے تجھے بازار میں لایا تھا۔ چل یہاں سے گھر جا اور میری مخالفت کرنی چھوڑ دے۔ تف ہو تجھ پر! کیا مجھے تیری قیمت کی ضرورت ہے جو میں تجھے بیچوں۔ اگر میں محض اپنے گھر کا سامان بیچوں تو تیری قیمت سے کئی گنا مجھے مل سکتا ہے۔ جب معین بن ساوی نے نور الدین کو دیکھا تو کہنے لگا کہ حیف ہو تجھ پر! تیرے پاس رہا کیا ہے جو تو خریدے یا بیچے! یہ کہہ کر اس نے چاہا کہ نور الدین کو پکڑے مگر سوداگر اس کی طرف دیکھنے لگے کیونکہ وہ سب اسے چاہتے تھے اور اس نے ان سے کہا کہ اس وقت میں یہاں تمہارے سامنے کھڑا ہوں اور تم نے اس کے ظلم کو دیکھ لیا۔ وزیر نے کہا کہ اگر تم لوگ اس وقت یہاں نہ ہوتے تو میں اسے قتل کر دیتا۔ سب لوگوں نے نور الدین کی طرف آنکھ سے اشارہ کیا کہ اس وقت موقع ہے، اس سے سمجھ لے، اور کہنے لگے کہ ہم میں کوئی بھی تیرے اور اس کے درمیان بیچ بچاؤ نہ کرے گا۔ یہ سن کر نور الدین وزیر، ابن ساوی کی طرف بڑھا اور وہ بہادر تو تھا ہی اس نے وزیر کو زین سے کھینچ کر زمین پر گرا دیا۔ اس جگہ گارے کا ایک گڑھا تھا۔ وزیر اس کے بیچ میں آ پڑا اور نور الدین نے اسے تھپڑ اور گھونے لگانے شروع کر دیئے ایک گھونسا وزیر کے دانتوں پر پڑا اور اس کے خون سے اس کی داڑھی رنگ گئی۔ وزیر کے ساتھ دس غلام تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے آقا کی یہ گت بن رہی ہے تو انہوں نے اپنے ہاتھ

اپنی تلواروں کے قبضے پر رکھے اور چاہتے تھے کہ ان کو کھینچ کر نور الدین علی پر حملہ کریں اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں لیکن لوگوں نے غلاموں سے کہا کہ یہ وزیر ہے اور یہ وزیر زادہ، اگر ان دونوں میں کسی وقت صلح ہو گئی تو تم دونوں کے برے ٹھہرو گے اور اگر اس کا ایک وار تم پر پڑ گیا تو تم سب کے سب بڑی بری موت کے گھاٹ اترو گے۔ ہمارے رائے یہ ہے کہ تم ان کے بیچ میں نہ پڑو۔

جب نور الدین وزیر کو خوب پیٹ چکا تو وہ لڑکی لے کر گھر چل دیا، وہاں سے فوراً چلتا ہوا۔ اس حالت میں کہ اس کے کپڑے تین رنگ کے تھے، کپچڑ سے کالے اور خون سے سرخ اور راکھ سے بھورے۔ جب اس نے اپنی یہ حالت دیکھی تو روئی لے کر اپنے گلے میں باندھ لی اور چیتھڑوں سے ہاتھوں میں گانٹھیں دے لیں اور سلطان کے محل کے نیچے جا کر چلانے لگا کہ جہاں پناہ، مظلوم مظلوم! لوگ اس کو بادشاہ کے سامنے لے گئے تو اس نے دیکھا کہ بڑا وزیر ہے اور کہنے لگا کہ اے وزیر، یہ حرکت تیرے ساتھ کس نے کی؟ وزیر کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا، جو تجھ سے محبت رکھتا ہے اور تیری خدمت کرتا ہے کیا اس کی یہی گت بنی چاہیے! سلطان نے کہا کہ جلد کہہ اور اپنا ماجرا بیان کر اور بتا کہ تیرے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ تیری عزت میری عزت ہے۔

وزیر نے کہا کہ اے میرے آقا، سن۔ میں آج کنیز بازار میں گیا تھا کہ ایک باورچن کنیز خریدوں۔ وہاں میں نے ایک کنیز دیکھی جس سے زیادہ حسین تمام عمر میری نظر سے نہ گزری تھی اور میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے اپنے آقا سلطان کے لیے خرید لوں۔ میں نے اس کے اور اس کے مالک کے متعلق دلال سے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ یہ علی بن فضل بن خاقان کی کنیز ہے۔ ہمارے آقا سلطان نے اس کے باپ کو ایک بار دس ہزار دینار دیئے تھے کہ وہ ان داموں سے ایک حسین کنیز خریدے اور اس نے اسی کنیز کو خریدا تھا۔ جب اس کو وہ پسند آئی تو اس نے ہمارے آقا سلطان کے ساتھ بخل کیا اور وہ اپنے بیٹے کو دے دی۔ جب باپ مر گیا تو بیٹے نے تمام املاک

اور باغ اور برتن تک جو اس کے پاس تھے، بیچ ڈالے۔ یہاں تک کہ مفلس ہو گیا اور آخر کار اس کنیز کو بیچنے بازار لایا اور دلال کے سپرد کیا۔ دلال نے اس پر بولی لگائی اور سوداگروں نے بولیاں بولنی شروع کیں یہاں تک کہ اس کے دام چار ہزار دینار تک آگئے میں نے دل میں سوچا کہ اس کنیز کو اپنے آقا سلطان کے لیے خرید لوں۔ آخر کار اس کے دام سلطان ہی نے ادا کئے تھے۔ یہ سوچ کہ میں نے نور الدین سے کہا کہ بیٹا، اس کی قیمت چار ہزار دینار مجھ سے لے لے۔ یہ سن کر اس نے میری طرف گھور کر دیکھا اور کہا کہ اے منحوس بڑھے، میں اسے یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھ بیچوں گا مگر تیرے ہاتھ نہیں۔ میں نے کہا کہ میں اسے اپنے لیے نہیں خریدتا بلکہ اپنے سلطان کے لیے جس کے ہم دونوں نمک خوار ہیں۔ جب اس نے مجھ سے یہ سنا تو غصے میں آگیا اور مجھے کھینچ کر گھوڑے سے گرا دیا اور میں بوڑھا تو ہوں ہی، اس نے میرے تھپڑ اور مکے مارے یہاں تک کہ میری یہ درگت بنی جو تو دیکھ رہا ہے۔ اس نے یہ میری گت اس لیے بنائی کہ میں تیرے لیے اس کنیز کو خرید رہا تھا۔

یہ کہہ کر وزیر زمین پر گر پڑا اور رونے اور کانپنے لگا۔ جب سلطان نے اس کی یہ حالت دیکھی اور اس کی باتیں سنیں تو مارے غصے کے، اس کی آنکھوں کے درمیان پسینہ بننے لگا۔ اب وہ حکام کی طرف متوجہ ہوا اور فوراً چالیس شمشیر زن اس کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے ان سے کہا کہ فوراً تم لوگ علی بن خاقان کے گھر جاؤ اور اس کو لوٹ لو اور ڈھا دو اس کی اور لڑکی کی مشکیں باندھ کر منہ کے بل گھیٹتے ہوئے میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ بسرو چشم اور زہ بکتر پہن کر باہر نکلے اور نور الدین علی کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ سلطان کا ایک حاجب تھا جس کا نام علم الدین سخر تھا اور جو پہلے فضل بن خاقان کا زر خرید غلام تھا۔ مگر بڑھتے بڑھتے سلطان کا حاجب ہو گیا تھا۔ جب اس نے سلطان کا حکم سنا اور دیکھا کہ دشمن اس کے آقا کے بیٹے کے قتل کی تیاری کر رہے ہیں تو یہ اس پر گراں گزرا اور وہ سلطان کے پاس سے غائب ہو کر گھوڑے پر سوار ہوا اور چلتے چلتے نور الدین کے مکان پر پہنچا اور

دروازے پر دستک دی۔ نور الدین باہر نکلا اور اس کو دیکھ کر پہچان گیا مگر اس نے کہا کہ اے میرے آقا، یہ وقت سلام اور کلام کا نہیں ہے۔ نور الدین نے کہا کہ اے علم الدین خیر تو ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اٹھ اور کنیز کو لے کر بھاگ کیونکہ معین

بن ساوئی نے تم دونوں کے لیے جال بچھایا ہے اور اگر تم اس کے ہتھے چڑھ گئے تو تمہیں بے قتل کئے نہ چھوڑے گا۔ سلطان تمہارے پیچھے چالیس شمشیر زن روانہ کر چکا ہے اور میری رائے ہے کہ تم دونوں بھاگ جاؤ قبل اس کے کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے بڑے میں ہاتھ ڈالا اور دیکھا کہ اس میں چالیس دینار ہیں۔ وہ نکال کر اس نے نور الدین کو دیئے اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا، ان کو سفر میں اپنے ساتھ رکھ لے، اگر میرے پاس اور دینار ہوتے تو میں وہ بھی تجھے دے دیتا۔ لیکن اب زیادہ کہنے سننے کا وقت نہیں۔ یہ سن کر نور الدین لڑکی کے پاس گیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور وہ دونوں ہاتھ ملنے لگے اور دونوں نکل کھڑے ہوئے اور شہر کے باہر پہنچے۔ خدا نے ان کی پردہ پوشی کی اور وہ دیا کے کنارے پہنچ گئے اور دیکھا کہ وہاں ایک کشتی روانہ ہونے کے لیے تیار کھڑی ہے اور ناخدا بیچ کشتی میں کھڑا کہہ رہا ہے کہ اگر کسی کو کھانے پینے کا سامان لینا یا اہل و عیال سے رخصت ہونا باقی رہ گیا ہو یا اگر کوئی شخص کوئی اور ضرورت کی چیز بھول گیا ہو تو اسے لے آئے کیونکہ ہم لنگر اٹھانے والے ہیں۔ سب نے جواب دیا کہ اے ناخدا، اب ہمارا کوئی کام باقی نہیں رہا۔ ناخدا نے لوگوں سے کہا کہ چلو، رسیاں کھول دو اور لنگر اٹھاؤ۔ نور الدین نے پوچھا کہ اے ناخدا، کشتی کہاں جا رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ درالسلام

بغداد۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھتیس ویں رات

جب چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب ناخدا نے نور الدین علی سے کہا کہ ہم دارالسلام بغداد جا رہے ہیں تو نور الدین علی اور اس کے ساتھ وہ لڑکی سوار ہو گئی۔ ملحق کشتی کو کھینچ کر گہرے پانی میں لائے اور بادبان کھول دیئے اور کشتی اس طرح چل نکلی جیسے چٹیا اپنے پروں پر۔ اب کشتی ان کو لے کر چلی اور ہوا موافق تھی۔

یہ تو ان لوگوں کا حال ہوا۔ اب غلاموں کا قصہ سنئے۔ وہ وزیر نور الدین کے گھر پہنچے اور اس کے دروازے توڑ کر اندر داخل ہو گئے اور کمرے کمرے ان دونوں کو ڈھونڈنا لیکن کہیں ان کا پتہ نہ چلا۔ گھر کو ڈھا کر وہ واپس گئے اور سلطان کو خبر دی۔ سلطان نے کہا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، ان کو ڈھونڈھ نکالو۔ انہوں نے کہا کہ بسرو چشم۔

اب وزیر معین بن ساوی گھر گیا اور چونکہ سلطان نے اسے خلعت عطا کی تھی اور وہ مطمئن ہو گیا تھا اور سلطان نے اس سے کہا تھا کہ تیرا بدلہ سوائے میرے اور کوئی نہ لے گا۔ اس نے سلطان کو دعا دی کہ اس کی عمر زیادہ ہو۔ اب سلطان نے حکم دیا کہ شہر میں یہ ڈھنڈورا پڑا دیا جائے، ”اے تمام لوگو! ہمارے آقا سلطان کا حکم ہے کہ جو کوئی نور الدین علی ابن خاقان کو پکڑ کر سلطان کے پاس لائے گا تو اسے سلطان خلعت عطا کرے گا اور ہزار دینار نقد انعام دے گا اور جو کوئی اس کو چھپا کر رکھے گا یا جسے اس کی خبر ہو گی اور وہ اس کی اطلاع نہ دے گا تو جو کچھ سزا دی جائے کم ہے۔“ اب نور الدین علی کی تلاش شروع ہو گئی لیکن نہ وہ کسی کے ہاتھ لگا اور نہ کسی کو اس کی خبر معلوم ہوئی۔

اب نور الدین اور اس کی کنیز کا حال سنئے کہ وہ صحیح سلامت، بغداد پہنچ گئے اور ناخدا

نے پکار کر کہا کہ یہ بغداد ہے اور امن و امان کا شہر۔ وہاں سریاں ختم ہو چکی تھیں اور بہار کے گلاب کھل رہے تھے اور درختوں میں پھول نکل آئے تھے اور نہریں جاری ہو گئی تھیں۔ اب نور الدین اور اس کی کنیز کشتی سے اترے اور ناخدا کو پانچ دینار دے کر چل کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ اتفاق سے باغوں کے درمیان پہنچے اور ان کا گزر ایک جگہ ہوا جہاں جھاڑو دی ہوئی تھی اور پانی چھڑکا ہوا تھا اور لمبی چوکیاں پڑی ہوئی تھیں اور پانی بھرے مٹکے لٹکے ہوئے تھے اور گلی کی تمام لمبائی میں سرکنڈوں کا چھپر پڑا ہوا تھا اور گلی کے بیچ میں باغ کا دروازہ تھا لیکن وہ بند تھا۔ نور الدین علی نے لڑکی سے کہا کہ واللہ کیا خوب جگہ ہے! اس نے کہا کہ اے میرے آقا! ہم اس چوکی پر بیٹھ کر ذرا آرام کر لیں۔ اب وہ اوپر چڑھ کر چوکیوں پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ہاتھ منہ دھویا اور چلی تو ان کو نیند آگئی۔ بزرگ ہے وہ ذات جس کو کبھی نیند نہیں آتی! اس باغ کا نام بستان النزهت تھا اور اس میں ایک محل تھا جس کو قصر الفرجہ والتماثل کہتے تھے اور یہ خلیفہ ہارون الرشید کی ملکیت تھی اور جب کبھی خلیفہ کی طبیعت گھبراتی تو وہ اس باغ اور محل کی سیر کے لیے آتا اور وہاں بیٹھتا۔ اس محل میں اسی (۸۰) جھروکے تھے۔ جن میں اسی (۸۰) قدیلیں لٹکی ہوئی تھیں اور ان کے بیچ میں ایک بڑا سونے کا شمعدان تھا۔ جب خلیفہ یہاں آتا تو کنیزوں کو حکم دیتا کہ جھروکے کھول دیں اور اسحاق بن ابراہیم الندیم اور کنیزوں سے کہتا کہ گائیں۔ اس سے اس کی طبیعت بحال ہو جاتی اور غم دور ہو جاتا۔

اس باغ کا ایک باغبان تھا جو بڑا بوڑھا تھا اور جسے شیخ ابراہیم کہتے تھے۔ جب کبھی وہ کسی ضرورت سے باہر جاتا تو تماش بین رنڈیوں کو لے کر وہاں پہنچ جاتے۔ اس پر وہ سخت ناراض تھا اور خلیفہ کے آنے کا منتظر۔ ایک روز جب خلیفہ وہاں آیا تو اس نے خلیفہ سے شکایت کی۔ خلیفہ نے کہا کہ جس کسی کو باغ کے دروازے پر پائے تو جو تیرا جی چاہے اس کے ساتھ کر۔ اس روز جب شیخ ابراہیم باغبان کسی ضرورت سے

باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ یہ دونوں ایک چادر اوڑھے باغ کے دروازے پر سو رہے ہیں۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ خوب! ان دونوں کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ خلیفہ نے مجھے اجازت دے رکھی ہے کہ جس کسی کو یہاں پاؤں، قتل کر دوں۔ اور ان دونوں کو تو میں بری طرح سے ماروں گا تا کہ پھر اور کوئی باغ کے دروازے کے پاس نہ پھٹکے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک کھجور کا ایک ہرا ڈنڈا کاٹا اور اسے لے کر ان کے قریب پہنچا اور انہیں مارنے کے لیے اپنا ہاتھ اتار اٹھا تا کہ اس کی بغل کی سفیدی دکھائی دینے لگی۔ اب وہ دل میں سوچنے لگا اور کہا کہ ابراہیم، تو بغیر ان کی حالت جانے ہوئے کس طرح مارتا ہے؟ ممکن ہے کہ یہ پردیسی ہوں یا مسافر اور قسمت کے مارے وہ یہاں آ پڑے ہوں! اس لیے پہلے میں ان کی چادر اٹھا کر ان کو دیکھ تو لوں۔ یہ کہہ کر اس نے ان کے چہروں سے چادر الٹ دی اور کہنے لگا کہ یہ دونوں حسین ہیں، ان کو مارنا مناسب نہیں، اور پھر ان کے چہرے ڈھک دیئے اور نور الدین کے پاؤں کی طرف جا کر انہیں دابنے لگا۔

اب نور الدین کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ اس کے پاؤں کے پاس ایک بڑا بوڑھا شخص بیٹھا ہوا ہے جس کے چہرے سے ہیبت اور وقار ٹپکتا ہے۔ اس نے شرم کے مارے اپنے پاؤں کھینچ لیے اور اٹھ بیٹھا اور شیخ ابراہیم کے ہاتھ کو لے کر اسے بوسہ دیا۔ بوڑھے نے کہا کہ بیٹا، تو کہاں سے آتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا، ہم پردیسی ہیں، اور اس کی آنکھوں میں آنسو بنے گئے۔ شیخ ابراہیم نے کہا کہ بیٹا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردیسیوں کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کی ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ بیٹا اگر تیرا جی چاہتا ہو تو باغ کے اندر چل کر سیر کر اور طبیعت بہلا۔ نور الدین نے کہا کہ اے میرے آقا، یہ باغ کس کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بیٹا، یہ باغ مجھ کو اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملا ہے۔ جواب سے شیخ ابراہیم کا مقصد محض یہ تھا کہ وہ مطمئن ہو جائیں اور باغ میں چلیں۔ جب نور الدین نے اسے یہ کہتے سنا تو اس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ اور اس کی کنیز اٹھ کھڑے

ہوئے اور شیخ ابراہیم آگے آگے ہو لیا اور وہ سب باغ کے اندر پہنچے اور دیکھا کہ واہ
 واہ کیا باغ ہے! اس کے دروازے محراب دار ہیں گویا وہ ایک محل ہے اور اس پر
 انگور کی بلیں چڑھی ہوئی ہیں اور ان میں رنگ برنگ انگور لگے ہوئے ہیں، جو سرخ ہیں
 یا قوت معلوم ہوتے ہیں اور جو سیاہ ہیں آنسو۔ اب وہ ایک برگ پوش میں داخل ہوئے
 اور دیکھا کہ پھل خوشوں میں اور تنہا لگے ہیں اور چڑیاں ٹہنیوں پر بیٹھی ہوئی گا رہی
 ہیں اور بلبلیں طرح طرح کے گیت الاپ رہی ہیں اور قمریوں کی آواز سے سارا مکان
 گونج رہا ہے اور شجر دریں انسان کی طرح گا رہی ہیں اور فاختائیں گویا نشے میں چور
 ہیں اور درختوں پر تمام پھل پک چکے ہیں اور میوؤں کے جوڑے لگے ہوئے ہیں اور کشکش
 کافوری اور بادامی اور خراسانی ہیں اور آلو بخارے حینوں کے سے رنگ والے اور ناشدانے
 جن سے دانتوں کی زردی دور ہو جائے اور انجیر سرخ اور سفید جدا جدا اور پھول گویا
 موتی اور مرجان اور گلاب جن کی سرخی کے آگے حینوں کے رخسار شرما جائیں اور
 بنفشہ گویا رات کے وقت آگ پر گندھک جل رہی ہے اور مہندی اور لونگ اور ارغواں
 اور شقائق النعمان ساتھ ساتھ اور پتوں پر بادل کے آنسوؤں کے موتی جڑے ہوئے ہیں
 اور بابو نہ کھل کھلا کر ہنس رہا ہے اور زرگس گلاب کی طرف حبشیوں کی آنکھ
 سے دیکھ رہی ہے اور چکو ترے گویا جام رکھے ہوئے ہیں اور نیبو گویا سونے کی گیندیں
 ہیں اور زمین پر رنگ رنگ پھول بچھے ہوئے ہیں، بہار آچکی تھی اور اس نے ہر
 جگہ کو اپنی خوبصورتی سے چکا دیا تھا اور نہریں شور مچا رہی تھیں اور چڑیاں چہما رہی
 تھیں اور ہوائیں سیٹیاں بجا رہی تھیں کیونکہ زمانہ معتدل تھا۔

اس کے بعد شیخ ابراہیم ان کو لے کر ہوا محل میں گیا اور انہوں نے دیکھا کہ وہ کیسا
 خوبصورت ہے! اور جھروکوں میں شمعیں لگی ہوئی ہیں۔ اب نور الدین کو گزشتہ مقامات
 یاد آ گئے جو اب اس کے ہاتھ سے جا چکے تھے اور وہ کہنے لگا کہ واللہ یہ نہایت خوبصورت
 مقام ہے!

اب دونوں بیٹھ گئے اور شیخ ابراہیم نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا اور انہوں نے پیٹ

بھر کر کھایا اور پھر ہاتھ دھوئے اور نور الدین ایک کھڑکی کی طرف گیا اور اپنی کینر کو آواز دی اور وہ آئی اور دونوں درختوں کو دیکھنے لگے جو ہر قسم کے میوؤں سے لدے ہوئے تھے اور نور الدین نے شیخ ابراہیم کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے شیخ ابراہیم تیرے پاس شراب نہیں ہے کیونکہ لوگ کھانے کے بعد شراب پیا کرتے ہیں۔ شیخ ابراہیم ٹھنڈا شربت لایا مگر نور الدین نے کہا کہ اے شیخ ابراہیم، یہ تو وہ پینے کی چیز نہیں ہے جو میں نے مانگی تھی۔ اس نے کہا کہ شاید تو نشے والی شراب چاہتا ہے۔ نور الدین نے کہا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ خدا اس سے بچائے! تیرہ سال سے میں نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پینے والے اور بنانے والے اور بیچنے والے اور خریدنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ نور الدین نے کہا کہ مجھ سے دو باتیں سن۔ اس نے کہا کہ کہہ۔ نور الدین نے کہا کہ اگر اس ملعون گدھے پر کوئی لعنت بھیجے تو کیا وہ لعنت تجھ پر لگ جائے گی؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ نور الدین نے کہا کہ یہ دینار اور دو درہم لے جا اور گدھے پر سوار ہو کر جا اور دور کھڑا رہ۔ جو شخص شراب خرید رہا ہو، اس کو پکار کر کہہ کہ یہ دو درہم تو تو لے اور اس دینار کی شراب خرید لا اور اس گدھے پر رکھ دے اس طرح سے نہ تو اس کا لانے والا ہوتا ہے اور نہ خریدنے والا لہذا اس کا کوئی ضرر تجھے نہیں پہنچے گا۔

شیخ ابراہیم اس کی باتیں سن کر ہنسا اور کہنے لگا کہ بیٹا، میں نے تجھ سے زیادہ خوش طبع آج تک نہیں دیکھا اور نہ تجھ سے زیادہ میٹھی باتیں سنیں۔ یہ کہہ کر شیخ ابراہیم نے نور الدین کا کہنا کر دیا اور اس پر وہ اس کا بہت شکر گزار ہوا اور کہنے لگا کہ ہمارا دارومدار تیرے ہی اوپر ہے، لہذا ہماری مدد کر اور جن جن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے، مہیا کر۔ شیخ ابراہیم نے کہا کہ بیٹا، یہ میرا ذخیرہ تیرے آگے ہے اور یہ امیرالمومنین کے لیے اکٹھا کیا گیا ہے۔ اس کے اندر جا اور جس چیز کی تجھے ضرورت ہو لے آ، کیونکہ اس میں تیری ضرورت سے زیادہ چیزیں موجود ہیں۔ نور الدین مخزن کے اندر گیا اور دیکھا کہ اس میں سونے چاندی اور بلور کے برتن ہیں جن میں جواہرات جڑے ہوئے

ہیں۔ اس نے ان کو نکال کر آراستہ کیا اور صراحیوں اور کوزوں میں شراب انڈیلی اور ان کو دیکھ کر اسے خوشی اور تعجب ہوا۔ اب شیخ ابراہیم ان کے لیے میوے اور عطریات لایا اور خود جا کر ان سے دور بیٹھ گیا۔ دونوں نے خوب پی اور مزے میں آگئے اور شراب پڑھی اور ان کے رخسار سرخ ہو گئے اور آنکھیں چڑھ گئیں اور بال بکھر گئے اور رنگ بدل گیا۔ شیخ ابراہیم اپنے دل میں کہنے لگا کہ آخر میں ان سے دور کیوں بیٹھا ہوں؟ اور ان کے پاس بیٹھنے میں کیا حرج ہے؟ مجھے پھر کب ایسا موقع ہاتھ آئے گا کہ میرے یہاں ایسے دو شخص آئیں جو چاند کی طرح خوبصورت ہوں! یہ کہہ کر شیخ ابراہیم آگے بڑھا اور ان کے قریب ایوان کے کنارے آکر بیٹھ گیا۔ نور الدین نے کہا کہ اے میرے آقا، تجھے میری جان کی قسم کہ ہمارے پاس آکر بیٹھ۔ شیخ ابراہیم ان کے پاس آکر بیٹھ گیا اور نور الدین نے ایک پیالہ بھرا اور اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ پی تاکہ تجھے اس کا ذائقہ معلوم ہو۔ اس نے جواب دیا کہ خدا پناہ میں رکھے! تیرہ سال ہونے کو آئے ہیں کہ مجھ سے یہ فعل سرزد نہیں ہوا۔ نور الدین نے اس سے تعافل کر کے پیالہ پی لیا اور زمین پر گر پڑا گویا کہ وہ مدہوش ہو گیا ہے۔ اب انیس الجلیس نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے شیخ ابراہیم، دیکھ کہ یہ شخص ہمیشہ میرے ساتھ یوں ہی کرتا ہے، تھوڑی دیر پی کر سو جاتا ہے اور میں اکیلی رہ جاتی ہوں اور مجھے کوئی ہم پیالہ نہیں ملتا جو میرے ساتھ پئے اور نہ ایسا کہ وہ پیتا جائے اور میں گاتی جاؤں۔

شیخ ابراہیم کا دل پکھل گیا اور اس کی باتوں کی وجہ سے اس کا دل اس کی طرف کھنچا اور وہ کہنے لگا کہ واللہ یہ بڑی بری بات ہے۔ اب لڑکی نے ایک پیالہ بھرا اور اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگی کہ میری جان کی قسم اسے لے اور پی اور رومت کر اور میرے دل کو تسکین دے۔ یہ سن کر شیخ ابراہیم نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور پیالہ لے کر چڑھا گیا۔ اب اس کے لیے دوسرا پیالہ بھرا اور اسے شمع کے مقابلے میں لے جا

کر کہا کہ اے میرے آقا‘ یہ تیرا حصہ اور باقی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ واللہ‘ اس کو میں نہیں پی سکتا۔ جتنا میں نے پیا وہ میرے لیے کافی ہے۔ لڑکی نے کہا کہ اسے ضرور پینا ہو گا۔ اس نے وہ پیالہ بھی لے کر پی لیا۔ پھر اس نے تیسرا پیالہ دیا اور شیخ نے اسے لے لیا اور پینا چاہتا ہی تھا کہ نور الدین اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• سینتیسویں رات

جب سینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- نور الدین علی اٹھ کر بیٹھ گیا اور شیخ ابراہیم سے کہنے لگا کہ یہ کیا؟ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ میں نے تجھے قسم دی تھی لیکن تو نے انکار کیا اور کہا کہ تیرہ سال سے تو نے یہ کام نہیں کیا ہے۔ شیخ ابراہیم نے شرمندہ ہو کر کہا کہ میری خطا نہیں ہے بلکہ اس لڑکی نے مجھ سے کہا تھا۔ نور الدین ہنسا اور اب تینوں میں شراب کا دور چلنے لگا۔ اب لڑکی نے اپنے آقا کی طرف مخاطب ہو کر چپکے سے کہا کہ سوائے ان دونوں کے اور کوئی نہ سن سکتا تھا کہ اے میرے آقا، پی اور شیخ ابراہیم کو مجبور مت کرتا کہ میں اس کا مذاق تجھے دکھاؤں۔ اب لڑکی پیالہ بھر بھر کر اپنے آقا کو پلانے لگی اور اس کا آقا پیالہ بھر بھر کر اسے پلانے لگا۔ وہ بار بار یہی کر رہے تھے کہ شیخ ابراہیم نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ خوب صحبت ہے! خدا پیڑ پر لعنت بھیجے! بھائی، تو مجھے کیوں نہیں پلاتا؟ یہ بھی کوئی بات ہے، اے مبارک شخص! یہ سن کر وہ دونوں ہنستے ہنستے لوٹ گئے اور اب خود بھی پی اور اسے بھی پلائی، یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی۔

اب لڑکی نے کہا کہ اے شیخ ابراہیم، اگر تو اجازت دے تو میں ان شمعوں میں سے جو ایک قطار میں لٹکی ہوئی ہیں، ایک کو روشن کر دوں۔ اس نے جواب دیا کہ ایک سے زیادہ روشن نہ کیجیو۔ اس نے اٹھ کر پہلی شمع سے شروع کیا اور اسی کی اسی جلاتی ہوئی چلی گئی اور پھر آکر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد نور الدین نے کہا کہ اے شیخ ابراہیم، اور میری قسم کا کیا حشر ہو گا؟ مجھے بھی اجازت دے کہ میں ان قندیلوں میں سے ایک کو جلا دوں۔ شیخ ابراہیم نے اس سے کہا کہ اٹھ اور ایک قندیل جلا دے مگر دوسری کو ہاتھ مت لگائیو۔ وہ اٹھا اور ایک ایک کو جلاتا ہوا تمام اسی کی اسی قندیلوں

کو جلا دیا۔ اب ایسا معلوم ہونے لگا کہ سارا محل رقص کر رہا ہے۔ شیخ نشے میں چور تو تھا ہی، وہ ان سے کہنے لگا کہ تم دونوں مجھ سے زیادہ نشے میں ہو اس نے اٹھ کر سارے کے سارے جھروکے کھول دیئے اور تینوں بیٹھ کر شراب پینے اور اشعار پڑھنے لگے یہاں تک کہ سارا مکان گونج اٹھا۔

اب خدا کو جو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر بات کے لیے ایک سبب پیدا کر دیتا ہے، یہ منظور ہوا کہ خلیفہ کا اسی وقت دل گھبرایا اور چاندنی رات میں اس کی نظر ان جھروکوں پر پڑی جو دجلے کی طرف تھے اور اس نے دیکھا کہ قندیلوں اور شمعوں کی روشنی کا عکس دیا پر پڑ رہا ہے۔ اب اس نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے باغ کا محل شمعوں اور قندیلوں سے چراغاں ہو رہا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ جعفر برکی کو میرے پاس بلاؤ۔ اس کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ امیر المومنین کے سامنے آخر حاضر ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا کہ اے وزیروں کے کتے، تو نے بغداد پر اپنا قبضہ جما لیا ہے اور مجھے اس کی خبر تک نہیں کی! جعفر نے کہا کہ یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر بغداد کو تو نے اپنے قبضے میں نہ کر لیا ہوتا تو قصر التماثل قندیلوں اور شمعوں سے نہ جگمگا رہا ہوتا۔ اور جھروکے کھلے ہوئے نہ ہوتے۔ حیف ہو تجھ پر! اگر تو نے میری خلافت نہ چھین لی ہوتی تو کس کی مجال تھی کہ ایسا کام کرتا۔ یہ سن کر جعفر کانپنے لگا اور کہا تجھے کیونکر معلوم ہوا کہ قصر التماثل روشن ہے اور اس کے جھروکے کھلے ہوئے ہیں؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ ادھر آکر دیکھ۔ جعفر خلیفہ کے پاس آیا اور باغ کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ محل واقعی تاریکی کے بیچ میں چراغاں ہے۔ اور اس نے چاہا کہ باغبان شیخ ابراہیم کی طرف سے معذرت پیش کرے کیونکہ ایسا کرنے میں اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہو گی۔ وہ کہنے لگا کہ اے امیر المومنین گزشتہ ہفتے میں شیخ ابراہیم نے مجھ سے کہا تھا کہ اے میرے آقا، جعفر، میں چاہتا ہوں کہ میں امیر المومنین کی اور تیری زندگی میں اپنی اولاد کو خوش کروں۔ میں نے پوچھا کہ اس کے لیے تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خلیفہ سے اس بات کی اجازت

لے دے کہ میں اپنے لڑکوں کا ختنہ محل میں کروں۔ میں نے کہا کہ جا اور ان کا ختنہ کر اور خلیفہ سے مل کر اس کو خبر کر دوں گا۔ وہ چلا گیا اور میں تجھ سے کہنا بھول گیا۔

خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر، پہلے تو ایک گناہ کا مرتکب تھا، اب دو ہو گئے کیونکہ تو نے دہرا جرم کیا۔ ایک یہ کہ تو نے مجھے خبر نہ دی اور دوسرا یہ کہ تو نے شیخ ابراہیم کا مدعا پورا نہ کیا، کیونکہ اس کے تیرے پاس آنے اور تجھ سے کہنے کی وجہ محض یہ تھی کہ وہ تجھ سے کچھ دام چاہتا تھا جس سے اس کا کام چلے۔ تو نے نہ تو اس کو کچھ دیا اور نہ مجھ کو خبر دی۔ جعفر نے کہا کہ اے امیرالمومنین، میں بھول گیا۔ خلیفہ نے کہا کہ مجھے اپنے باپ دادا کی قسم میں باقی رات اس کے ساتھ گزاروں گا کیونکہ وہ نیک مرد ہے اور مشائخ اور فقرا کی صحبت میں رہتا ہے اور ان کی ضیافت کرتا ہے اور وہ لوگ ضرور اس کے پاس ہوں گے۔ ممکن ہے کہ ان کی ایک دعا سے ہمیں دنیا اور آخرت بھی بھلائی ملے۔ مصلحت کا متقضا یہی ہے کہ میں بھی اس کے پاس موجود ہوں۔ علاوہ بریں شیخ ابراہیم کو اس سے خوشی بھی ہو گی۔ جعفر نے کہا کہ امیرالمومنین رات زیادہ ہو چکی ہے اور وہ اٹھ رہے ہوں گے۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ ان کے پاس ضرور چلنا چاہیے۔ جعفر چپ ہو گیا اور اس کو حیرانی ہوئی اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔

خلیفہ اٹھ کھڑا ہوا اور جعفر اس کے ساتھ تھا اور دونوں کے ہمراہ مسرور خادم تھا۔ تینوں کے تینوں بھیں بدل کر چل دیئے اور خلیفہ کے محل سے نکل کر وہ گلی کوچوں کو سوداگروں کے لباس میں طے کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اس باغ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اب خلیفہ آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہے کہ باغ کا دروانہ کھلا ہوا ہے۔ اس پر اسے تعجب ہوا اور کہنے لگا کہ اے جعفر، دیکھ شیخ ابراہیم نے اس وقت تک دروانہ کیوں کھول رکھا ہے؟ وہ تو ایسا کبھی نہیں کرتا تھا۔ اب وہ اندر گئے اور باغ کے آخر تک پہنچ کر محل کے نیچے ٹھہر گئے۔ خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر میں چاہتا ہوں کہ اندر

جانے سے پہلے میں ان کو چھپ کر دیکھ لوں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور مشائخ کا بھی نظارہ کر لوں کیونکہ اب تک میں ان کی کوئی آہٹ نہیں پاتا اور نہ کسی فقیر کو خدا کا ذکر کرتے ہوئے سنتا ہوں۔ اب خلیفہ نے ادھر ادھر دیکھا تو اس کی نظر ایک اخروٹ کے اونچے درخت پر پڑی اور وہ کہنے لگا کہ اے جعفر، میں چاہتا ہوں کہ اس درخت پر چڑھ جاؤں کیونکہ اس کی ٹہنیاں جھروکوں کے قریب ہیں اور ان کو دیکھوں۔ یہ کہہ کر خلیفہ درخت پر چڑھ گیا اور ایک شاخ سے دوسری پر گزرتا ہوا اس شاخ پر جا پہنچا جو جھروکے کے سامنے تھی اور اس پر جا کر بیٹھ گیا اور محل کے جھروکے میں سے دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے گویا دو چاند، پاک ہے ذات جس نے انہیں پیدا کیا اور ان کی شکل و صورت بنائی! اور اس نے دیکھا کہ شیخ ابراہیم بیٹھا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں پیالہ ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ اے حسنین کی آقا، شراب بغیر گانے کے بے کار ہے کیونکہ میں نے ایک شاعر کو یہ کہتے سنا ہے:

”شراب کا دور بوڑھوں اور جوانوں دونوں میں چلا اور اسے اس شخص کے ہاتھ سے لے جو روشن چاند کی طرح حسین ہو اور بغیر گانے کے مت پی کیونکہ گھوڑے بھی سیٹی کے ساتھ پیتے ہیں۔“

جب خلیفہ نے شیخ ابراہیم کو یہ حرکت کرتے دیکھا تو اس کے غصے کی رگ دونوں آنکھوں کے درمیان پھول گئی اور وہ درخت پر سے اتر کر کہنے لگا کہ اے جعفر، میں نے نیک بندوں کو کبھی اس حالت میں نہیں دیکھا۔ اب تو بھی اس درخت پر چڑھ کر نظارہ کر تاکہ تو بھی نیک بندوں کی برکتوں سے مستفید ہو۔

جب جعفر نے امیرالمومنین کو یہ کہتے سنا تو حیران ہو گیا اور درخت پر چڑھا تو کیا دیکھتا ہے کہ نور الدین اور شیخ ابراہیم اور لڑکی وہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور شیخ کے ہاتھ میں پیالہ ہے۔ جب جعفر نے یہ دیکھا تو اسے یقین آ گیا کہ اب میری جان کی خیر نہیں۔ وہاں سے وہ نیچے اترا اور امیرالمومنین کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے اس سے کہا

کہ اے جعفر، خدا کا شکر ہے کہ ہم ظاہری شریعت کے پیرو ہیں! جعفر کے منہ سے مارے شرمندگی کے کوئی بات نہ نکلی۔ خلیفہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ آخر ان کو اس جگہ کون لایا اور کس نے انہیں میرے محل میں داخل کیا! لیکن اس لڑکے اور لڑکی کا سا حسن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ جعفر نے اس کی رضا جوئی کے لیے کہا کہ اے میرے آقا سلطان، تو بالکل سچ کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اے جعفر، چل

ہمارے ساتھ اس شاخ پر چڑھ جو ان کے سامنے ہے تاکہ ہم لطف اٹھائیں۔ اب دونوں کے دونوں درخت پر چڑھ کر ان کو دیکھنے لگے اور شیخ ابراہیم کو یہ کہتے سنا کہ اے میری مالکہ، میں نے شراب پی کر اپنا سارا وقار کھو دیا مگر بغیر باجے گاجے کے اس میں مزہ نہیں۔ انیس الجلیس نے جواب دیا کہ اے شیخ ابراہیم، واللہ اگر ہمارے پاس کوئی باجا ہوتا تو ہم پوری طرح لطف اٹھا سکتے۔ جب شیخ نے یہ سنا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ دیکھیں یہ کیا کرنے جا رہا ہے! جعفر نے کہا کہ مجھے بھی معلوم نہیں۔ اب شیخ ابراہیم غائب ہو گیا اور ایک سارنگی لے کر لوٹا۔ خلیفہ نے غور کیا تو اسے معلوم ہو کہ یہ ابو اسحق الندیم کی سارنگی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ اگر یہ لڑکی برا گائے گی تو میں تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا اور اگر یہ اچھا گائے گی تو میں ان کو معاف کر دوں گا اور محض تجھ کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

جعفر نے کہا کہ خدایا وہ برا گائے! خلیفہ نے پوچھا کہ یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ اس وجہ سے کہ تو ہم سب کو سولی پر چڑھا دے اور ایک دوسرے کی ہمدردی کرے۔ خلیفہ یہ سن کر ہنس پڑا۔ اب لڑکی نے سارنگی کو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا کہ اس کے تار اترے ہوئے ہیں اور ان کو ٹھیک کر کے اس طرح بجانا شروع کیا کہ سب کے دل اس کی طرف مائل ہو گئے اور وہ یہ اشعار گانے لگی:

”اے ہم مسکین عاشقوں کے مددگار، محبت اور آرزوؤں کی آگ ہم کو جلا رہی ہے۔ اگر تم ہماری مدد کرو تو ہم اس کے مستحق ہیں۔ ہم نے تمہارے یہاں آکر پناہ لی ہے لہذا

ہمیں برا مت کہو۔ ہم ذلیل اور غریب ہیں اس لیے تمہارا جو جی آئے ہمارے ساتھ کرو۔ اگر تم ہمیں اپنے گھر میں قتل کر ڈالو تو یہ بات تمہارے لیے فخر کا باعث نہ ہو گی، مگر ہمیں ڈر ہے تو یہ کہ کہیں تم گناہ میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔“

خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر، واللہ کیا خوب گائی! میں نے عمر بھر اس کی طرح خوش کن آواز نہیں سنی۔ جعفر نے کہا کہ شاید اب خلیفہ کا غصہ جاتا رہا۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں جاتا رہا۔ اب وہ دونوں درخت پر سے اترے اور خلیفہ جعفر سے کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان کے پاس جا کر بیٹھوں اور لڑکی میرے سامنے گا کر سنائے۔ اس نے کہا کہ اگر تو ان کے پاس جائے گا تو ان کی خوشی مکدر ہو جائے گی اور شیخ ابراہیم تو مارے ڈر کے مر جائے گا۔ خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر تو کوئی نہ کوئی ترکیب نکال کہ ہم ان کے پاس جائیں اور انہیں معلوم نہ ہو۔

اب خلیفہ اور جعفر دجلے کے کنارے پہنچے اور اسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک ماہی گیر محل کے جھروکوں کے نیچے کھڑا مچھلیاں پکڑ رہا ہے۔ اس سے پہلے خلیفہ نے ایک بار شیخ ابراہیم کو بلا کر پوچھا تھا کہ محل کے جھروکوں کے نیچے سے یہ کیا آواز آ رہی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ماہی گیروں کی آواز ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ جا انہیں اس جگہ سے مچھلیاں پکڑنے سے منع کر اور ماہی گیروں کو ممانعت کر دی گئی کہ وہاں مچھلیاں نہ پکڑا کریں۔ اس رات پھر ایک ماہی گیر وہاں پہنچا، جس کا نام کریم تھا اور دروانہ کھلا دیکھ کر دل میں کہنے لگا کہ لوگ اس وقت بے خبر ہیں، اس کو مچھلیاں پکڑنے کے لیے غنیمت سمجھنا چاہیے۔ یہ کہہ کر اس نے جال لیا اور دیا میں پھینکا۔ اتنے میں خلیفہ اکیلا اس کے سر پر آ پہنچا اور اسے پہچان لیا اور کہنے لگا کہ اے کریم! جب اس نے کسی کو اپنا نام لیتے سنا تو وہ اس طرف متوجہ ہوا اور جب دیکھا کہ خلیفہ ہے تو اس کا بدن کانپنے لگا اور اس نے کہا کہ اے امیر المومنین، خدا کی قسم، میں نے تیرے حکم کا مذاق اڑانے کے لیے یہ نہیں کیا بلکہ

فائق اور اہل و عیال کی مجبوری کی وجہ سے۔ خلیفہ نے کہا کہ میرے نام سے مچھلیاں پکڑ۔ ماہی گیر خوش ہو کر آگے بڑھا اور جال پھینکا اور تھوڑی دیر انتظار کیا یہاں تک کہ وہ تھاہ میں پہنچ گیا۔ اب اس نے جال کھینچا تو طرح طرح کی مچھلیاں آئیں۔ خلیفہ خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے کریم! اپنے کپڑے اتار۔ جب اس نے اپنے کپڑے اتارے تو اس کے جے میں سخت اونچی کپڑوں کے سینکڑوں پیوند لگے ہوئے تھے اور اس میں دم دار جوئیں تھیں اور اس نے اپنے سر سے پگڑی اتاری جس کو اس نے تین سال سے نہیں کھولا تھا۔ اور جو چیتھڑا اسے ملتا وہ اس کے اوپر ہی سی لیتا۔ جب اس نے اپنا جبہ اور عمامہ اتار دیا تو خلیفہ نے اپنے بدن پر سے دو لباس اتارے جو اسکندریہ اور بعلبک کے ریشم کے تھے، ایک قمیض تھی اور ایک قبا۔ اب اس نے صیاد سے کہا کہ ان کو لے کر پہن لے اور خلیفہ نے ماہی گیر کا جبہ اور عمامہ پہن لیا اور اس کے پلو سے اپنا منہ لپیٹ لیا اور اس سے کہا کہ جا اپنا کام کر۔ اس شخص نے خلیفہ کے پاؤں چومے اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ اتنے میں خلیفہ کے بدن پر جوئیں ریگنے لگیں اور وہ انہیں دہنے اور بائیں ہاتھ سے اپنی گردن پر سے پکڑ پکڑ کر پھینکتا جاتا تھا۔ اس نے ماہی گیر سے کہا کہ تف ہو تجھ پر! تیرے جے میں کتنی جوئیں ہیں! اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا! ابھی تو تجھے معلوم ہو گا کہ وہ کاٹی ہیں لیکن ایک ہفتے کے بعد بالکل محسوس نہ ہوں گی بلکہ تجھے ان کا خیال بھی نہ آئے گا۔ خلیفہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تف ہو تجھ پر! کیا میں اس جے کو ہمیشہ پہنے رہوں گا! ماہی گیر نے کہا کہ میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہہ۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! میرے دل میں ابھی یہ خیال گزرا ہے کہ چونکہ تو مچھلیاں پکڑنا سیکھنا چاہتا ہے تاکہ ایک فائدہ مند پیشہ تجھے آجائے، یہ جبہ تیرے لیے بہت مناسب ہے۔ خلیفہ ماہی گیر کی باتوں پر ہنسنے لگا اور ماہی گیر چلتا ہوا۔ اب خلیفہ نے مچھلیوں کا ٹوکرا لیا اور اس کے اوپر گھاس ڈال کر جعفر کے پاس آیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جعفر نے خیال کیا کہ وہ کریم

ماہی گیر ہے اور ڈرا کہ کہیں اسے نقصان نہ پہنچے اور اس سے کہنے لگا کہ اے کریم! تو یہاں کیوں آیا ہے، بھاگ اپنی جان بچا کیونکہ آج رات خلیفہ باغ میں ہے، اگر اس نے تجھے دیکھ پایا تو تیرا سر اڑا دے گا۔ خلیفہ جعفر کی باتیں سن کر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی سے جعفر نے اسے پہچان لیا اور کہنے لگا کہ غالباً تو ہمارا آقا سلطان ہے۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ ہاں، اے جعفر، اور تو میرا وزیر ہے اور ہم تم یہاں ساتھ آئے ہیں مگر تو نے مجھے پہچانا نہیں تو شیخ ابراہیم جو نشے میں ہے، مجھے کس طرح پہچان سکتا ہے! تو یہاں ٹھہرا رہا۔ جب تک کہ میں واپس نہ آؤں۔ جعفر نے کہا کہ بسرو چشم۔

اب خلیفہ محل کے دروازے پر گیا اور آہستہ سے دستک دی۔ نور الدین نے کہا کہ اے شیخ ابراہیم، کوئی دروانہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ اس نے پوچھا کہ دروازے پر کون ہے؟ جواب آیا کہ اے شیخ ابراہیم، میں ہوں۔ شیخ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں کریم ماہی گیر ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تیرے یہاں مہمان آئے ہیں۔ اس لیے میں تیرے لیے کچھ مچھلیاں لایا ہوں کیونکہ وہ بہت اچھی ہیں۔ جب نور الدین اور لڑکی نے مچھلیوں کا نام سنا تو وہ خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ اے میرے آقا، دروانہ کھول کر اس کو مع مچھلیوں کے اندر لے آ۔ شیخ ابراہیم نے دروانہ کھولا اور خلیفہ ماہی گیر کے بھیس میں اندر آیا اور سب سے پہلے سلام کیا۔

شیخ ابراہیم نے اس سے کہا کہ مرحبا، اے ڈاکو، چور اور جواہری، آ اور اپنی مچھلیاں ہمیں دکھا۔ جب انہوں نے دیکھا تو مچھلیاں زندہ تھیں اور حرکت کر رہی تھیں۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا، یہ مچھلیاں بہت اچھی ہیں، کاش کہ وہ تلی ہوئی ہوتیں! شیخ ابراہیم نے کہا کہ واللہ اے میری آقا، تو سچ کہتی ہے اور اس نے خلیفہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے ماہی گیر تو ان مچھلیوں کو تل کر کیوں نہیں لایا؟ فوراً اٹھ اور انہیں تل کر لا۔ خلیفہ نے کہا کہ میں انہیں ابھی تل کر حاضر کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جلدی کر۔ خلیفہ اٹھ کر چل دیا اور جعفر کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا کہ

اے جعفر! اس نے جواب دیا کہ ہاں اے امیر المومنین، خیر تو ہے! اس نے کہا کہ وہ مجھ سے تلی ہوئی مچھلیاں مانگتے ہیں۔ جعفر نے کہا کہ مجھے اپنے آباؤ اجداد کی قسم، میں انہیں خود اپنے ہاتھ سے تلوں گا۔ یہ کہہ کر خلیفہ باغبان کے جھونپڑے میں گیا اور تلاش کر کے ہر چیز نکالی حتیٰ کہ نمک اور زعفران اور پودینہ وغیرہ اور چولہے کے پاس جا کر اس پر کڑاہی چڑھائی اور مچھلیوں کو نہایت خوبی سے تلا۔ جب تل چکا تو اس نے انہیں کیلے کے پتے پر رکھا اور باغ میں سے گرے ہوئے پھل اور نیبو لیے اور جا کر مچھلیوں کو ان کے سامنے رکھ دیا۔ لڑکا اور لڑکی اور شیخ ابراہیم آگے بڑھے اور انہوں نے کھلایا۔ جب کھا چکے تو ہاتھ دھوئے۔

نور الدین نے کہا کہ اے ماہی گیر، آج رات تو نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ان دیناروں میں سے جو اسے سب نے چلتے وقت دیئے تھے، تین دینار نکالے اور صیاد سے کہا کہ معاف کر! خدا کی قسم اگر میری اس حالت سے پہلے میری ملاقات تجھ سے ہوتی تو میں تیری غربت کی تکلیف دور کر دیتا۔ لیکن انہیں تبرک لے لے۔ یہ کہہ کر اس نے دینار خلیفہ کی طرف پھینکے اور خلیفہ نے انہیں اٹھا کر بوسہ دیا۔ اس سے خلیفہ کا مقصد محض یہ تھا کہ لڑکی کا گانا سنے اور اس نے کہا کہ تو نے میرے ساتھ احسان کیا اور بھلائی کی، مگر میں تجھ سے اس بھلائی کا خواہش مند ہوں کہ یہ لڑکی مجھے ایک راگ سنا دے اور میں اسے سن لوں۔ نور الدین علی نے کہا کہ اے انیس الجلیس! میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ نور الدین نے کہا کہ تجھے میری جان کی قسم، اس ماہی گیر کی خاطر کچھ گا کر سنا کیونکہ وہ تیرا گانا سنا چاہتا ہے۔ جب لڑکی نے اپنے آقا سے یہ سنا تو اس نے سارنگی اٹھائی اور تار درست کر کے اسے بجانے اور گانے لگی اور اتنا اچھا بجایا کہ حاضرین دنگ رہ گئے۔ خلیفہ کو وجد آ گیا اور وہ جھومنے لگا اور مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم، کیا خوب! خدا کی قسم، کیا خوب! خدا کی قسم، کیا خوب! نور الدین نے ماہی

گیر سے پوچھا کہ تجھے یہ لڑکی پسند ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ہاں۔ نور الدین نے کہا کہ وہ میری طرف سے تیری نذر ہے، ایسے سخی کی نذر جو دے کر واپس نہیں لیتا اور بخشش کر کے لوٹاتا نہیں۔ اب نور الدین اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی چادر لے کر ماہی گیر کی طرف پھینک دی اور کہا کہ لڑکی کو لے کر چلتا ہو۔ لڑکی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے میرے آقا، تو بغیر رخصت ہوئے چلا جا رہا ہے۔ اگر جانا ہی ہے تو ذرا ٹھہر جاتا کہ تجھ سے رخصت ہو لوں اور اپنا حال تجھے سنا دوں۔ یہ کہہ کر وہ یہ اشعار پڑھنے لگی۔

”جب میرے دل میں عشق کی آگ اور تمنا اور افسوس کی آگ بھڑک رہی ہو تو جسم میں کمزوری کے آثار کیوں نہ نمایاں ہوں۔ اے میرے دوستو، یہ مت کہو کہ ہم تمہیں تسلی دیں گے کیونکہ میری حالت ابتر ہے اور میرا درد لا دوا۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کوئی شخص اپنے آنسوؤں میں تیرے تو سب سے پہلے میں اپنے آنسوؤں میں تیرتی۔ تیری محبت میرے دل میں اس طرح مل جل گئی ہے جیسے پیالے میں پانی اور شراب۔ آج وہی جدائی کا دن آ گیا۔ جس سے میں ڈرتی تھی، تیری محبت سے میرے دل و جگر کمزور ہو گئے ہیں۔ اے ابن خاقان، تو میرا مقصد اور تو ہی میری آرزو ہے اور تیری محبت میرے دل میں ہمیشہ کے لیے جاگزیں ہو گئی ہے۔ تو نے میرے متعلق ہمارے آقا اور سردار کی نافرمانی کی ہے اور وطن کو چھوڑ کر یہاں آ پڑا ہے۔ خدا کرے کہ میرا آقا مجھے چھوڑ کر پریشان نہ ہو! تو نے مجھے ایک سخی اور ممدوح کے حوالے کیا ہے۔“

جب وہ یہ اشعار پڑھ چکی تو نور الدین نے ان اشعار میں اس کا جواب دیا:

”وہ مجھ سے جدائی کے روز رخصت ہوئی اور مارے اشتیاق کے رو رو کر یہ کہتی تھی کہ میری جدائی کے بعد تو کیا کرے گا؟ میں نے اس سے کہا کہ یہ تو اس سے پوچھ جو تیرے بعد زندہ رہے۔“

جب خلیفہ نے اس کے یہ الفاظ سنے کہ تو نے مجھے ایک سخی کے حوالے کیا ہے تو

اس کے دل میں اس کی محبت بڑھ گئی اور اس کے دل پر یہ گراں گزرا کہ دونوں میں جدائی ہو اور وہ لڑکے سے کہنے لگا کہ اے میرے آقا، اس لڑکی نے اپنے اشعار میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ تو نے اس کے آقا کی نافرمانی کی ہے اور اس کے مالک کی۔ بیان کر کہ تو نے کس کی نافرمانی کی اور کون تیرے پیچھے لگا ہوا ہے؟ نور الدین نے کہا کہ اے ماہی گیر، میرا اور اس لڑکی کا عجیب و غریب ماجرا ہے، اگر اسے سوئوں سے آنکھوں کے گوشے پر لکھا جائے تو اس سے عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کریں گے۔ خلیفہ نے کہا کہ ہم سے اپنا ماجرا بیان کر اور ہمیں اپنا قصہ سنا، تعجب نہیں کہ یہ تیری خوشی کا باعث ہو! کیونکہ خدا کی طرف سے خوشی جلد آنے والی ہے۔ اور پر نور الدین نے اپنا سر نیچا کر کے سارا قصہ بیان کر دیا اور دہرانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ جب وہ اپنا قصہ سنا چکا تو خلیفہ نے کہا کہ اے میرے آقا، نور الدین، اپنی حالت اور زیادہ تفصیلی کے ساتھ سنا۔ جب خلیفہ کو اس کا سارا حال شروع سے آخر تک معلوم ہو گیا تو اس نے پوچھا کہ اب تیرا قصد یہاں سے کہاں جانے کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں تجھے سلطان محمد بن سلیمان الزینی کے نام ایک خط دیتا ہوں، جب وہ اسے پڑھے گا تو پھر وہ تجھے تکلیف اور اذیت نہ پہنچائے گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• اڑتیسویں رات

جب اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب خلیفہ نے نور الدین سے کہا کہ میں سلطان محمد بن سلیمان الزینی کے نام ایک خط دیتا ہوں جو وہ اسے پڑھے گا تو پھر وہ تجھے تکلیف اور اذیت نہ پہنچائے گا تو نور الدین نے کہا کہ دنیا میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ماہی گیر بادشاہوں سے خط و کتابت کریں، یہ ناممکن بات ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے لیکن اس کا ایک خاص سبب ہے۔ ہم دونوں نے ایک ہی مکتب میں اور ایک ہی ملا سے پڑھا ہے اور میں مکتب کا ناظم تھا۔ اس کے بعد قسمت نے اس کی یادری کی اور وہ والی ہو گیا اور خدا نے مجھے گرا کر ماہی گیر بنا دیا۔ مگر جب کبھی میں نے اس سے کوئی درخواست کی ہے تو اس نے وہ پوری کی ہے اور اگر میں اس سے ہر روز ہزار درخواستیں بھی کروں تو وہ پوری کرے گا۔ جب نور الدین نے یہ سنا تو کہا کہ بہت خوب لکھ۔ میں دیکھوں تو سہی۔ اس نے قلم دوات لی اور بسم اللہ کے بعد لکھا: یہ خط ہاروں الرشید بن المہدی کی طرف سے محمد بن سلیمان الزینی کے نام ہے جس پر میں نے یہ احسان کیا ہے کہ اس کو ایک پورے صوبے کا والی بنایا۔ یہ خط میں تیرے پاس نور الدین علی ابن خاقان الوزیر کے ہاتھ بھیجتا ہوں۔ اس خط کے پہنچتے ہی تو حکومت سے دست بردار ہو جائیو اور اس کو والی بنا دیجیو اور میرے حکم کی نافرمانی مت کیجیو۔ والسلام" یہ خط لکھ کر اس نے نور الدین کو دے دیا۔ نور الدین نے اسے لے کر بوسہ دیا اور اپنی پگڑی میں رکھ کر فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔

یہ نور الدین کا قصہ ہوا۔ اب خلیفہ کا حال سنئے۔ وہ ماہی گیروں کے بھیس میں تو تھا ہی۔ شیخ ابراہیم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے ذلیل ترین ماہی گیر، تو ہمارے لیے دو مچھلیاں لایا جن کی قیمت دس درہم ہوتی ہے اور اس کے عوض میں تجھے تین

دینار ملے، اب تو چاہتا ہے کہ لڑکی کو بھی لے جائے۔ جب خلیفہ نے اس کی باتیں سنیں تو اسے ڈانٹا اور سرور کی طرف اشارہ کیا۔ سرور پردے سے نکل کر اس کی طرف دوڑا۔ اس اثنا میں جعفر نے باغ کے پیادوں میں سے ایک شخص کو شاہی محل کے دربان کے پاس بھیجا تھا کہ وہ جا کر اس سے بادشاہ کی پوشاک لے آئے۔ وہ شخص جا کر پوشاک لے آیا اور آکر خلیفہ کے آگے زمین پر بوسہ دیا۔ خلیفہ نے وہ کپڑے جو وہ پہنے ہوئے تھا، اتار کر اس کے ہاتھ میں تھما دیئے اور پوشاک پہن لی۔ شیخ ابراہیم کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور خلیفہ اس کے سامنے کھڑا دیکھ رہا تھا کہ اب کیا ہوتا ہے، اور اس نے دیکھا کہ شیخ گھبرا گیا اور اس کے حواس جاتے رہے۔ اور وہ دانتوں سے اپنی انگلیاں کاٹنے لگا اور اس نے کہا کہ یا اللہ، میں سو رہا ہوں یا بیدار ہوں! خلیفہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے شیخ ابراہیم، اس وقت تیری کیا حالت ہو رہی ہے؟ یہ سن کر اس کا نشہ ہرن ہو گیا اور وہ زمین پر گر پڑا اور معافی مانگنے لگا۔ خلیفہ نے اسے معاف کر دیا اور حکم دیا کہ لڑکی کو محل میں پہنچا دیا جائے۔ جو وہ محل میں پہنچی تو خلیفہ نے اس کے لیے محل کا ایک حصہ خالی کرا دیا اور اس کی خدمت کے لیے نوکر چاکر مقرر کر دیئے اور اس سے کہا کہ میں نے تیرے آقا کو والی بنا کر بھرے بھیج دیا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک خلعت روانہ کروں گا اور تجھے اس کے پاس بھیج دوں گا۔

یہ تو ان لوگوں کا ماجرا ہوا۔ اب نور الدین علی ابن خاقان کا قصہ سنئے۔ وہ وہاں سے چل کر بھرے گیا اور سلطان کے محل میں پہنچا اور بلند آواز سے پکارا۔ بادشاہ نے اس کی آواز سنی اور اسے بلا لیا۔ جب وہ اس کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے زمین کو بوسہ دیا اور خط نکال کر اس کے سامنے پیش کیا۔ جوں ہی اس نے دیکھا کہ سرنامہ امیرالمومنین کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے تو وہ سروقد کھڑا ہو گیا اور خط کو تین بار بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ بسرو چشم، میں پہلے خدا کا اور پھر امیرالمومنین کا فرمانبردار ہوں۔ اس کے بعد اس نے چار قاضیوں اور امراء کو بلایا اور چاہتا تھا کہ حکومت سے دست بردار

ہو جائے کہ اتنے میں اس کا وزیر معین بن ساویٰ پہنچا اور سلطان نے اسے وہ خط دے دیا۔ اس نے پڑھا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے منہ پر ڈال لیا اور چبا کر تھوک دیا۔ سلطان نے غصے میں آکر اس سے کہا کہ تف ہو تجھ پر! تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے جواب دیا کہ اے ہمارے آقا سلطان، تیری جان کی قسم، یہ شخص نہ خلیفہ سے ملا ہے اور نہ اس کے وزیر سے بلکہ محض دھوکے باز ہے، شیطان ہے، مکار ہے۔ اس کے ہاتھ خلیفہ کا ایک جعلی خط لگ گیا ہے اور وہ اس سے اپنا مطلب نکالنا چاہتا ہے۔ خلیفہ نے اسے ہرگز نہیں بھیجا ہے اور نہ وہ تجھ کو حکومت سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے اور نہ اس شخص کے پاس شاہی خط ہے اور نہ فرمان، بلکہ وہ ہرگز ہرگز خلیفہ کے پاس سے نہیں آیا ہے۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو وہ اس کے ساتھ کوئی حاجب یا وزیر ضرور بھیجتا۔ لیکن وہ تنہا آیا ہے۔ حاکم نے پوچھا تو پھر کیا کرنا چاہتا؟ وزیر نے کہا کہ اس جوان کو میرے ساتھ کر دے اور میں اسے تیرے پاس سے لے جا کر ایک حاجب کے ہمراہ بغداد بھیجتا ہوں۔ اگر وہ سچا ہے تو ہمارے پاس بادشاہی خط اور پروانہ لے آئے گا اور اگر نہ لایا تو میں اس سے بدلہ لوں گا کیونکہ یہ میرا مجرم ہے۔

جب حاکم نے وزیر معین بن ساویٰ کی باتیں سنیں تو کہا کہ اچھا اسے لے جا۔ وزیر اسے لے کر اپنے گھر گیا اور غلاموں کو بلایا اور انہوں نے اسے زمین پر لٹا کر یہاں تک مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ پھر وہ اس کے پاؤں میں بھاری بیڑیاں ڈال کر قید خانے لے گئے۔ وزیر نے قید خانے کے داروغہ کو بلایا۔ اس نے آکر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اس داروغہ کا نام قطیط تھا۔ وزیر نے اس سے کہا کہ ”قطیط“ میں چاہتا ہوں کہ تو اسے لے جا کر قید خانے کی ایک کالی کوٹھری میں بند کر دے اور دن رات اسے سزا دیا کرے۔“ داروغہ نے کہا کہ بسرو چشم اور اسے قید خانے لے گیا اور اندر سے قفل ڈال دیا اور ایک چوکی صاف کرا کے جو دروازے کے پیچھے تھی اس پر ایک گدا اور قالین بچھوایا اور نور الدین کو بٹھا کر اس کی بیڑیاں کھول دیں اور

اسے اچھی طرح سے رکھا۔ وزیر ہر روز داروغہ کے پاس حکم بھیجتا کہ وہ اسے مارے مگر وہ مارنے سے باز رہتا۔ سلطان نے اسے دیکھا تو وہ اسے بہت پسند آیا اور اس نے اس کے بارے میں وزیروں سے مشورہ کیا۔ بعضوں نے کہا کہ ہو نہ ہو، یہ ہدیہ نئے سلطان کے لیے ہے۔ وزیر معین بن ساوی نے کہا کہ بہتر تھا اگر وہ آتے ہی قتل کر دیا گیا ہوتا! سلطان نے کہا کہ تو نے خوب یاد دلایا! اس کو یہاں لا کر اس کی گردن اڑا دے۔ وزیر نے جواب دیا کہ بسرو چشم، اور اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ شہر میں ڈھنڈورا پڑا دوں کہ جو کوئی نور الدین علی بن خاقان کی گردن زدنی کا تماشا دیکھنا چاہتا ہو، وہ محل کے پاس آئے۔ یہ سن کر چھوٹے بڑے تماشا دیکھنے آئیں گے اور میرا دل ٹھنڈا ہو گا اور میرے دشمن منہ کی کھائیں گے۔ سلطان نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے کر۔ وزیر خوش خوش وہاں سے روانہ ہوا اور شہر کے حاکم کے پاس جا کر کہا کہ ڈھنڈورا پڑا دے۔

جب لوگوں نے ڈھنڈورا سنا تو سب کے سب غمزہ ہو گئے اور رونے پینے لگے۔ حتیٰ کہ مکتب کے بچے اور دوکانوں کے دوکاندار تک، اور لوگوں نے آ آ کر بہت پہلے سے جگہیں گھیر لیں تاکہ وہاں سے تماشا دیکھیں اور بعض تو قید خانے پہنچے تاکہ اس کے ساتھ ساتھ آئیں، اور وزیر بھی دس غلاموں کو لیکر قید خانے پہنچا۔ قطیط نے پوچھا کہ اے ہمارے آقا، وزیر کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس حرامزادے کو حاضر کر۔ داروغہ نے کہا کہ میں نے مارتے مارتے اس کا برا حال کر دیا ہے۔ اب داروغہ نے اندر جا کر اس کے عمدہ کپڑے اتار ڈالے اور اسے ایک جوڑا سیلے کپڑے پہنا کر وزیر کے پاس لے گیا۔ نور الدین نے دیکھا کہ اب وہ اپنے دشمن کے پاس ہے جو اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو رونے لگا اور وزیر سے کہا کہ کیا تو زمانے کے ہاتھ سے بچ جائے گا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اے علی، کیا یہ باتیں تو میرے ڈرانے کے لیے کرتا ہے؟ آج میں بھرے والوں کی مرضی کے خلاف تیری گردن مار ڈالوں گا اور مجھے اس کی بالکل پروا نہیں کہ زمانہ میرے

ساتھ کیا کرے اور تیرے مشورے کو میں بالکل دھیان میں نہیں لانے کا۔ اب وزیر نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اسے خچر پر بٹھائیں۔ غلاموں پر یہ بات سخت گزری اور انہوں نے نور الدین سے کہا کہ ہمیں اجازت دے کہ ہم اسے زمین پر پٹک کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ نور الدین نے کہا کہ ایسا ہرگز مت کرنا۔

اب نور الدین پر ڈھنڈورا بٹنے لگا کہ یہ کم سے کم سزا اس شخص کی ہے جو بادشاہوں پر بہتان لگاتا ہے اور لوگ اسے بھرے میں پھرانے لگے اور پھرا کر محل کے جھروکے کے نیچے لے آئے اور اسے خونیں چمڑے سے لٹکا دیا اور جلا دیا آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا! میں محض غلام ہوں اور اس کام پر مامور کیا گیا ہوں۔ اگر کوئی تیری خواہش ہو تو کہہ تاکہ میں پورا کر دوں کیونکہ اب تیری زندگی اسی وقت تک ہے جب تک سلطان جھروکے سے منہ نہ نکالے۔ یہ سن کر نور الدین دہنے اور بائیں اور آگے اور پیچھے دیکھنے لگا اور دیکھا کہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور جلا دیا جا کر اس کے لیے ایک گھونٹ پانی لایا اور اس کے سامنے پیش کیا۔ یہ دیکھ کر وزیر اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک ہاتھ مار کر پانی کے کوزے کو توڑ ڈالا اور جلا دیا سے ڈانٹ کر کہا کہ اس کی گردن اڑا دے۔ اب جلا دیا نے نور الدین کی دونوں آنکھوں پر پٹی باندھی اور لوگوں نے وزیر پر شور مچانا شروع کر دیا اور مجمع میں رونا پیٹنا مچ گیا اور ایک دوسرے سے سوال پر سوال ہونے لگے۔

اب وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک گرد اٹھی چلی آ رہی ہے اور غبار سے ہوا بھر گئی ہے۔ جب سلطان نے اپنے محل میں سے یہ دیکھا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ دیکھو! کیا بات ہے۔ وزیر نے کہا کہ پہلے ہم اس کی گردن اڑا دیں۔ سلطان نے کہا کہ خبر آنے تک ٹھہر جا۔ یہ غبار خلیفہ کے وزیر جعفر برکی اور اس کے ساتھیوں کا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ تیس دن تک خلیفہ کو نور الدین کی کچھ خبر نہ ملی تھی اور کسی سے بھی اس کا حال معلوم نہ ہوا تھا یہاں تک کہ ایک دن وہ انیس الجلیس کے کمرے کے پاس سے گزرا اور دیکھا کہ وہ رو رہی ہے۔ خلیفہ دروانہ کھول کر اندر داخل ہوا

اور انیس الجلیس کو روتے ہوئے پایا۔ جب اس نے خلیفہ کو دیکھا تو وہ زمین پر گر پڑی اور تین بار اس کے پاؤں چومے۔ خلیفہ نے کہا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہی کنیز ہوں جسے علی ابن خاقان نے تجھ کو ہدیے میں دیا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ تو اپنا وعدہ پورا کرے جو تو نے مجھ سے کیا تھا کہ تو مجھے خلعت کے ساتھ اس کے پاس بھیج دے گا۔ آج تیس دن ہوتے ہیں کہ میں نے نیند کا مزہ بالکل نہیں چکھا۔

یہ سن کر خلیفہ نے جعفر برکی کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ اے جعفر تیس دن سے علی بن خاقان کی کوئی خبر نہیں آئی ہے اور میرا خیال ہے کہ سلطان نے اسے قتل کر دیا ہے لیکن مجھے اپنے سر کی اور اپنے آباؤ اجداد کی مٹی کی قسم، اگر اس کے ساتھ کوئی بری بات پیش آئی تو میں اس کے مرتکب کو بے تباہ کئے نہ چھوڑوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو ابھی بصرے جا کر خبر لا کہ ملک محمد بن سلیمان الزینی نے علی ابن خاقان کے ساتھ کیا کیا اور اس سے کہا کہ اگر آنے جانے سے زیادہ تو نے دیر لگائی تو تیری گردن اڑا دوں گا۔ تو میرے بھائی سے نور الدین علی بن خاقان کا قصہ بیان کیجیو اور یہ کہ میں نے اسے اپنا خط دے کر بھیجا تھا اور اے میرے بھائی، اگر تو دیکھے کہ سلطان نے میرے حکم کے خلاف کوئی حرکت اس کے ساتھ کی ہے تو اسے وزیر معین بن ساوئی کو جس طرح وہ بیٹھے ہوں، لے آؤ اور راہ کے سفر سے زیادہ دیر نہ لگائیو۔ جعفر نے کہا کہ بسرو چشم اور فوراً سفر کی تیاری کر کے چل دیا یہاں تک کہ بصرے پہنچا۔ مگر اس کے بصرے پہنچنے سے پہلے محمد بن سلیمان الزینی کو اس کے آنے کی خبر معلوم ہو چکی تھی۔ جب جعفر وہاں پہنچا اور شور و غل اور بھیڑ دیکھی تو اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ بھیڑ کیسی ہے؟ انہوں نے نور الدین علی بن خاقان کا سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سن کر جعفر بہت تیزی سے سلطان کے پاس پہنچا اور اسے سلام کر کے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور یہ کہ اگر علی بن خاقان کا ذرا بھی بال بیکا ہوا تو خلیفہ اس کے مرتکب کو تباہ کر ڈالے گا۔

یہ کہہ کر اس نے سلطان اور وزیر معین بن ساوی دونوں کو گرفتار کر لیا اور حکم دیا کہ نور الدین کو رہا کر دیا جائے اور اسے سلطان محمد بن سلیمان الزینی کی جگہ سلطان بنا کر بٹھا دیا اور تین دن تک جو ضیافت کی مدت ہے، بھرے میں ٹھہرا رہا۔ جب چوتھا دن ہوا تو علی ابن خاقان نے جعفر سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں امیرالمومنین کی زیارت کا مشتاق ہوں۔ جعفر نے محمد بن سلیمان الزینی سے کہا کہ سفر کی تیاری کر کیونکہ ہم نماز پڑھ کر بغداد کے لیے سوار ہو جائیں گے۔ اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ اب وہ نماز پڑھ کر سب کے سب چل دیئے اور وزیر معین بن ساوی ان کے ساتھ تھا اور اپنے کئے پر سخت پشیمان تھا۔

نور الدین علی ابن خاقان جعفر کے پہلو بہ پہلو گھوڑے پر سوار تھا۔ چلتے چلتے وہ دارالسلام بغداد پہنچے اور خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے اس سے نور الدین کا قصہ بیان کیا اور یہ کہ انہوں نے اس کو مرنے کے قریب دیکھا۔ یہ سن کر خلیفہ نے علی بن خاقان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ یہ تلوار لے اور اس سے دشمن کی گردن اڑا دے۔ وہ تلوار لے کر معین بن ساوی کی طرف بڑھا۔ معین نے کہا کہ میں نے اپنی فطرت کے موافق عمل کیا ہے، تو اپنی فطرت کے موافق عمل کر۔ نور الدین نے تلوار اپنے ہاتھ سے پھینک دی اور خلیفہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اے امیرالمومنین، اس نے اپنی باتوں سے مجھے فریفتہ کر لیا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ اچھا تو اسے مت مار، اور سرور سے کہا کہ اے سرور، تو اٹھ اور اس کی گردن اڑا دے۔ سرور اٹھا اور اس نے اس کی گردن اڑا دی۔

اب خلیفہ نے علی ابن خاقان سے کہا کہ جو تو چاہے مجھ سے مانگ۔ اس نے جواب دیا کہ اے میرے سردار، مجھے بھرے کی حکومت کی ضرورت نہیں بلکہ میری تمنا ہے کہ میں تیری خدمت سے ممتاز ہوں اور تجھے دیکھا کروں۔ خلیفہ نے کہا کہ بسرو چشم، اب خلیفہ نے لڑکی کو بلایا اور جب وہ آئی تو اس نے ان کے ساتھ انعام و اکرام کیا اور بغداد کے محلوں میں سے ایک محل ان کے رہنے کے لیے دیا اور ان کے لیے

روزینہ مقرر کیا اور نور الدین کو اپنا ہم پیالہ بنایا، اور مرتے دم تک انہوں نے عیش و عشرت سے زندگی گزاری لیکن یہ کہانی سوداگر اور اس کی اولاد کی کہانی سے زیادہ عجیب و غریب نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا ہے؟

○ غانم بن ایوب کی کہانی

اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- پرانے زمانے میں ایک سوداگر تھا۔ اس کے پاس بہت دولت تھی اور اس کا ایک لڑکا تھا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبرو تھا اور اس کی گفتگو بہت پیاری تھی۔ اس کا نام غانم بن ایوب اور لقب سودائی اور عشق کا قاتل تھا۔ اس کی ایک بہن تھی، جس کا نام فتنہ تھا اور جو حسن و جمال میں یکتا تھی۔ جب ان کے باپ کا انتقال ہوا تو اس نے ان کے لیے بہت دولت ترکے میں چھوڑی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• انتالیسویں رات

جب انتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ اس سوداگر نے ان کے لیے بے حد مال چھوڑا۔ منجملہ اس کے سو گٹھے ریشم اور دیباچ کے اور بہت سے نانے مشک کے اور گٹھوں کے اوپر لکھا تھا کہ یہ بغداد کے لیے مخصوص ہیں اور یہی اس کا ارادہ تھا کہ بغداد کا سفر کرے۔ جب اس کا انتقال ہو گیا اور اس پر ایک زمانہ گزر گیا تو اس کے بیٹے نے گٹھے لے کر بغداد کا سفر کیا اور یہ زمانہ خلیفہ ہارون الرشید کا تھا۔ روانگی سے پیشتر وہ اپنی ماں اور عزیز و اقارب اور شر والوں سے رخصت ہوا اور خدا پر بھروسہ کر کے چل پڑا۔ خدا نے اس کی تقدیر میں سلامتی لکھی تھی اور وہ بغداد پہنچ گیا اور راہ میں اس کے ساتھ کئی اور سوداگر تھے۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک خوبصورت مکان کرائے پر لیا اور اس میں قالین بچھائے اور تکتے لگائے اور پردے لٹکائے اور ان گٹھوں اور نچروں اور اونٹوں کو وہاں اتارا اور کچھ روز وہاں رہ کر آرام کیا اور سوداگر اور بغداد کے دوسرے بڑے بڑے لوگ اس کے سلام کو آئے۔ اب اس نے ایک بقیچہ لیا جس میں دس تھان نفیس کپڑوں کے تھے اور جن پر دام پڑے ہوئے تھے اور انہیں لے کر سوداگروں کے بازار میں پہنچا۔ انہوں نے اس کی آؤ بھگت کی اور آداب بجا لائے اور اس کا احترام کیا اور اسے اتار کر بازار کے چودھری کی دوکان پر بٹھایا۔ اس نے چودھری کو وہ بقیچہ دیا اور اس نے اس میں سے تھان نکال کر بیچے اور ہر دینار پر دو دینار کا فائدہ ہوا۔ اس پر غانم بہت خوش ہوا اور کپڑوں اور تھانوں کو ایک ایک کر کے بیچنے لگا۔ یہ دستور پورے ایک سال تک رہا۔ دوسرے سال کے شروع میں جب وہ قیصریہ آیا جو بازار کے اندر ہے تو دیکھا کہ اس کا دروانہ بند ہے۔ سبب پوچھنے پر لوگوں نے کہا کہ ایک سوداگر کا انتقال ہو گیا ہے اور تمام دوسرے سوداگر اس کے جنازے میں گئے ہوئے ہیں، تو بھی ان کے ساتھ جا کر ثواب حاصل کر۔ اس

نے جواب دیا کہ بہت خوب، اور پوچھا کہ جناہ کہاں ہے؟ لوگ اسے جنازے کی جگہ لے گئے اور وضو کر کے سوداگروں کے ساتھ ساتھ ہو لیا یہاں تک کہ وہ مسجد پہنچے اور جنازے کی نماز پڑھی۔ اب تمام سوداگر جنازے کے آگے آگے قبرستان چلے اور شرم کی وجہ سے غانم بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اب وہ جنازے کو لے کر بغداد سے باہر چلے اور قبروں کے بیچ میں سے وہتے ہوئے دفن کی جگہ پہنچے۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ میت والوں نے قبر کے اوپر خیمہ لگا رکھا ہے اور موم بتیاں اور قندیلیں لا کر رکھی ہیں۔ انہوں نے میت کو دفن کیا اور قاری قرآن پڑھنے قبر پر بیٹھ گئے اور تمام سوداگر بھی بیٹھ گئے اور ان کے ساتھ غانم بن ایوب بھی، کیونکہ شرم و حیا اس پر غالب تھی اور وہ اپنے دل میں کہتا تھا کہ میں ان کو چھوڑ کر جا نہیں سکتا، انہیں کے ساتھ جاؤں گا۔ وہ لوگ عشاء کے وقت تک بیٹھے قرآن سنا کئے اور اس کے بعد ان کے سامنے رات کا کھانا اور شرینی پیش کی گئی اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور ہاتھ دھو کر پھر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

غانم کا دل اپنے مکان اور مال میں لگا ہوا تھا اور اسے چوروں کا ڈر تھا اور وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا میں پردیسی ہوں اور لوگ جانتے ہیں کہ میرے پاس مال ہے۔ اگر میں آج رات گھر سے دور رہا تو چور گھر میں سے مال اور گٹھے چرا کر لے جائیں گے۔ اس ڈر سے وہ اٹھا اور لوگوں سے علیحدہ ہو کر ان سے اجازت مانگی کہ مجھے ایک ضرورت درپیش ہے۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا اور راہ کی ٹوہ لگاتے لگاتے شہر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ یہ آدھی رات کا وقت تھا اور اس نے دیکھا کہ شہر کا دروانہ بند ہو چکا ہے اور نہ کوئی آ رہا ہے نہ جا رہا ہے اور سوائے کتوں کے بھونکنے اور بھیڑوں کے چلانے کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ وہ لوٹ پڑا اور کہنے لگا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ! میں اپنے مال کے ڈر کے مارے وہاں سے چلا آیا لیکن یہاں دروانہ بند نکلا اور اب مجھے اپنی جان کا بھی ڈر لگ رہا ہے۔ وہ پیچھے لوٹ کر دیکھنے لگا کہ شاید اسے کوئی جگہ ایسی مل جائے، جہاں وہ رات کٹ سکے اور اسے ایک مقبرہ دکھائی دیا جس کے گرد چار دیواری تھی

اور اندر ایک کھجور کا درخت تھا ور اس کا دروانہ جو پتھر کا تھا، کھلا ہوا تھا۔ وہ اس کے اندر گیا اور ارادہ کیا کہ سو جائے لیکن اسے نیند نہ آئی بلکہ اسے وہاں ڈر لگتا تھا ور وحشت ہوتی تھی کیونکہ چاروں طرف قبریں ہی قبریں تھیں۔ اب وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دروانہ کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تو اسے دور سے ایک روشنی دکھائی دی جو کہ شہر کے دروازے کی طرف سے آ رہی تھی۔ وہ ذرا آگے بڑھا تو دیکھا کہ روشنی اسی راستے پر ہے جو اس مقبرے کو آتا ہے جس میں کہ وہ ہے۔ اب غانم کو اپنی جان کا ڈر لگا اور فوراً دروانہ بند کر کے کھجور کے درخت پر چڑھ گیا اور اپنے دل میں سوچنے لگا اور دیکھا کہ روشنی آہستہ آہستہ مقبرے کے قریب آ رہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس تک پہنچ گئی۔ اس نے روشنی کی طرف غور کیا تو تین حبشیوں کو دیکھا جن میں دو کے سر پر ایک صندوق تھا اور تیسرے کے ہاتھ میں چراغ اور بیلچہ۔ جب وہ مقبرے کے پاس پہنچے تو ان دونوں حبشیوں میں سے جن کے سر کے اوپر صندوق تھا ایک نے کہا کہ اے صواب، یہ کیا بات ہے! دوسرے حبشی نے کہا کہ اے کافور، یہ کیا بات ہے! کیا عشاء کے وقت جب ہم یہاں تھے تو ہم نے دروانہ کھلا ہوا نہیں چھوڑا تھا؟ دوسرے نے جواب دیا کہ تو سچ کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اب وہ بند ہے اور دونوں پاٹ ملے ہوئے ہیں۔ تیسرے نے جو بیلچہ اور روشنی لیے ہوئے تھا اور جس کا نام نجیت تھا کہا کہ تم کیسے کم عقل ہو! تمہیں معلوم نہیں کہ بغداد کی نرم جگہ کے رہنے والے یہاں سیر کرنے آتے ہیں اور جب رات ہو جاتی ہے تو یہاں اندر آکر دروانہ بند کر لیتے ہیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری طرح حبشی ان کو پکڑ لیں اور تل کر کھا جائیں۔ انہوں نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے لیکن ہم میں سے کوئی تجھ سے زیادہ کم عقل نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ تم اس وقت مجھے سچا جانو گے جب ہم مقبرے میں جائیں اور دیکھیں کہ واقعی وہاں کوئی شخص موجود ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ جب اس نے ہمارے ساتھ روشنی دیکھی تو ہمارے ڈر کے مارے کھجور کے درخت پر چڑھ

گی۔

جب غلام نے غلام کی باتیں سنیں تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ اے ملعون ترین غلام، خدا تجھے اور تیری عقل و معرفت کو رسوا کرے!

لاحول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم! میرے پاس ہے کیا جس کی وجہ سے ان حبشیوں سے چھٹکارا ملے۔ اب صندوق لادنے والوں نے اس سے کہا جس کے پاس بیلچہ تھا کہ اے نجیت، دیوار پر چڑھ کر اندر سے دروانہ کھول کیونکہ ہم صندوق کو گردن پر لادے لادے تھک گئے ہیں۔ اگر تو ہمارے لیے دروانہ کھول دے گا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جن کو ہم اندر پکڑیں گے، ان میں سے ایک کو تیرے لیے اس خوبی سے تلوں گا کہ اس کی چربی میں سے ایک قطرہ بھی ضائع نہ ہونے پائے گا۔ نجیب نے کہا کہ میں ایک بات سے ڈرتا ہوں جو میری کم عقلی کی وجہ سے میرے خیال میں آئی ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ صندوق کو دروازے کے پیچھے پھینک دیں کیونکہ اس میں ذخیرہ ہے۔ دونوں نے جواب دیا کہ اگر ہم اسے پھینکیں گے تو وہ ٹوٹ جائے گا۔ اس نے ان دونوں سے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ مقبرے کے اندر کہیں چور نہ ہوں جو لوگوں کو قتل کر کے ان کا مال اڑا لاتے ہیں کیونکہ رات کے وقت وہ لوگ ایسی ہی جگہوں پر آکر اپنا مال تقسیم کرتے ہیں۔ دونوں صندوق اٹھانے والوں نے کہا کہ اے کم عقل، ان کی مجال ہے کہ وہ اس مقبرے میں داخل ہو سکیں! یہ کہہ کر ان دونوں نے صندوق اٹھایا اور دیوار پر چڑھ کر اندر اتر گئے اور دروانہ کھول دیا، اور تیسرا حبشی جو نجیت تھا، وہ ان کے پاس چراغ اور بیلچہ اور ایک ٹوکری لیے کھڑا تھا، جس میں کچھ چونا تھا۔ اب وہ دروانہ بند کر کے بیٹھ گئے اور ایک ان میں سے کہنے لگا کہ بھائیو، ہم چلنے اور صندوق کو اٹھانے بٹھانے اور دروانہ کو کھولنے بند کرنے کی وجہ سے تھک گئے ہیں اور اب آدھی رات ہو چکی ہے اور ہم میں اتنی جان نہیں کہ مقبرے کو کھود کر صندوق کو گاڑیں۔ اس لیے آؤ، ذرا تین گھنٹے آرام کر لیں، اس کے بعد اٹھ کر

اپنا کام کر لیں گے، اب ہم میں سے کوئی ایک اپنی سرگزشت بیان کرے۔

○ کافور اور اس کے خصی ہونے کی کہانی

کافور غلام نے کہا کہ اے بھائیو، بچپن میں جبکہ میری عمر آٹھ سال کی تھی۔ میں بردہ فروشوں سے ہر سال ایک جھوٹ بولتا تھا مگر ایسا کہ وہ ایک دوسرے سے لڑ پڑتے تھے۔ اس پر میرا بردہ فروش مجھ سے بہت ناراض ہوا اور مجھے دلال کے سپرد کر کے اس سے کہا کہ بولی لگا کہ اس غلام کو باوجود اس کے عیب کے کون خریدنا چاہتا ہے؟ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا عیب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہر سال ایک جھوٹ بولتا ہے۔ یہ سن کر ایک سوداگر دلال کی طرف بڑھا اور کہا کہ اس عیب کی بنا پر اس کے کیا دام لگتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ چھ سو درہم۔ سوداگر نے کہا کہ اور تیرا حق بیس درہم۔ جب اس کے اور بردہ فروش کے درمیان فیصلہ ہو گیا اور بردہ فروش نے اس سے درہم لے لیے تو دلال نے مجھے اس سوداگر کے گھر پہنچایا اور اپنی دلالی لے کر واپس چلا گیا۔ سوداگر نے مجھے مناسب کپڑے پہنائے اور سال بھر تک میں اس کی خدمت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ دوسرے سال کا چاند بخیر و خوبی نکلا۔ یہ سال مبارک سال تھا اور کھیتی کی افراط تھی۔ اس لیے سوداگر ہر روز دعوت کرتے اور ہر روز ایک ایک کی باری ہوتی یہاں تک کہ میرے مالک کی باری آئی اور دعوت کے لیے شہر سے باہر ایک باغ مقرر کیا گیا۔ میرے مالک نے کھانے پینے کا سامان لیا اور سوداگروں کو ساتھ لے کر باغ کو روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر ان لوگوں نے بیٹھ کر کھانا پینا اور شراب نوشی کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ اب میرے مالک کو گھر سے کسی چیز کے لانے کی ضرورت پڑی اور اس نے مجھ سے کہا کہ اے غلام، خچر پر سوار ہو جا اور اپنی مالکہ سے فلاں چیز لے کر فوراً آ۔

میں اس کا حکم بجا لایا اور گھر گیا۔ جب میں مکان کے قریب پہنچا تو میں چلانے لگا۔

یہ دیکھ کر محلے کے سارے چھوٹے بڑے جمع ہو گئے۔ جب میرے مالک کی بیوی اور اس کی بیٹیوں نے میرا رونا پیٹنا سنا تو انہوں نے دروازہ کھول کر مجھ سے ماجرا پوچھا۔ میں نے کہا کہ میرا آقا اور اس کے ساتھی ایک پرانی دیوار کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ دیوار ان پر آ پڑی۔ جب میں نے یہ ماجرا دیکھا تو میں خچر پر سوار ہو کر فوراً تمہیں خبر دینے آیا ہوں۔ جب مالک کی بیٹیوں اور بیوی نے یہ سنا تو وہ چلانے اور اپنے کپڑے پھاڑنے اور سر پیٹنے لگیں اور محلے والے ان کے پاس آ پہنچے۔ میرے مالک کی بیوی نے مکان کا سارا سامان ایک دوسرے کے اوپر لوٹ دیا اور المایاں خراب کر دیں اور طاق اور جھروکے توڑ ڈالے اور دیواروں کو مٹی اور نیل سے لپ دیا اور مجھ سے کہنے لگی کہ اے کافور، تف ہو تجھ پر، آ کر میری مدد کر اور ان الماریوں کو خراب کر اور ان برتنوں اور چینی کے سامان وغیرہ کو توڑ ڈال۔ میں اس کے پاس گیا اور اس کے ساتھ مل کر المایاں اور جو کچھ الماریوں میں تھا، توڑ ڈالا۔ اب میں چھتوں پر اور تمام کمروں میں گیا اور وہاں جتنے چینی کے برتن وغیرہ پائے، توڑ ڈالے۔ یہاں تک کہ کوئی چیز باقی نہ چھوڑی اور میں چلاتا جاتا کہ ہائے میرے آقا!

اب میری مالکہ منہ کھولے ہوئے اور بالوں پر محض رومال باندھے ہوئے باہر آئی اور اس کے ساتھ اس کے لڑکے، لڑکیاں آئیں اور کہنے لگے کہ ہمارے آگے آگے چل اور ہمیں وہ جگہ دکھا جہاں تیرا آقا دیوار کے نیچے مردہ پڑا ہے تا کہ ہم اسے طبعے کے نیچے سے نکال کر تابوت میں رکھیں اور گھر لے آئیں اور خوبصورتی کے ساتھ اس کا جنازہ نکالیں۔ میں ان کے آگے آگے، ”ہائے میرے آقا“ چلاتا ہوا جاتا تھا اور وہ میرے پیچھے پیچھے منہ کھولے ہوئے اور سر برہنہ آ رہے تھے اور مردے پر ہائے ہائے کر رہے تھے۔ محلے کے سارے مرد اور عورتیں اور بچے اور بوڑھے ہمارے ساتھ تھے اور منہ پیٹ رہے تھے اور روتے جاتے تھے۔ اس حالت میں، میں اس کے ساتھ شہر سے گزر رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اور انہوں نے جو کچھ مجھ سے سنا تھا، بیان کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ۔ ایک شخص نے کہا کہ وہ بڑا شخص

تھا، ہمیں چاہیے کہ جا کر حاکم کو خبر کریں۔ جب وہ حاکم کے پاس پہنچے اور اس کو خبر دی۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی، جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• چالیسویں رات

جب پوری چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ۔ جو وہ لوگ والی کے پاس پہنچے اور اسے خبر کی تو وہ فوراً اٹھ کر سوار ہو گیا اور اپنے ساتھ مزدوروں کو لیا جن کے پاس بیچے اور ٹوکے تھے اور وہ سب کے سب میرے پیچھے ہو لیے۔ اس کے ساتھ بہت سے لوگ تھے اور میں ان کے آگے آگے منہ پر طمانچے مارتا ہوا دایلا کر رہا تھا اور میری مالکہ اور اس کے بال بچے میرے پیچھے رو پیٹ رہے تھے۔ اب میں ان کے آگے آگے دوڑ کر ان سے بہت آگے بڑھتا گیا اور میں چلا جاتا اور سر پر خاک ڈالتا جاتا اور منہ پر طمانچے مارتا جاتا تھا۔ جب میں باغ میں پہنچا اور میرے مالک نے دیکھا کہ میں طمانچے مار مار کر یہ کہہ رہا ہوں کہ ہائے میری مالکہ! ہائے! ہائے! میری مالکہ کے بعد اب کون میرے ساتھ ہمدردی کرے گا! کاش اس کے بجائے میں مر جاتا۔ جب میرے آقا نے مجھے دیکھا تو وہ پریشان ہو گیا اور اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور کہنے لگا کہ اے کافور! تجھے کیا ہوا؟ آخر کیا خبر ہے؟ میں نے جواب دیا کہ جب تو نے مجھے اپنے گھر بھیجا اور میں اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کمرے کی دیوار گری پڑی ہے اور میری مالکہ اور اس کے بچے سب اس کے نیچے دب گئے ہیں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تیری مالکہ بچی نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں خدا کی قسم! اے میرے آقا! ایک بھی نہیں بچا اور سب سے پہلے میری بڑی آقا مری۔ اس نے کہا کہ میری چھوٹی بیٹی بچ گئی؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اور میرے خنجر کا کیا حال ہے؟ جس پر میں سوار ہوتا ہوں؟ وہ تو بچ گیا ہے ناں؟ میں نے کہا کہ اے میرے آقا! خدا کی قسم! وہ بھی نہیں بچا کیونکہ گھر اور اصطبل کی دیواروں نے گر کر مکان کی ہر چیز کو تباہ کر دیا حتیٰ کہ بھیڑوں اور مرغیوں تک کو! اور وہ گوشت کا لوتھڑا ہو کر رہ گئیں اور کتے انہیں کھا گئے اور ایک کا بھی نشان

باقی نہیں رہا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تیرا بڑا آقا تو صحیح سالم ہے؟ میں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! ان میں سے ایک بھی نہیں بچا اور اس وقت نہ مکان کا پتہ ہے اور نہ مکین کا۔ حتیٰ کہ ان کا نشان تک باقی نہیں اور بھیڑوں اور بطنوں اور مرغیوں کو تو بلیوں اور کتوں نے کھا کر ختم کر دیا۔

جب میرے آقا نے میری باتیں سنیں تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور پاؤں تھرانے لگے اور اعضاء شل ہو گئے اور کمر ٹوٹ گئی اور اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور داڑھی نوچ ڈالی اور سر پر سے گپڑی اتار کر پھینک دی اور اپنے منہ پر اتنے طمانچے مارے کہ خون بننے لگا اور وہ چلانے لگا کہ ہائے میری اولاد! ہائے میری بیوی! ہائے میری مصیبت! جو مصیبت مجھ پر آئی وہ کسی پر نہ آئی ہو گی! اس کے رونے پٹینے کی وجہ سے اس کے دوسرے رفیق سوداگر بھی رونے پٹینے لگے اور اس کی حالت پر ان کا دل کڑھنے لگا اور انہوں نے بھی اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اب میرا آقا اس باغ سے نکلا اور وہ اپنی مصیبت کی وجہ سے طمانچے مار رہا تھا اور طمانچوں کی وجہ سے وہ متوالا سا ہو رہا تھا۔

جوں ہی وہ سوداگروں کے ساتھ باغ کے دروازے سے نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ سخت گرد و غبار اٹھ رہا ہے اور لوگ واویلا کر رہے ہیں۔ اب اس نے ان آنے والوں کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ والی اور اس کے ساتھ چلے آ رہے ہیں اور ایک عالم تماشائی ہے اور ان کے پیچھے پیچھے اس کے بال بچے چلا رہے اور واویلا کر رہے ہیں اور رو پیٹ رہے ہیں۔ سب سے پہلے میرے آقا کی نظر اپنی بیوی بچوں پر پڑی۔ ان کو دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور ہنسنے لگا اور ٹھہر گیا اور کہنے لگا کہ تم لوگوں کا کیا حال ہے؟ اور تم پر گھر میں کیا گزری؟ اور تمہاری سرگزشت کیا ہے؟ جب انہوں نے اس کو دیکھا تو کہنے لگے کہ شکر ہے خدا کا تو صحیح و سالم ہے۔ یہ کہہ کر وہ اس سے لپٹ گئے اور اس کے بچوں نے اسے گلے لگا لیا اور چلانے لگے کہ ہائے ابا جان! خدا کا شکر ہے

کہ تو سلامت ہے، اے ہمارے باپ! اور اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ تو خیریت سے تو ہے! شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں تیرا دیدار سلامتی کے ساتھ کرا دیا اور اسے دیکھ کر وہ سہم گئی اور اس کی عقل جاتی رہی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا تو اور تیرے رفیق سوداگر کس طرح بچ گئے؟ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ گھر میں تمہارے اوپر کیا گزری؟ اس نے جواب دیا کہ ہم سب بخیر و عافیت ہیں اور ہمارے گھر پر بھی کوئی حادثہ نہیں گزرا، سوائے اس کے کہ تیرا غلام کافور بال کھلے اور کپڑے پھٹے ہمارے پاس آیا اور وہ ہائے آقا! آقا! چلا رہا تھا۔ ہم نے کہا کہ اے کافور کیا بات ہے! اس نے جواب دیا کہ باغ کی دیوار میرے آقا اور دوسرے سوداگروں پر جو اس کے ساتھ تھے، آپڑی اور وہ سب کے سب مر گئے۔ اس نے کہا کہ اور ابھی وہ میرے پاس آیا اور چلا چلا کر کہنے لگا کہ ہائے میری آقا اور میری آقا کی اولاد! اور کہنے لگا کہ میری آقا اور اس کی اولاد سب کے سب مر گئے۔

اب اس نے ایک طرف دیکھا تو اس کی نظر میرے اوپر پڑی اور میرے سر پر پگڑی پھٹی ہوئی تھی اور میں چلا رہا تھا اور زار زار رو رہا تھا اور اپنے سر پر خاک ڈالتا جاتا تھا۔ اس نے مجھے بلایا اور جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ کہنے لگا کہ اے منحوس غلام، اے حرام زادے، اے ملعون جنس، یہ تو نے کیا جھوٹ گھڑے ہیں؟ واللہ میں تیری کھال اتاروں گا اور تیرے نکلے بوٹیاں کر ڈالوں گا۔ میں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم، تو میرا کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ تو نے اس شرط سے مجھے خریدا ہے کہ مجھ میں ایک عیب ہے اور جب تو نے میرے عیب کے ساتھ مجھے خریدا تھا تو اس پر گواہوں کی گواہیاں بھی موجود ہیں اور تجھے اس کا علم ہے، اور وہ عیب یہ ہے کہ ہر سال ایک جھوٹ بولتا ہوں۔ یہ تو آدھا جھوٹ تھا، جب سال پورا ہو جائے گا تو میں دوسرا آدھا جھوٹ بولوں گا تا کہ پورا ایک جھوٹ ہو جائے۔ اب اس نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ اے کتے کے پلے، اے منحوس ترین غلام، یہ سارا آدھا جھوٹ ہے جو اتنی بڑی مصیبت لایا! دور ہو میرے سامنے سے! میں تجھے فی سبیل اللہ آزاد کرتا ہوں۔

میں نے جواب دیا کہ تیرے آزاد کرنے سے کیا ہوتا ہے! میں تجھے اس وقت تک آزاد نہ کروں گا جب تک کہ سال پورا نہ ہو جائے اور میں باقی آدھا جھوٹ نہ بول لوں۔ جب میں جھوٹ کو پورا کر لوں تو تو مجھے بازار لے جا کر اسی میرے عیب کی شرط سے بیچ ڈالیو، جس شرط سے تو نے مجھے خریدا ہے۔ مگر مجھے آزاد مت کر کیونکہ میں کوئی دست کاری نہیں جانتا جس سے میں اپنی روزی کما سکوں۔ یہ مسئلہ جو میں تجھ سے بیان کر رہا ہوں شرعی مسئلہ ہے جس کا بیان فقیہوں نے باب العتق میں کیا ہے۔ ہم میں یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ سب لوگ بھیڑ کے بھیڑ اور محلے کے مرد اور عورتیں سب کے سب عزاداری کے لیے پہنچ گئے اور والی مع اپنے ساتھیوں کے بھی آ پہنچا اور میرا آقا اور دوسرے سوداگر اس کے پاس گئے اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور یہ کہ ابھی آدھا جھوٹ ہوا ہے۔ جب انہوں نے اس کی زبانی سنا تو انہوں نے کہا کہ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے اور انہیں اس پر سخت تعجب ہوا اور وہ مجھ پر لعنت بھیجنے اور مجھے برا بھلا کہنے لگا اور میں وہاں کھڑا ہنس رہا اور کہہ رہا تھا کہ میرا آقا کس بنا پر مجھے قتل کرے گا کیونکہ یہ عیب جانتے ہوئے اس نے مجھے خریدا ہے۔

جب میرا آقا گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سب چیزیں ٹوٹی پھوٹی پڑی ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ چیزیں میں نے ہی توڑی تھیں اور ایسی ایسی چیزیں توڑ ڈالی تھیں جو بے حد قیمتی تھیں اور اس کی بیوی نے بھی یہی کیا تھا۔ اب اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ اسی کافور نے برتن اور چینی کا سامان توڑا ہے۔ یہ سن کر مالک اور طیش میں آگیا اور اس نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور کہا کہ واللہ میں نے ایسا حرامی زندگی بھر کبھی نہیں دیکھا جیسا کہ یہ غلام ہے اور اس پر اس کا دعویٰ ہے کہ یہ ابھی آدھا جھوٹ ہوا۔ اگر پورا جھوٹ ہوتا تو دو ایک شہر تباہ ہو جاتے۔ اب مارے طیش کے وہ والی کے پاس گیا اور اس نے مجھے ناشتے میں کوئی ایسی چیز صفائی سے کھلا دی کہ میں بے ہوش ہو گیا اور مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ مجھے اس غشی کی حالت میں چھوڑ کر وہ ایک نائی کو بلا لایا جس نے مجھے خسی کر کے داغ دیا۔ جب میری

آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو طواشی پایا اور میرا آقا مجھ سے کہنے لگا کہ جس طرح تو نے میری عزیز ترین چیزوں پر میرا دل جلایا ہے اسی طرح تیرے عزیز ترین عضو پر میں نے تیرا دل جلایا ہے۔ اب اس نے مجھے لے کر زیادہ قیمت پر بیچ ڈالا کیونکہ میں طواشی ہو چکا تھا اور میں جہاں کہیں بک کر جاتا وہاں فتنہ برپا کرتا۔ اسی طرح میں ایک امیر سے دوسرے امیر کے پاس اور ایک بڑے آدمی سے دوسرے بڑے آدمی کے پاس پہنچا یہاں تک کہ امیر المومنین کے محل میں آیا۔ لیکن اب میرا دل ٹوٹ چکا ہے اور میں ترکیبیں بھول چکا ہوں۔ جو دونوں غلاموں نے اس کی باتیں سنیں تو ہنسنے لگے اور کہا کہ تو پیدائشی گندہ اور پلید ہے اور برے سے برا جھوٹ بول سکتا ہے۔

اب انہوں نے تیسرے غلام سے کہا کہ تو اپنا قصہ بیان کر۔ اس نے جواب دیا کہ اے میرے بھائیو، جو کچھ کافور نے بیان کیا ہے فضول ہے۔ میرا قصہ بڑا لمبا چوڑا ہے اور اس وقت وہ بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اے میرے بھائیو، صبح قریب ہے اور اگر صبح ہونے تک یہ صندوق ہمارے پاس رہا تو ہماری رسوائی ہو گی بلکہ ہماری جان جائے گی لہذا دروانہ کھول دیا، دوسرے دونوں بھی اندر آ گئے اور انہوں نے چار قبروں کے درمیان صندوق کی لمبائی اور چوڑائی کے برابر ایک گڑھا کھودا۔ کافور کھودتا جاتا اور صواب ٹوکری سے مٹی ہٹاتا جاتا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے آدھے قد کے برابر کھودا اور صندوق کو اس کے اندر رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی اور مقبرے سے نکل کر دروانہ بند کیا اور چلتے ہوئے اور غانم بن ایوب کی نظر سے غائب ہو گئے

جب سناٹا ہو گیا اور غانم کو میدان صاف نظر آیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ وہ اکیلا ہے تو وہ یہ سوچنے لگا کہ آخر صندوق میں کیا ہو گا؟ اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ معلوم تو کرنا چاہیے کہ اس صندوق میں کیا ہے۔ تھوڑی دیر وہ ٹھہرا رہا لیکن جب صبح ہوئی اور روشنی پھیلنے لگی تو وہ کھجور کے درخت سے پر سے اترا اور ہاتھوں سے مٹی ہٹانے لگا، یہاں تک کہ مٹی ہٹ گئی اور صندوق نکل آیا۔ اب اس نے ایک بڑا سا پتھر لے کر قفل کو مار مار کر توڑ دیا اور اس کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھا تو اس میں ایک

لڑکی کو پایا جو بھنگ کے اثر سے بے ہوش سو رہی تھی لیکن سانس آتی جاتی تھی اور وہ بے ہوش تھی اور اس کے سونے کے زیور اور جواہرات کے ہار اتنے قیمتی تھے، جتنے کہ کسی سلطان کی ساری بادشاہت اور جن کی قیمت داموں میں ادا نہیں کی جا سکتی۔ جب غانم بن ایوب نے اس کو دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ اسے دھوکا دے کر بھنگ پلا دی گئی ہے جوں ہی اس کو اس بات کا یقین آ گیا تو اسے اس کے علاج کی فکر ہوئی اور اس نے اسے صندوق میں سے نکال کر اس کی پیٹھ پر لٹا دیا۔ جب وہ کھلی ہوا میں آئی اور صاف ہوا اس کے نتھنوں میں داخل ہوئی تو اس نے چھینک لی۔ اس کے بعد وہ اٹھ بیٹھی اور اسے کھانسی آنے لگی اور اس کے حلق میں اقربطشی بھنگ کی اتنی بڑی ٹکیہ نکل پڑی کہ اگر وہ ہاتھ کو بھی سونگھائی جاتی تو وہ ایک رات سے لے کر دوسری رات تک بے ہوش رہتا۔ اب اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور ادھر ادھر نظر دوڑا کر بیٹھی اور فصیح زبان سے کہنے لگی کہ تف ہو تجھے پر اے ہوا! نہ تو تجھ سے پیاسوں کی پیاس بجھ سکتی ہے اور نہ سیروں کی دل جمعی ہو سکتی ہے۔ کہاں ہے زہرا بستان؟ اس پر اسے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیرا اور کہنے لگی کہ اے صبیحہ! اے شجرہ الدرا! اے نور الہدیٰ! اے نجمتہ الصبح تو تو پاک میٹھی اور خوبصورت دنیا میں ہے۔ آخر بولو تو سہی۔ پھر بھی اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اب اس نے اپنی نظر چاروں طرف دوڑائی اور کہا کہ افسوس میری حالت پر! کیا تو نے مجھے قبروں کے درمیان دفن کر دیا؟ اے دلوں کے بھید جاننے والے اور قیامت کے دن جزا و سزا دینے والے کس نے مجھے پردوں اور خیموں سے لا کر یہاں چار قبروں کے بیچ میں رکھ دیا ہے۔

وہ یہ باتیں کر رہی تھی اور غانم چپ چاپ کھڑا ہوا تھا لیکن اب اس نے کہا کہ اے میری آقا! پردوں اور محلوں اور قبروں کا کیا ذکر! یہاں تو سوائے تیرے غلام غانم بن ایوب کے جو تیرا دیوانہ ہے اور کوئی نہیں اور خدا اسے تیری نجات کے لیے یہاں لے

آیا ہے اور اب تیرا انتہائی مقصد حاصل ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ جب سارا معاملہ لڑکی کی سمجھ میں آ گیا تو اس نے کہا اشد ان لا الہ الا اللہ و اشد ان محمد رسول اللہ اور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا اور غانم کی طرف متوجہ ہو کر میٹھی میٹھی زبان سے کہنے لگی کہ اے مبارک جوان مجھے یہاں کون لایا ہے؟ دیکھ اب میں ہوش میں آ گئی ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا، تین خاصی غلام اس صندوق میں رکھ کر تجھے یہاں لائے تھے۔ یہ کہہ کر اس نے لڑکی سے اپنا سارا ماجرا بیان کر دیا اور یہ کہ اس نے رات کس طرح یہاں گزاری۔ یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ بچ گئی ورنہ اس کا دم وہیں گھٹ گیا ہوتا۔

اب غانم نے کہا کہ تو اپنا قصہ سن۔ اس نے کہا کہ اے نوجوان، شکر ہے خدا کا جو مجھے تجھ جیسے کے پاس لے آیا۔ اب فوراً اٹھ کر مجھے پھر اس صندوق میں بند کر دے اور باہر سڑک پر جا اور اگر تجھے کوئی کرائے کے گدھے یا خچر والا ملے تو اسے کرائے پر لے آتا کہ وہ اس صندوق کو لاد کر تیرے گھر پہنچا دے۔ اگر میں تیرے گھر رہی تو اس میں بھلائی ہے اور پھر میں تجھ سے اپنا قصہ بیان کروں گی اور میری وجہ سے تیرا بھلا ہو گا۔ غانم خوش ہو کر مقبرے سے باہر گیا اور دیکھا کہ دن نکل آیا ہے۔ اور چاروں طرف روشنی پھیل گئی ہے اور لوگ نکل کر چلنے پھرنے لگے ہیں۔

وہ ایک خچر والے کو کرائے پر ٹھہر کر مقبرے میں لایا اور صندوق کو اٹھا کر اس پر رکھا اور لڑکی اس صندوق کے اندر تھی اور اس کی محبت غانم کے دل میں گھر کر چکی تھی اور وہ اسے لے کر وہاں سے خوش خوش روانہ ہو گیا، کیونکہ لڑکی دس ہزار دینار سے کم کی نہ تھی اور اس کے کپڑے اور زیور تو اور بھی قیمتی تھے۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ گھر پہنچ کر صندوق اتارے گا اور اسے کھول کر لڑکی کو نکالے گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• اکتالیسویں رات

جب اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب غانم بن ایوب صندوق لے کر اپنے گھر پہنچا تو اس نے اسے کھول کر لڑکی کو اس میں سے نکالا۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور دیکھا کہ وہ مکان ایک خوبصورت محل ہے اور اس میں طرح طرح کے دل خوش کن رنگ کے قالین بچھے ہوئے ہیں اور کپڑوں کے ڈھیر اور گٹھے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر اسے معلوم ہو گیا کہ وہ بڑا سوداگر اور مالدار آدمی ہے۔ اب اس نے اپنا چہرہ کھولا اور اس کی طرف نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ خوبصورت جوان ہے۔ اسے دیکھتے ہی وہ اس پر عاشق ہو گئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا، کھانے کے لیے کوئی چیز لا۔ غانم نے کہا کہ بسرو چشم اور بازار جا کر اس نے ایک تلا ہوا میمنہ اور ایک سینی بھر مٹھائی خریدی اور نقل موم بتیاں اور نبیذ اور دوسری پینے کی چیزیں اور عطریات غرضکیہ جن جن کی ضرورت تھی، انہیں لے کر وہ گھر آیا۔ جب لڑکی نے یہ دیکھا تو وہ مسکرائی اور اس نے اسے بوسے دیئے اور گلے لگایا اور پیاری پیاری باتیں کرنے لگی جس کی وجہ سے غانم کی محبت اس کے ساتھ اور زیادہ ہو گئی اور وہ دل و جان سے اس پر فدا ہو گیا۔ اب دونوں کھانے اور شراب پینے بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ تھے کیونکہ دونوں کا سن ایک تھا اور دونوں ایک دوسرے کی طرح حسین تھے۔ جب رات ہوئی تو غانم بن ایوب اٹھا اور اس نے موم بتیاں اور قندیلیں روشن کر کے مکان کو چراغاں کر دیا۔ اب وہ مئے نوشی کے سامان لایا اور میز لگائی اور دونوں بیٹھ گئے۔ وہ شراب بھر کر اسے پلاتا تھا اور وہ بھر کر اسے پلاتی تھی اور دونوں ہنسی مذاق کرتے اور اشعار پڑھتے تھے۔ ان کی خوشی بڑھتی جاتی اور ایک دوسرے کا عشق زیادہ ہوتا جاتا تھا، پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو ملاتی ہے! یہ ان کی حالت صبح کے قریب تک رہی۔ اب ان پر نیند کا غلبہ

ہوا اور دونوں اپنی اپنی جگہ جا کر سو گئے۔

جب سویرا ہوا تو غانم بن ایوب اٹھ کر بازار گیا اور کھانا پینا اور سبزی اور گوشت اور شراب وغیرہ وغیرہ جن جن چیزوں کی ضرورت تھی، خرید کر گھر لایا اور دونوں کھانے پینے بیٹھ گئے اور اتنا کھایا کہ سیر ہو گئے۔ اس کے بعد وہ شراب لائے اور مئے نوشی اور ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھیں سیاہ اور رخسار سرخ ہو گئے۔ لڑکی کی آنکھ میں نیند بھری ہوئی تھی اور غانم بن ایوب کا جی چاہتا تھا کہ وہ اسے بوسہ دے۔ اس نے کہا کہ اے میری آقا، مجھے اجازت دے کہ میں تیرے منہ کو بوسہ دوں، شاید اس سے میرا دل ٹھنڈا ہو جائے۔ اس نے جواب دیا کہ اے غانم، صبر کر، یہاں تک کہ میں نشے میں بے ہوش ہو جاؤں، اس وقت تو میرا بوسہ چپکے سے لیجیو تا کہ مجھے معلوم نہ ہو کہ تو نے میرا بوسہ لیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ کھڑی ہو گئی اور اپنے کچھ کپڑے اتار ڈالے اور ایک چھوٹی قمیص اور ریشمی سربند پہنے رہی۔ یہ دیکھ کر غانم بے چین ہونے لگا اور اس نے کہا کہ اے میری آقا، جو بات میں نے تجھ سے کہی تھی اس کی مجھے اجازت دے دے۔ اس نے جواب دیا کہ واللہ، یہ بات تجھے نہیں حاصل ہونے کی کیونکہ میرے ازار بند پر ایک سخت جملہ لکھا ہوا ہے۔ یہ سن کر غانم بن ایوب کا دل ٹوٹ گیا اور محبت بڑھ گئی کیونکہ مقصد تک پہنچنے میں اسے دشواری نظر آئی اور اس کے دل کی آگ بھڑک اٹھی۔ ادھر اس کا یہ حال تھا اور ادھر وہ اس کو منع کرتی جاتی اور کہتی تھی کہ تیرے لیے میرا وصال ناممکن ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا تھے اور ساتھ بیٹھ کر شراب پی رہے تھے اور غانم بن ایوب، محبت کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا لیکن لڑکی کی سخت دلی اور ضد بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چھا گیا اور دونوں پر نیند کا پردہ پڑ گیا۔ غانم نے اٹھ کر قدیلیں جلائیں اور موم بتیاں روشن کیں اور اس جگہ کو مع میز کے جھاڑ پونچھ کر صاف کیا۔ اب اس نے لڑکی کی دونوں ٹانگوں کو لے کر بوسہ دیا اور دیکھا کہ وہ تازے مکھن کی طرح ہیں اور اپنا منہ رگڑنے لگا اور اس نے

کہا کہ اے میری آقا، اپنی محبت کے گرفتار اور اپنی آنکھوں کے مارے پر رحم کر کیونکہ اگر میں تجھے نہ دیکھتا تو میرا دل قابو سے باہر نہ ہوتا۔

یہ کہہ کر وہ تھوڑی دیر روتا رہا اور لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا، میری آنکھوں کے نور، خدا کی قسم، میں تجھ پر عاشق ہوں اور تیرا یقین کرتی ہوں لیکن میں جانتی ہوں کہ تجھے میرا وصال حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس نے پوچھا کہ آخر کون سی چیز مانع ہے۔

اس نے جواب دیا کہ میں آج رات تجھ سے اپنا قصہ بیان کروں گی اور تو میری معذرت قبول کر لے گا۔ یہ کہہ کر وہ اس سے لپٹ گئی اور اپنی بانہیں اس کی گردن میں ڈال دیں اور اسے بوسے دینے لگی اور اسے بالکل اپنا گرویدہ بنا لیا اور اس سے

وصال کا وعدہ کیا اور دونوں ہنستے کھیلتے رہے یہاں تک کہ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت نے گھر کر لیا۔ ہر روز ان کی یہی حالت رہتی اور ہر رات وہ ایک ہی فرش پر سوتے لیکن جب وہ وصال کا طالب ہوتا تو وہ اسے ٹال دیتی۔ اس پر ایک مہینہ گزر گیا اور دونوں ایک دوسرے کی محبت سے بے چین ہو گئے اور دونوں میں سے کسی کے دل میں صبر و قرار باقی نہ رہا۔ ایک رات جبکہ دونوں نشے میں سو رہے تھے۔ غانم نے اپنا ہاتھ لڑکی کے جسم کی طرف بڑھایا اور اس پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ہاتھ پھیرتے پھیرتے وہ اپنا ہاتھ اس کے پیٹ پر لے گیا اور پھر پیٹ سے اتر کر ناف تک۔

اب اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنے کپڑے ٹٹولنے لگی اور دیکھا کہ وہ بندھے ہوئے ہیں اور پھر سو گئی۔ اب غانم پھر اس پر ہاتھ پھیرنے لگا اور ہاتھ پھیرتے پھیرتے اس کے ازراہند تک پہنچ گیا اور اس کا ازراہند پکڑ کر کھینچا۔ لڑکی کی آنکھ کھل گئی اور وہ اٹھ بیٹھی اور غانم اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ لڑکی نے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ غانم نے جواب دیا کہ میں تیرے ساتھ ہم بستی چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اب میں اپنی حالت تجھ پر ظاہر کر دینا چاہتی ہوں تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میں کون ہوں اور میرا راز تجھ پر مکمل کھل جائے اور میری معذرت تجھ پر ظاہر

ہو جائے۔ اس نے کہا کہ بہت خوب۔ اب اس نے اپنی قمیص کا دامن پھاڑ کر اپنا ہاتھ اپنے ازرا بند کی طرف بڑھایا اور اس سے کہا کہ اے میرے آقا، جو اس ازرا بند پر لکھا ہوا ہے، اسے پڑھ۔ غانم نے ازرا بند اپنے ہاتھ میں لیا اور دیکھا کہ اس پر سونے کے پانی سے لکھا ہوا ہے۔

”اے نبی کے چچیرے بھائی میں تیری ہوں اور تو میرا۔“

جب غانم نے یہ الفاظ پڑھے تو اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اس سے کہا کہ اپنا ماجرا سنا۔ اس نے جواب دیا کہ بہت خوب، سن۔ میں امیر المومنین کی کنیز ہوں اور میرا نام قوت القلوب ہے اور امیر المومنین نے اپنے محل میں مجھے تربیت دی ہے۔ جب میں بڑی ہوئی اور خلیفہ نے میری خوبیوں اور میرے حسن و جمال کو جو خدا نے مجھے عطا کیا ہے، دیکھا تو اسے مجھ سے محبت ہو گئی اور اس نے مجھے اپنے لیے مخصوص کر لیا اور میرے رہنے کے لیے حرم سرا دی، اور میری خدمت کے لیے دس کنیزیں مقرر کر دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے یہ زیور دیئے جو تو دیکھ رہا ہے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ خلیفہ کہیں باہر گیا ہوا تھا اور زبیدہ خانم میری ایک کنیز کے پاس آکر کہنے لگی کہ مجھے تجھ سے ایک ضرورت ہے۔ اس نے پوچھا کہ اے میری آقا، وہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یا تو جب تیری آقا قوت القلوب سو جائے تو یہ نکلڑا بھنگ کا اس کے نتھنوں میں ڈال دیجیو اور یا اس کی شراب میں ڈال کر پلا دیجیو۔ اس کے بدلے میں تجھے اتنا مال دوں گی کہ تیری عمر بھر کے لیے کافی ہو گا۔ کنیز نے کہا کہ بسرو

چشم۔ یہ کہہ کر اس نے بھنگ لے لی اور وہ مال ملنے کی امید میں بڑی خوش تھی اور وہ پہلے زبیدہ ہی کی کنیز تھی۔ کنیز نے آکر میری شراب میں بھنگ ڈال دی اور جب رات ہوئی تو میں نے وہ شراب پی۔ بھنگ میرے پیٹ میں پہنچی ہی ہو گی کہ میں زمین پر گر پڑی اور میرا سر پاؤں سے لگ گیا اور مجھے بالکل اپنی خبر نہ رہی کیونکہ میں دوسری دنیا میں پہنچ چکی تھی۔ جب زبیدہ کی چال چل گئی تو اس نے مجھے اس صندوق میں بند کیا اور غلاموں کو چپکے سے بلا کر انہیں رشوت دی اور اسی طرح دربانوں کو بھی رشوت دے کر مجھے غلاموں کے ہاتھ اسی رات بھیجا جبکہ تو کھجور کے درخت پر تھا اور انہوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا وہ تو نے خود دیکھا ہے۔ میری نجات تیرے ہاتھوں سے ہوئی اور تو ہی نے مجھے اس مکان میں لا کر مجھ پر بڑا احسان کیا۔ پس یہ ہے میرا قصہ۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے پیچھے خلیفہ پر کیا گزری۔ لہذا میری حالت پر رحم کھا اور میری تشیر مت کر۔

جب خانم بن ایوب نے قوت القلوب کی باتیں سنیں اور اسے یقین آ گیا کہ وہ خلیفہ کی خواص ہے تو وہ پیچھے کی ہٹ گیا اور اسے خلیفہ کا ڈر لگا اور وہ مکان کے ایک کونے میں تنہا بیٹھ کر اپنے اوپر لعنت و ملامت کرنے لگا۔ وہ اپنی حالت میں متفکر تھا اور اپنے دل کو سمجھا رہا تھا اور اس بات پر حیران تھا کہ اس عشق میں وصال کی کوئی صورت نہیں یہاں تک کہ وہ محبت کی زیادتی کی وجہ سے رونے اور زمانے کے مظالم کی شکایت کرنے لگا اور اس نے دیکھا کہ کسی کی طرف مفر نہیں۔

پاک ہے وہ ذات جو دلوں میں محبت اور محبوب کو جگہ دیتی ہے! اب قوت القلوب نے اٹھ کر اس کو گلے سے لگا لیا اور اس کے بوسے لینے لگی اور اس کی محبت میں دیوانی ہو گئی اور اپنے دل کا راز اس سے کہہ دیا اور یہ کہ وہ اسے کتنا چاہتی ہے اور اس کی گردن میں دونوں بانہیں ڈال کر اس کے بوسے لینے لگی، مگر وہ خلیفہ کے ڈر سے اسے روکتا تھا۔ اس کے بعد وہ تھوڑی دیر تک باتیں کرتے رہے اور دونوں ایک

دوسرے کے پیچھے مر رہے تھے یہاں تک کہ سویرا ہو گیا۔ غانم اٹھا اور کپڑے پہن کر دستور کے موافق بازار گیا اور وہاں سے تمام ضروریات کی چیزیں لے کر گھر آیا اور دیکھا کہ قوت القلوب رو رہی ہے۔ جب اس نے غانم کو دیکھا اور رونا بند کر دیا اور مسکرا کر کہنے لگی کہ اے میرے دلی محبوب، تو نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ یہ ایک گھڑی جو میں نے تیرے فراق میں گزاری، میرے لیے ایک سال کے برابر تھی۔ تیری محبت کی زیادتی کی وجہ سے میں نے اپنا سارا کچا چٹھا تجھ سے بیان کر دیا ہے۔ اب اٹھ اور پرانی باتوں کو چھوڑ اور مجھ سے اپنا ارمان نکال۔ اس نے کہا کہ اعوذ باللہ، ایسی بات نہیں ہو سکتی۔ کتا شیر کی جگہ نہیں بیٹھ سکتا۔ مالک کا مالک غلام کے لیے حرام ہے۔ یہ کہہ کر وہ اس سے الگ ہو گیا اور فرش کے ایک کونے پر بیٹھ گیا اور اس کی بے اعتنائی کی وجہ سے لڑکی کو اس سے اور زیادہ عشق ہو گیا۔ اب وہ آکر اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے ساتھ مئے نوشی اور ہنسی مذاق کرنے لگی۔

اب دونوں نشتے میں چور ہو گئے اور وہ اس بات پر مر رہی تھی کہ غانم اس کے ساتھ ہم بستر ہو۔ غانم رونے لگا اور وہ بھی اس کے ساتھ رونے لگی اور رات تک دونوں شراب نوشی کرتے رہے۔ اب غانم اٹھا اور اس نے دو فرش علیحدہ علیحدہ بچھائے۔ قوت القلوب نے کہا کہ یہ دوسرا فرش کس کے لیے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرے لیے اور وہ تیرے لیے ہے اور آج سے ہم دونوں اس طرح سوئیں گے کیونکہ جو چیزیں آقا کی ہیں، وہ غلام کے لیے حرام ہیں۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا، ان باتوں کو جانے دے جو چیز ہوتی ہے وہ تقدیر سے ہوتی ہے۔ لیکن اس نے نہ مانا اور لڑکی کے دل میں آگ اور بھڑک اٹھی اور اس کا عشق بڑھ گیا اور وہ اس سے لپٹ گئی اور کہنے لگی کہ خدا کی قسم، ہم ساتھ ساتھ سوئیں گے، مگر اس نے جواب دیا کہ معاذ اللہ، اور وہ اس پر غالب آ گیا اور صبح تک اکیلا سویا۔

اس سے لڑکی کی محبت اور زیادہ ہو گئی اور اس کا عشق اور بڑھ گیا۔ اس طرح سے

تین مہینے گزر گئے اور جب کبھی وہ پیش دستی کرتی تو وہ اسے روک دیتا اور کہتا کہ جو چیز مالک کی ہے، وہ غلام کے لیے حرام ہے۔ یہ ماجرا اس کے اور غانم کے درمیان ایک مدت تک رہا اور لڑکی کا اندھ و الم بڑھتا گیا مگر غانم مارے ڈر کے اسے ہاتھ نہ لگاتا۔

یہ تو غانم بن ایوب کا قصہ ہوا۔ اب زبیدہ بیگم کا حال سنئے۔ جب اس نے خلیفہ کی غیر موجودگی میں قوت القلوب کے ساتھ یہ حرکت کی تو وہ حیران تھی اور اپنے دل میں کہتی تھی کہ جب خلیفہ آکر اس کا حال مجھ سے پوچھے گا تو میں کیا کہوں گی اور کیا جواب دوں گی۔ یہ سوچ کر اس نے ایک بڑھیا کو بلایا جو اس کے یہاں نوکر تھی اور اس سے اپنا بھید بیان کر کے کہا کہ قوت القلوب پر یہ معاملہ گزرنے کے بعد اب میں کیا کروں؟ جب بڑھیا سارا واقعہ سمجھ چکی تو اس نے کہا کہ اے میری آقا، خلیفہ جلد آنے والا ہے۔ ایک بڑھئی کو بلا کر حکم دے کہ ایک لکڑی لے کر مردے کی شکل بنائے اور ہم محل کے بیچ میں ایک قبر کھود کر اس کو اس میں دفن کر دیں گے اور تو اس قبر کے اوپر ایک کمرہ بنوائو اور ہم اس میں موم بتیاں اور قندیلیں جلا لیں گے اور تو سارے محل والوں کو حکم دے دیجیو کہ کالے کپڑے پہنیں اور اپنے غلاموں اور کنیزوں کو حکم دے کہ خلیفہ سفر سے واپس آئے تو دہلیزوں میں پیال بچھا دیں۔

جب خلیفہ داخل ہو گا تو پوچھے گا کہ کیا خبر ہے؟ وہ جواب دیں کہ قوت القلوب کا انتقال ہو گیا، خدا اس کے بدلے تجھے زیادہ ثواب دے اور چونکہ ہماری آقا اس کی بڑی عزت کرتی تھی اس لیے اس نے اسے اپنے محل میں دفن کیا ہے۔ خلیفہ کو اس کی موت کا بڑا صدمہ ہو گا اور وہ رونے لگے گا اور اس کے قرآن ختم کرائے گا اور

اس کی قبر پر راتوں کو جاگے گا۔ اگر اس نے اپنے دل میں کہا کہ میری چچا زاد زبیدہ نے رشک کی وجہ سے سے مروا ڈالا ہے یا اس پر محبت کا غلبہ ہوا تو اس نے قوت القلوب کو قبر سے نکلویا تو اس سے مت ڈریو۔ کیونکہ جب لوگ قبر کھود کر اس

تک پہنچیں گے اور خلیفہ اسے انسانی صورت میں دیکھے گا اور وہ قیمتی کفنوں میں لپی ہو گی اگر اس وقت خلیفہ اس کی صورت دیکھنے کے لیے کفن اٹھائے تو تو اسے منع کیجیو اور کوئی دوسری عورت بھی اسے منع کرے اور کہے کہ اس کے بدن کا پوشیدہ حصہ دیکھنا حرام ہے۔ پھر اسے یقین آ جائے گا کہ وہ مر چکی ہے اور وہ اسے قبر میں واپس کر دے گا اور تیرا شکر گزار ہو گا اور انشاء اللہ تو اس بھنور سے نکل جائے گا۔

جب زبیدہ خانم نے اس کی باتیں سنیں تو اسے ٹھیک معلوم ہوئیں اور اس نے اسے خلعت عطا کی اور اسے بہت سا مال دے کر اس سے کہا کہ ایسا ہی کرے۔ بڑھیا نے فوراً کام شروع کر دیا اور بڑھی سے کہا کہ وہ ایک پتلا بنائے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ جب وہ پتلا بن چکا تو وہ اسے زبیدہ خانم کے پاس لائی اور اس نے اسے کفن پہنا کر دفن کیا اور شمعیں اور قندیلیں جلائیں اور قبر کے پاس قالین بچھائے اور خود بھی کالا لباس پہنا اور اپنی کینروں کو بھی حکم دیا کہ کالا لباس پہنیں اب محل میں یہ مشہور ہو گیا کہ قوت القلوب کا انتقال ہو گیا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد خلیفہ سفر سے لوٹا اور محل میں داخل ہوا لیکن اس کے دل میں قوت القلوب ہی قوت القلوب تھی اور اس نے دیکھا کہ غلام اور نوکر اور کنیزیں سب کے سب کالے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اس پر وہ سہم گیا اور جب وہ محل میں داخل ہوا تو دیکھا کہ زبیدہ خانم بھی سیاہ پوش ہے۔ اس نے اس کی وجہ پوچھی تو اس سے کہا گیا کہ قوت القلوب کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ سن کر خلیفہ بے ہوش ہو گیا اور جب اسے ہوش آیا تو اس نے پوچھا کہ اس کی قبر کہاں ہے؟ زبیدہ خانم نے کہا کہ امیر المومنین، چونکہ میرے دل میں اس کی بڑی عزت تھی اس لیے میں نے اس کو اپنے محل میں دفن کیا ہے۔ خلیفہ سفر کے کپڑے پہنے قوت القلوب کی قبر کی زیارت کے لیے پہنچا اور دیکھا کہ قالین بچھا ہوا ہے اور شمعیں اور قندیلیں روشن ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے زبیدہ کا شکریہ ادا کیا مگر وہ اس بارے میں حیران تھا کہ اس کا ایک دل اس کی تصدیق اور ایک دل تکذیب کرتا تھا اور جب شبہ اس پر غالب ہوا تو اس نے قبر کھدوا کر اسے نکالا۔

لیکن جوں ہی اس نے کفن دیکھا اور اسے ہٹانا چاہا تا کہ اسے دیکھے، خدا سے ڈرو اور
بڑھیا نے لوگوں سے کہا کہ اسے قبر میں رکھ دو۔ خلیفہ نے فوراً فقیہوں اور قرآن خوانوں
کو بلوایا اور اس کی قبر پر قرآن ختم کرائے اور اس کی قبر پر بیٹھا روتا رہا یہاں تک
کہ بے ہوش ہو گیا۔ یہ دستور اس نے ایک مہینے تک جاری رکھا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔



• بیا لیسویں رات

جب بیا لیسویں رات ہوئی تو اس نے کہنا شروع کیا کہ اے نیک بخت بادشاہ -----

خلیفہ ایک مہینے تک اس کی قبر پر آتا جاتا رہا۔ ایک روز کا ماجرا ہے کہ جب امراء اور وزرا اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو خلیفہ خواب گاہ میں جا کر تھوڑی دیر سو گیا۔ ایک کنیز اس کے سرہانے بیٹھی پنکھا جھل رہی تھی اور دوسری اس کے پاؤں کے پاس بیٹھی پاؤں دبا رہی تھی۔ جب وہ سو کر بیدار ہوا اور اپنی آنکھیں کھول کر پھر بند کر لیں تو اس نے سنا کہ وہ کنیز جو اس کے سر کے پاس ہے اس کنیز سے کہہ رہی ہے جو اس کے پاؤں کے پاس ہے کہ اے خیزران، تو سنتی ہے، اس نے کہا کہ ہاں اے قضیب البان۔ قضیب البان نے کہا کہ ہمارے آقا کو واقعے کی خبر ہی نہیں۔ اور وہ رات رات بھر ایک قبر پر جاگتا ہے، جس کے اندر محض ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے جسے بڑھئی نے تراشا ہے۔ دوسری کنیز نے کہا کہ اور قوت القلوب پر کیا حادثہ گزرا؟ پہلی کنیز نے جواب دیا کہ زبیدہ خانم نے ایک کنیز کے ہاتھ ایک ٹکیہ بھنگ کی بھیجی اور اس نے قوت القلوب کو بھنگ دے دی۔ جب اس پر بھنگ کا اثر ہو گیا تو زبیدہ نے اسے ایک صندوق میں بند کر کے صواب اور کافور کو حکم دیا کہ وہ اسے مقبرے میں پھینک آئیں۔ اس پر خیزراں نے کہا کہ اے قضیب البان، سچ بتا کہ قوت القلوب واقعی مری نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، خدا کی قسم، اس کی جوانی موت سے بچی ہوئی ہے۔ لیکن میں نے زبیدہ خانم کو یہ کہتے سنا ہے کہ قوت القلوب ایک دمشق جووان سوداگر کے گھر ہے، جس کا نام غانم بن ایوب ہے۔ آج چار مہینے سے وہ اس کے یہاں ہے اور یہ ہمارا آقا روتا ہے اور ایک ایسی قبر پر رات بھر جاگا کرتا ہے، جس کے اندر کوئی مردہ نہیں۔ دونوں یہ باتیں کر رہی تھیں اور خلیفہ ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ جب دونوں کنیزیں باتیں کر چکیں اور خلیفہ کو سارا حال معلوم ہو چکا اور

یہ کہ قبر محض دھوکے کی ٹٹی اور سوانگ ہے اور قوت القلوب چار مہینے سے غانم بن ایوب کے مکان میں ہے تو خلیفہ سخت طیش میں آ گیا اور اٹھ کر اپنی حکومت کے امراء کے پاس پہنچا۔ اس وقت وزیر جعفر برمکی حاضر ہوا اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ خلیفہ نے غصہ بھری آواز میں کہا کہ اے جعفر فوج کا ایک دستہ لے کر جا اور غانم بن ایوب کا مکان دریافت کر کے اس کو ڈھا کر میری کنیز قوت القلوب کو لے آ اور میں اس کو بغیر سزا دیئے نہ چھوڑوں گا۔ جعفر نے کہا کہ بسرو چشم۔

یہ کہہ کر جعفر چل دیا اور والی اور لوگوں کا مجمع اس کے ساتھ ہو لیا۔ چلتے چلتے وہ لوگ غانم کے مکان پر پہنچے۔ غانم اس وقت ایک دیگچی بھر گوشت لے کر آیا تھا اور وہ اور قوت القلوب کھانے کے لیے ہاتھ بدھانے ہی والے تھے کہ لڑکی کی توجہ دوسری طرف مبذول ہو گئی اور اس نے دیکھا کہ چاروں طرف گھر پر مصیبت آ رہی ہے اور وزیر اور والی اور سپاہی اور غلام ننگی تلواریں لیے مکان کے گرد اس طرح جمع ہیں جس طرح کہ آنکھ کی سفیدی اس کی سیاہی کے گرد۔

اب اسے یقین آ گیا کہ اس کی خبر اس کے آقا خلیفہ کو پہنچ گئی اور اسے اپنے مارے جانے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا اور اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور اس کا حسین چہرہ متغیر ہو گیا۔ اب اس نے غانم کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے میرے پیارے، اپنی جان لے کر بھاگ۔ اس نے جواب دیا کہ کیسے بھاگوں اور کہاں جاؤں، میری ساری دولت اور میرا سارا رزق تو اس مکان میں ہے! لڑکی نے کہا کہ اب دیر مت کر، ورنہ تو بھی مارا جائے گا اور تیرا مال بھی ضائع ہو گا۔ غانم نے کہا کہ اے میری دلربا اور میری آنکھوں کی روشنی، میں کدھر نکل کر بھاگوں! لوگ تو چاروں طرف سے مکان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ لڑکی نے کہا کہ ڈر مت۔ یہ کہہ کر اس نے غانم کے کپڑے اتارے اور اسے پرانے کپڑے پہنائے اور گوشت کی ہانڈی لا کر اس کے سر پر رکھی اور اسے ایک ٹوکری میں رکھ کر اس کے ارد گرد روٹی کے ٹکڑے اور کھانے کے پیالے

رکھ دیئے اور اس سے کہا کہ اس بھیس میں تو نکل جا اور میرا غم نہ کر کیونکہ میں جانتی ہوں کہ خلیفہ کی کونسی کل میرے ہاتھ میں ہے۔ جب غانم نے قوت القلوب کی گفتگو سنی تو وہ ٹوکری سر پر رکھ کر لوگوں کے درمیان سے نکلتا ہوا چلا گیا اور اس کی نیک نیتی کی برکت کی وجہ سے پردہ پوش خدا نے اس کی پردہ پوشی کی اور وہ لوگوں کے فریب اور آزار سے بچ گیا۔

جب وزیر جعفر مکان کے قریب پہنچا تو وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور مکان کے اندر داخل ہوا اور دیکھا کہ قوت القلوب بنی سنوری بیٹھی ہے اور ایک صندوق میں سونا اور زیور اور جواہرات اور نایاب چیزیں جو ہلکی اور قیمتی تھیں، بھر رکھی ہیں۔ جب جعفر اس کے پاس پہنچا اور اس کی نظر اس پر پڑی تو وہ سروقد کھڑی ہو گئی اور اس کے آگے نہن کو بوسہ دیا اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا، خدا کے حکم کو قلم پہلے ہی سے لکھ چکا ہے۔ جب جعفر نے یہ ماجرا دیکھا تو اس نے کہا کہ اے میری آقا، خلیفہ نے محض غانم بن ایوب کے پکڑنے کا مجھے حکم دیا ہے۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا، وہ تو تجارت کا مال لے کر دمشق چلا گیا اور اس سے زیادہ مجھے اس کی خبر نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تو اس صندوق کو حفاظت سے رکھ اور اسے لے جا کر امیرالمومنین کے محل میں تو میرے حوالے کر دیجیو۔ جعفر نے کہا کہ بسرو چشم، اور صندوق لے کر لوگوں سے کہا کہ اسے قوت القلوب کے ساتھ خلیفہ کے محل میں لے چلیں اور اس کے ساتھ عزت و احترام کا برتاؤ کریں۔ اس سے پہلے وہ غانم کا مکان لوٹ چکے تھے اور اس کے بعد وہ خلیفہ کے پاس پہنچے اور جعفر نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس پر خلیفہ نے قوت القلوب کے لیے ایک کالی کوٹھڑی مقرر کی کہ وہ اس میں رہے اور اس کا کام کاج کرنے کے لیے ایک بڑھیا مقرر کی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ غانم اس کے ساتھ ہم بستر ہوا ہے۔

اب اس نے اپنے نائب محمد بن سلیمان الزینی کے نام دمشق ایک فرمان بھیجا، جس کا مضمون

یہ تھا کہ اس خط کے پہنچتے ہی غانم بن ایوب کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیجیو۔ جب یہ فرمان اس کے پاس پہنچا تو اس نے اسے بوسہ دیا اور اپنے سر پر رکھا اور بازاروں میں ڈھنڈورا پڑا دیا کہ جو شخص لوٹنا چاہے وہ غانم بن ایوب کے مکان پر پہنچے۔ جب لوگ اس کے مکان پر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ غانم کی ماں اور بہن نے بیچ مکان میں اس کے لیے ایک قبر بنا رکھی ہے اور وہاں بیٹھی ہوئی اس پر ماتم کر رہی ہیں۔ اب انہوں نے مکان کو لوٹ لیا، ان دونوں کو گرفتار کر لیا، اور ان کو کچھ خبر نہ تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جب وہ سلطان کے سامنے پیش کی گئیں تو اس نے پوچھا کہ غانم کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک سال سے زیادہ ہونے کو آیا کہ ہمیں اس کی بالکل خبر نہیں۔ یہ سن کر نائب نے انہیں ان کے مکان پر واپس بھیج دیا۔ یہ تو ان دونوں کا قصہ ہوا۔ اب غانم بن ایوب کا ماجرا سنئے۔ جب اس کا گھر بار لٹ چکا تو وہ اپنی حالت پر رونے لگا یہاں تک کہ اس کا دل پاش پاش ہو گیا اور اس کے چہرے سے پریشانی کے آثار ظاہر ہونے لگے اور شام تک پیدل چلتا رہا یہاں تک کہ بھوک نے زور پکڑا اور وہ چلتے چلتے تھک گیا۔ جب وہ ایک قصبے میں داخل ہوا تو ایک مسجد میں جا کر ایک چٹائی پر بیٹھ گیا اور مسجد کی دیوار سے تکیہ لگا لیا۔ مگر بھوک اور تکان کی زیادتی کی وجہ سے وہ گر پڑا۔ یہاں وہ صبح تک پڑا رہا اور مارے بھوک کے پریشان تھا اور پسینے کی وجہ سے اس کے بدن میں جوئیں پڑ گئی تھیں اور اس کی سانس پھول گئی تھی اور اس کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ جب قصبے والے صبح کی نماز پڑھنے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے وہ دبلا اور کمزور پڑ گیا ہے مگر ناز و نعم کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں ہیں۔ جب وہ لوگ نماز پڑھ کر اس کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ ٹھٹھرا اور بھوکا پڑا ہے۔ انہوں نے اسے ایک پرانی قبا لا کر دی، جس کی آستینیں پھٹی ہوئی تھیں اور اس سے کہا کہ اے پردیسی، تو

کہاں سے آیا ہے اور تیری بیماری کا کیا سبب ہے؟ اس پر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور ان کو دیکھ کر رونے لگا لیکن کچھ جواب نہ دیا۔ ان میں سے ایک شخص سمجھ گیا کہ وہ بھوکا ہے اور وہ جا کر ایک پیالہ شہد اور دو روٹیاں لے آیا۔ غانم نے تھوڑا سا کھایا اور وہ لوگ سورج نکلنے تک اس کے پاس بیٹھے رہے اور پھر اپنے اپنے کاموں پر چلے گئے۔ اس طرح سے وہ ایک مہینے تک ان کے ساتھ رہا اور اس کی کمزوری اور بیماری آئے دن زیادہ ہوتی جاتی تھی اور وہ اس کی حالت پر روتے اور اس سے ہمدردی کرتے تھے۔ بالآخر انہوں نے آپس میں اس کے متعلق مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ٹھہرا کہ وہ اسے بغداد کے شفاخانے میں بھیج دیں گے۔

اسی اثناء میں دو فقیر عورتیں اس کے پاس مسجد میں پہنچیں اور یہ اس کی ماں اور بہن تھیں۔ جب اس نے ان کو دیکھا تو اس نے اپنے سرہانے سے روٹی نکال کر انہیں دے دی اور وہ رات انہوں نے اس کے ساتھ گزاری لیکن اس نے ان کو پہچانا نہیں۔ دوسرے روز گاؤں والے اس کے پاس آئے اور ایک ساریبان کو اس کے پاس لائے اور اس سے کہا کہ اس بیمار کو اونٹ پر بٹھا کر لے جا اور بغداد پہنچ کر اسے شفاخانے کے دروازے پر اتار دیجیو تا کہ اس کا علاج ہو اور وہ اچھا ہو جائے اور تجھے اس کا ثواب ملے۔ اس نے کہا کہ برو چشم۔ اس کے بعد انہوں نے غانم بن ایوب کو مسجد سے نکالا اور اسے چٹائی سمیت جس پر وہ سو رہا تھا اونٹ پر لاد دیا۔ منجملہ اور لوگوں کے اس کی ماں اور بہن بھی تماشہ دیکھنے نکلیں لیکن انہوں نے اسے پہچانا نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور کہنے لگیں کہ یہ تو ہمارے غانم کا ہم شکل ہے کہیں یہ بیمار وہی تو نہیں۔

اب غانم کا حال سنئے۔ جب تک اسے اونٹ پر لاد کر کرسی سے نہ باندھا اس وقت تک اس کی آنکھ نہ کھلی۔ جب وہ جاگا تو رونے اور فریاد کرنے لگا۔ گاؤں والے دیکھ رہے تھے اس کی ماں اور بہن اس پر رو رہی ہیں لیکن اسے پہچانتی نہیں۔ اب وہ دونوں

بھی وہاں سے روانہ ہو کر بغداد پہنچیں اور ساربان نے بھی غانم کو لے جا کر شفا خانے کے دروازے پر اتار دیا اور اپنا اونٹ لے کر چلتا ہوا۔ یہاں غانم سویرے تک پڑا رہا۔ جب لوگ اس راستے سے گزرنے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سینک کی طرح دبلا ہو گیا ہے اور اس کا تماشا دیکھنے لگے۔ اتنے میں بازار کا کھیا وہاں سے گزرا اور لوگوں کو چیرتا پھاڑتا غانم تک پہنچا اور کہنے لگا کہ میں اس بیچارے کے عوض جنت حاصل کروں گا کیونکہ اگر لوگ اسے شفا خانے لے گئے، وہاں ایک ہی دن میں اس کا کام تمام ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ اسے گھر لے چلیں۔

گھر پہنچ کر اس نے اس کے لیے ایک نیا بستر بچھایا اور نیا تکیہ رکھا اور اپنی بیوی سے کہا کہ خبرداری کے ساتھ اس کی خدمت کر۔ بیوی نے کہا کہ بہت خوب، برو چشم۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی آستینیں چڑھالیں اور پانی گرم کر کے اس کے ہاتھ پاؤں

اور جسم کو خوب دھلایا اور اپنی ایک کنیر کی قبا اسے پہننے کو دی اور ایک پیالہ شراب پلائی اور اس پر گلاب چھڑکا۔ جب اسے افاقہ ہوا تو وہ رونے لگا اور اس کی معشوقہ قوت القلوب کی یاد اسے اور زیادہ ستانے لگی۔

یہ تو غانم کی سرگذشت ہوئی اور قوت القلوب پر یہ گزری کہ جب خلیفہ اس پر ناراض ہوا۔ اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تینتالیسویں رات

جب تینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب خلیفہ قوت القلوب پر ناراض ہوا اور اسے کالی کوٹھڑی میں بند کر دیا اور اس پر اسی (۸۰) روز گزر گئے تو خلیفہ اتفاقاً ادھر سے گزرا اور اس نے قوت القلوب کو اشعار پڑھتے سنا۔ جب وہ اشعار پڑھ چکی تو کہنے لگی کہ اے میرے پیارے، اے غانم تو کیسا نیک کردار ہے تیری ذات کیسی پاکباز ہے! تو نے اس شخص کے ساتھ نیکی کی جو تیرے ساتھ برائی کر رہا ہے اور اس شخص کی حرمت کی حفاظت کی جو تیری حرمت تباہ کر رہا ہے اور اس شخص کی بیوی کو پناہ دی جو تجھے اور تیرے خاندان کو قید کرنے کے درپے ہے مگر ایک وہ دن ضرور آنے والا ہے جبکہ تو اور امیرالمومنین دونوں ایک عادل حاکم کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اس کے مقابلے میں تیرے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور وہ اس روز ہو گا جبکہ خدا قاضی ہو گا اور فرشتے گواہ۔ جب خلیفہ نے اس کی باتیں سنیں تو اس کی فریاد پر غور کیا تو اس کو یقین آ گیا کہ وہ مظلوم ہے۔ اب وہ اپنے محل میں گیا اور اپنے خادم مسرور کو اس کے پاس بھیجا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے آئی تو سر نیچا کئے ہوئے تھی کیونکہ وہ رو رہی تھی اور اس کا دل غمناک تھا۔ خلیفہ نے کہا کہ اے قوت القلوب میں دیکھتا ہوں کہ تو مجھے ظالم ٹھہراتی ہے اور میرے ظلم کی شکایت کرتی ہے اور تیرا گمان ہے کہ میں نے اس شخص کے ساتھ برائی کی جس نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے آخر وہ کون شخص ہے جس نے میری حرمت کی حفاظت کی اور میں نے اس کی بے حرمتی کی اور جس نے میرے خاندان کی ستر پوشی کی اور میں نے اس کے خاندان کو گرفتار کروایا۔ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ غانم بن ایوب ہے کیونکہ اس نے کبھی بری نظر سے مجھے نہیں دیکھا۔ اس پر اے امیرالمومنین

میں تیری بخششوں کی قسم کھاتی ہوں۔ یہ سن کر خلیفہ نے کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ! اے قوت القلوب مانگ اور جو کچھ تو مانگے گی، تجھے ملے گا۔ اس نے جواب دیا کہ میں تجھ سے اپنے محبوب غانم بن ایوب کو مانگتی ہوں۔ خلیفہ نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین، اگر میں اس کو یہاں لے آؤں تو کیا تو مجھے اس کے حوالے کر دے گا؟ خلیفہ نے کہا کہ اگر وہ یہاں آئے تو میں تجھے اس کی نذر کر دوں گا مثل اس سخی کے، جو دے کر واپس نہیں لیتا۔ لڑکی نے کہا کہ اے امیر المومنین، مجھے اجازت دے کہ میں جا کر اسے تلاش کروں، ممکن ہے کہ اللہ مجھے اس سے ملا دے، خلیفہ نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے، کر۔

یہ سن کر وہ خوش ہو گئی اور ایک ہزار سونے کے دینار لے کر نکل کھڑی ہوئی اور اللہ والوں کی نیارت کی اور انہیں غانم کے نام پر خیرات دی۔ دوسرے روز وہ سوداگروں کے بازار میں گئی اور بازار کے کھیا سے سارا ماجرا بیان کیا اور اسے درہم دے کر کہا کہ ان کر پردیسیوں پر خیرات کر دے۔ یہ کہہ کر وہ چلتی ہوئی اور پھر آئندہ جمعے کو ایک ہزار دینار لے کر بازار آئی اور سناڑوں اور جوہریوں کے بازار میں داخل ہوئی اور چودھری کو بلوایا۔ جب وہ آیا تو اس نے اسے ایک ہزار دینار دے کر کہا کہ انہیں پردیسیوں پر خیرات کر دے۔ چودھری نے جو بازار کا کھیا تھا، اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے میری آقا، اگر تجھے تکلیف نہ ہو تو میرے گھر چل کر ایک پردیسی جوان کو دیکھ کہ وہ کیسا حسین و جمیل ہے۔ یہ جوان غانم بن ایوب تھا لیکن چودھری کو اس کی خبر نہ تھی بلکہ اس کا یہ گمان تھا کہ وہ کوئی غریب قرضدار ہے، جس کا مال ضبط ہو چکا ہے یا کوئی عاشق ہے جو اپنے محبوب سے جدا ہو گیا ہے۔ جب لڑکی نے اس کی باتیں سنیں تو اس کا دل دھڑکنے لگا اور آنتیں پیچ و تاب کھانے لگیں اور اس نے کہا کہ کسی کو میرے ساتھ کر دے جو مجھے تیرے گھر لے چلے۔ اس نے ایک چھوٹے لڑکے کو اس کے ساتھ کر دیا اور وہ لڑکا اسے چودھری کے گھر پہنچا آیا، جہاں وہ پردیسی تھا۔ اور اس نے لڑکے کا شکریہ ادا کیا۔ یہاں پہنچ کر وہ مکان کے اندر داخل ہوئی اور

چودھرائی کو سلام کیا۔ چودھرائی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا کیونکہ وہ اس سے واقف تھی۔

قوت القلوب نے کہا کہ بیمار جو تیرا مہمان ہے، کہاں ہے؟ اس پر وہ رونے لگی اور کہا کہ اے میری آقا، وہ کیا ہے واللہ وہ شریف زادہ معلوم ہوتا ہے اور ناز و نعمت کے آثار اس سے ظاہر ہیں۔ دیکھ وہ فرش پر لیٹا ہے۔ یہ سن کر لڑکی اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ گویا وہ بعینہ غانم ہے لیکن اس کے دبلے پن کی وجہ سے وہ اسے پہچان نہ سکی کیونکہ وہ سوکھ کر کاٹا ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ راز اس پر نہ کھل سکا اور اسے اس بات کی تحقیق نہ ہو سکی کہ وہ غانم ہے لیکن اس کا دل اس پر کڑھنے لگا اور وہ رونے لگی اور اس نے کہا کہ انسان اپنے ملکوں میں کتنے ہی امیر کیوں نہ ہوں لیکن پردیس میں آ کر وہ مفلس ہو جاتے ہیں۔

یہ واقعہ اس پر سخت گراں گزرا اور اگرچہ اس نے غانم کو پہچانا نہیں لیکن اس کا دل اس پر کڑھنے لگا اور اس نے اس کے لیے شراب اور دوائیں تیار کیں اور تھوڑی دیر تک اس کے سرہانے بیٹھی رہی۔ اس کے بعد وہ سوار ہو کر اپنے محل چلی گئی۔ مگر وہ ہر روز غانم کی تلاش میں بازار بازار پھرتی۔ ایک روز چودھری اس کی ماں اور اس کی بہن فتنہ کو لے کر قوت القلوب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے نیکی کرنے والوں کی سرتاج، آج ہمارے شہر میں ایک عورت مع اپنی بیٹی کے داخل ہوئی ہے اور ان دونوں کے چہرے خوبصورت ہیں اور ان پر ناز پروردگی کے آثار نمایاں ہیں اور ان سے شرافت ٹپک رہی ہے لیکن وہ اوئی کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور ہر ایک کی گردن میں تو نبی لٹکی ہوئی اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں اور دل غمزہ ہیں۔ میں ان دونوں کو لے کر تیرے پاس آیا ہوں تاکہ تو انہیں پناہ دے اور انہیں گداگری سے بچائے کیونکہ ان کی شان گداگری کی نہیں معلوم ہوتی، اور اگر خدا نے چاہا تو ہم بھی ان کے طفیل جنت میں داخل ہوں گے۔ اس نے کہا کہ اے میرے آقا، تو نے مجھے

ان کا مشتاق بنا دیا ہے۔ بتا وہ کہاں ہے؟ انہیں میرے پاس لا۔ یہ سن کر اس نے خادم کو حکم دیا کہ وہ ان دونوں عورتوں کو قوت القلوب کے پاس لائے اور فتنہ اور اس کی ماں اس کے پاس آئیں۔ جب قوت القلوب نے دیکھا کہ وہ دونوں خوبصورت ہیں تو وہ ان کی حالت پر رونے لگی اور اس نے کہا کہ خدا کی قسم، یہ نازو نعم کی پالی ہوئی ہیں اور امارت کے آثار ان کے چہرے سے نمودار ہیں۔ چودھرائی نے کہا کہ اے میری آقا، ہمیں محض ثواب کی خاطر فقیروں اور مسکینوں سے محبت ہے اور ان پر تو ظالموں نے ظلم کیا ہے اور ان کا مال متاع چھین لیا ہے اور ان کے مکانوں کو لوٹ لیا ہے۔ یہ سن کر وہ دونوں زار زار رونے لگیں اور اس عیش و عشرت کو سوچنے لگیں، جس میں وہ کبھی زندگی بسر کر رہی تھیں اور اس افاقے اور تکلیف کو جس میں وہ اب آ پڑی تھیں اور غانم بن ایوب کی یاد انہیں ستانے لگی۔ جب وہ روتی تھیں تو قوت القلوب بھی ان کو روتا دیکھ کر رونے لگتی تھی اور وہ کہتی تھی کہ ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے محبوب سے ملائے جو ہمارا بیٹا غانم بن ایوب ہے، جب قوت القلوب نے یہ باتیں سنیں تو اس کو یقین ہو گیا کہ یہ عورت اس کے مشعوق کی ماں ہے اور دوسری اس کی بہن۔ اس پر وہ اتنی روئی کہ بے ہوش ہو گئی۔

جب اسے افاقہ ہوا تو وہ ان کے سامنے آئی اور ان سے کہا کہ تم ڈرو مت۔ آج کا دن تمہاری خوشی بختی کا پہلا اور بدبختی کا آخری دن ہے، غمگین مت ہو۔ اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چوالیسویں رات

جب چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب قوت القلوب نے ان سے کہا کہ غمگین مت ہو تو ساتھ ہی ساتھ اس نے چودھری سے کہا کہ وہ انہیں اپنے گھر لے جائے اور اپنی بیوی سے کہے کہ وہ انہیں حمام کرا کے انہیں اچھے کپڑے پہنائے اور ان کی خبر گیری کرے اور ان کا نہایت احترام کرے۔ یہ کہہ کر اس نے سارا مال چودھری کو دے دیا۔ دوسرے روز قوت القلوب سوار ہو کر چودھری کے مکان پر پہنچی اور اس کی بیوی کے پاس گئی۔ بیوی سرودھ کھڑی ہو گئی اور اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اس کے احسان کا شکریہ ادا کیا۔ اب لڑکی نے دیکھا کہ چودھری کی بیوی نے غانم کی ماں اور بہن کو حمام کرا کے انہیں دوسرے کپڑے پہنائے ہیں اور اب ان سے ناز پروردگی کے آثار نمودار ہیں تو وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر ان سے باتیں کرتی رہی۔ اس کے بعد اس نے چودھری کی بیوی سے بیمار کا حال پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ اسی طرح ہے۔ اس پر قوت القلوب نے کہا کہ چلو ہم چل کر اس کی عیادت کریں۔ اب وہ اور چودھری کی بیوی اور غانم کی ماں اور اس کی بہن اٹھ کھڑی ہوئیں اور غانم کے پاس جا کر بیٹھیں۔ جب غانم نے ان کی زبان سے قوت القلوب کا نام سنا تو اگرچہ اس کا جسم گھل گیا تھا اور ہڈی پسلیاں نکل آئی تھیں تاہم اس کی جان میں جان آ گئی اور اس نے تکیے کے اوپر سے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا کہ اے قوت القلوب! اب اس نے غانم کی طرف دیکھا اور غور کیا اور اسے پہچان لیا اور زور سے جواب دیا کہ ہاں میرے پیارے۔ غانم نے کہا کہ میرے قریب آ۔ اس نے کہا کہ یقیناً تو غانم بن ایوب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں میں ہی غانم ہوں۔ یہ سنتے ہی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب اس کی بہن فتنہ اور اس کی ماں نے ان دونوں کی گفتگو سنی تو مارے خوشی کے چلا انھیں اور بے

ہوش ہو کر گر پڑیں۔ جب انہیں ہوش آیا تو قوت القلوب نے غانم سے کہا کہ شکر ہے خدا کا جس نے ہمیں تجھ سے اور تیری ماں بہن سے ملایا۔

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا جو اس کے اور خلیفہ کے درمیان پیش آیا تھا اور کہا کہ میں نے امیر المومنین سے سچ سچ کہہ دیا ہے اور اس نے میری بات کا یقین کر لیا ہے اور تجھ سے بہت خوش ہے۔ حتیٰ کہ وہ تجھ سے ملنے کا مشتاق ہے پھر اس نے یہ بھی بیان کیا کہ خلیفہ نے مجھے تیرے حوالے کر دیا ہے۔ یہ سن کر وہ بے حد خوش ہوا۔ قوت القلوب نے ان سے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں تم لوگ یہاں سے نہ نکلنا یہ کہہ کر وہ فوراً اٹھی اور اپنے محل میں گئی اور وہ صندوق نکالا جو غانم کے گھر سے لائی تھی اور اس میں سے دینار نکال کر چودھری کو دیئے اور اس سے کہا کہ یہ دام لے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے بہترین کپڑے کے چار چار جوڑے کپڑے اور بیس بیس رومال اور ان کے علاوہ جن جن چیزوں کی انہیں ضرورت ہو، خرید۔ یہ کہہ کر وہ دونوں عورتوں اور غانم کو حمام لے گئی اور ان کو نہلویا اور جب وہ حمام سے نکلے اور انہوں نے کپڑے پہنے تو اس نے ان کے لیے یخنیاں اور خولجان اور سیب کا عرق تیار کیا اور تین دن تک ان کے ساتھ رہی اور ان کو مرغی کا گوشت اور یخنیاں کھلائیں اور مصری کا شربت پلایا۔ تین دن کے بعد ان کے جان میں جان آئی اور وہ انہیں دوبار حمام لے گئی اور ان کے کپڑے بدلے اور انہیں چودھری کے گھر چھوڑ کر محل میں گئی اور خلیفہ سے ملنے کی اجازت مانگی۔ جب وہ اندر گئی تو اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس سے سارا قصہ بیان کیا اور کہا کہ میرا آقا غانم بن ایوب حاضر ہے اور اس کی ماں اور بہن بھی حاضر ہیں۔ جب خلیفہ نے قوت القلوب کی باتیں سنیں تو خادموں سے کہا کہ غانم کو میرے پاس لاؤ۔ یہ سن کر جعفر اس کی طرف روانہ ہوا مگر قوت القلوب اس سے پہلے وہاں پہنچ گئی اور غانم کے پاس جا کر اس سے کہا کہ خلیفہ نے تجھے اپنے پاس بلایا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے غانم کو صلاح دی کہ شیریں زبانی سے کام لیجیو اور دل کو مضبوط رکھیو

اور میٹھی میٹھی باتیں کیجیو۔ اب اس نے غانم کو نفیس کپڑے پہنائے اور اسے بہت سے دینار دیئے اور کہا کہ جاتے وقت خلیفہ کے نوکروں کو خوب انعام دیجیو۔ اتنے میں جعفر اپنے خچر پر سوار آ پہنچا اور غانم اٹھ کر اس کے سامنے آیا اور اسے سلام کیا اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ اب اس کی خوش وقتی کا ستارہ نکل آیا تھا اور چمک رہا تھا اور جعفر اس کو لے کر چل دیا۔ یہاں تک کہ دونوں چلتے چلتے خلیفہ کے پاس پہنچے۔ جب غانم دربار میں حاضر ہوا تو اس نے دیکھا کہ وزرا اور امرا اور حجاب اور حکام اور رؤسا اور سپہ سالار وہاں موجود ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے خلیفہ کی طرف نظر اٹھائی اور پھر نیچی کر کے فصاحت اور شیریں بیانی سے اس کی مدح کرنے لگا، جب غانم مدح گوئی سے فارغ ہو چکا تو خلیفہ خوش ہو گیا اور اس کی فصاحت اور شیریں بیانی اسے بہت پسند آئی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پینتالیسویں رات

جب پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب خلیفہ کو غانم کی فصاحت اور نظم اور شیریں زبانی بہت پسند آئی تو اس نے غانم سے کہا کہ میرے پاس آ۔ جب وہ پاس آیا تو اس نے کہا کہ اپنا قصہ مجھ سے بیان کر اور اپنی سرگزشت سے مطلع کر۔ یہ سن کر غانم بیٹھ گیا اور خلیفہ سے سارا ماجرا بیان کیا جو اسے بغداد میں پیش آیا تھا اور نیز اپنا مقبرے میں سونا اور غلاموں کے چلے جانے کے بعد صندوق کو نکالنا غرضیکہ اس نے ساری سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دی اور دہرانے میں کوئی لطف نہیں۔

جب خلیفہ کو اس کی راست گوئی کا یقین آ گیا تو اس نے اسے خلعت عطا کیا اور اسے اپنا مقرب بنایا اور اس سے کہا کہ میری تقصیر معاف کر۔ غانم نے کہا کہ اے ہمارے آقا سلطان، غلام اور اس کی ساری ملکیت اس کے آقا کی ہے۔ خلیفہ اس بات پر بہت خوش ہوا اور اسے ایک علیحدہ محل رہنے کو دیا اور اس کا روزینہ اور مشاہرہ مقرر کر دیا اور بے حد انعام و اکرام کیا اور اس کو اور اس کی بہن کو اور ماں کو محل میں منتقل کر دیا۔ اب خلیفہ کو یہ خبر ملی کہ اس کی بہن فتنہ حسن میں واقعی فتنہ ہے تو اس نے غانم سے فتنہ کو نکاح میں طلب کیا۔ غانم نے کہا کہ وہ تیری لونڈی ہے اور میں تیرا غلام۔

خلیفہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے ایک لاکھ دینار انعام میں دیئے اور قاضی اور گواہوں کو طلب کیا اور انہوں نے ایک ہی دن میں دو نکاح نامے لکھے۔ ایک خلیفہ کا فتنہ کے ساتھ اور دوسرا غانم بن ایوب کا قوت القلوب کے ساتھ اور غانم ایک ہی رات اپنی بیویوں سے ہم بستر ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے حکم دیا کہ غانم کا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک قلمبند کر لیا جائے تاکہ وہ خزانے میں ہر وقت موجود رہے

اور آئندہ آنے والے لوگ اسے پڑھیں اور قدرت کے ہیر پھیر سے تعجب کریں اور اپنے سارے کلام اس ذات کے سپرد کریں جس نے دن اور رات پیدا کئے ہیں۔ لیکن یہ کہانی بادشاہ عمر بن النعمان اور اس کے دو بیٹوں شرکان اور ضوء المکان اور ان عجیب و غریب باتوں سے جو اس کے ساتھ پیش آئیں، زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا کہانی ہے؟

○ بادشاہ عمر بن النعمان اور اس کے بیٹوں شرکان اور ضوء المکان کی کہانی

اس نے جواب دیا کہ اے نیک بخت بادشاہ عبدالملک بن مروان کی خلافت سے پہلے مدینہ السلام بغداد میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام عمر بن النعمان تھا۔ اس کا شمار بڑے زبردست بادشاہوں میں تھا اور اس نے کسریٰ اور قیصر دونوں کو زیر کر رکھا تھا۔ اس کی آگ میں کسی شخص کو تاپنے کی مجال نہ تھی اور جنگ میں کسی کو اس کی برابری کا دعویٰ نہ تھا اور جب وہ غصے میں آتا تھا تو اس کی نکتوں سے چنگاریاں نکلتی تھیں۔ ہر چار جہت پر اس کی حکومت تھی اور خدا نے اپنے تمام بندوں کو اس کا فرمانبردار کیا تھا اور اس کے احکام تمام شہروں پر جاری کئے تھے اور اس کی فوجوں کا گزر دور دراز ملکوں تک ہو چکا تھا، مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کے تمام ممالک مثلاً ہند اور سندھ اور چین اور حجاز اور یمن اور جزائر اور ہند چین اور بلاد شمال اور دیا بکر اور ارض سوڈان اور جزائر البحار اور دنیا کے بڑے بڑے مشہور دیا مثلاً سیحون اور جیحون اور نیل اور فرات اس کے مطیع تھے اور اس کے اپنی دور دور کے شہروں میں جا کر یہ خبر لاتے کہ لوگوں کے ساتھ انصاف کیا جا رہا ہے اور وہ فرمانبردار ہیں اور امن و امان سے ہیں اور سلطان عمر بن النعمان کے لیے دعا مانگتے ہیں اور اے جہاں پناہ، عمر بن النعمان بڑے بدبے والا بادشاہ تھا اور ہر جگہ سے اس کے پاس تحفے اور تحائف اور خراج آتے تھے۔ اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام شرکان تھا اور جو اس سے بے

حد مشابہ تھا اور گویا آفت کا پرکالہ تھا اور جس نے بہادریوں کو زیر کر رکھا تھا اور ہر مقابل کا قلع قمع کر دیا تھا۔ اس لیے اس کے باپ کو اس سے اتنی محبت تھی کہ جس سے بڑھ کر ہونا ممکن نہ تھا اور اس نے اسے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ جب شرکان بڑھ کر جوان ہوا تو اس کی عمر بیس برس کی ہوئی تو خدا نے اپنی ساری مخلوق کو اس کا فرماں بردار بنا دیا کیونکہ وہ بے حد قوی اور بہادر تھا۔

اس کے باپ عمر بن النعمان کی قرآن اور حدیث کی بنا پر چار بیویاں تھیں۔ لیکن سوائے شرکان کے ان سے کوئی اولاد نہ تھی۔ ان میں سے اس کا ایک بیٹا شرکان تھا اور باقی تین بانجھ تھیں جن میں سے کسی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کے علاوہ قطبی سال کے دنوں کی تعداد کے اعتبار سے اس کی تین سو ساٹھ کنیزیں تھیں اور یہ کنیزیں ہر قوم میں سے تھیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے اس نے ایک محل سرا بنوائی تھی اور کل محل سرائیں شاہی محل کے اندر تھیں۔ اس طرح سے کہ سال کے مہینوں کے اعتبار سے اس نے باہر محل بنوائے اور ہر محل میں تیس تیس محل سرائیں۔ اس طرح سے کل محل سراؤں کی تعداد تین سو ساٹھ ہوئی۔ ان محل سراؤں میں اس نے کنیزوں کو رکھا تھا اور ان میں سے ہر ایک کنیز کے پاس جانے کے لیے رات مقرر تھی۔ اس طرح ہر ایک کی باری پورے سال کے بعد آتی تھی۔ اسی حالت میں وہ ایک زمانے تک بسر کرتا رہا۔ اس اثنا میں اس کے بیٹے شرکان کا ڈنکا ساری دنیا میں بجنے لگا اور باپ کو اس پر نہایت خوشی ہوئی اور اس کی قوت دوبالا ہو گئی اور اس نے دوسرے ملکوں پر فوج کشی کی اور قلعوں اور ولایتوں کو فتح کیا۔ اب عمر بن النعمان کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ اس کی کنیز کو حمل رہ گیا اور اس کا چرچا ہوا اور اس کی خبر بادشاہ تک پہنچی اور وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ کاش کہ میری ساری اولادیں لڑکے ہوں! اور اس نے حمل کا دن لکھ لیا اور اس کنیز کے ساتھ بہت احسانات کرنے لگا۔

جب شرکان کو اس کی خبر ہوئی تو اسے رنج ہوا اور اس پر یہ امر گراں گزرا اور وہ کہنے لگا کہ حکومت میں میرا رقیب آ پہنچا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر کنیز کے

لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے قتل کر ڈالوں گا مگر اس خیال کو اس نے کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ یہ تو شرکان کا قصہ ہوا۔ اب کنیز کا ماجرا سنئے۔ وہ یونانی کنیز تھی اور قیساریہ کے رومی بادشاہ نے اسے عمر بن النعمان کے پاس بطور ہدیہ بھیجا تھا اور اس کے ہمراہ بہت سے تحفے تحائف روانہ کئے تھے۔ اس کنیز کا نام صفیہ تھا اور وہ سب کنیزوں سے زیادہ خوبصورت اور ناک نقشے والی تھی اور اپنی عزت آبرو کا اسے بہت خیال تھا اور بڑی سمجھدار اور حسین تھی۔

جس روز بادشاہ کی باری اس کے ساتھ ہونے کو تھی اس روز اس نے اس کی بہت خدمت کی اور کہا کہ اے بادشاہ، میں آسمان کے خدا سے التجا کرتی ہوں کہ وہ میرے بطن سے تجھے ایک لڑکا عطا کرے اور میں اس کی تربیت بہترین طریقے سے کروں اور اس کی تعلیم اور پختگی میں جان توڑ کر کوشش کروں۔ اس پر بادشاہ خوش ہوا اور اس نے یہ باتیں پسند آئیں۔ اسی حالت میں اس کے حمل کی مدت پوری ہوئی اور وہ زچہ خانے میں آکر بیٹھی۔ اپنے حمل کے زمانے میں وہ ہمیشہ بھلائی کے کام کرتی اور خوب عبادت میں مصروف رہتی اور خدا سے دعا مانگتی کہ وہ اسے نیک اولاد عطا کرے اور اس کی ولادت میں تکلیف نہ ہو۔ خدا نے اس کی دعا قبول کی اور بادشاہ نے ایک خادم کو مقرر کر دیا تھا کہ اسے یہ خبر دے کہ لڑکا پیدا ہو یا لڑکی؟ اسی طرح سے شرکان نے بھی یہ خبر لینے کے لیے ایک آدمی کو مقرر کر رکھا تھا۔ جب صفیہ کے بچہ پیدا ہوا تو دایوں نے تحقیقات کر کے یہ معلوم کیا کہ وہ لڑکی ہے، جس کا چہرہ چاند سے زیادہ چمک دار ہے اور انہوں نے حاضرین کو یہی خبر دی۔ یہ سن کر بادشاہ کا ایلچی واپس گیا اور اس کو خبر پہنچائی اور شرکان کے فرستادہ نے بھی اسے جا کر خبر کی اور اسے اس پر بہت خوشی ہوئی۔

جب خادم واپس گئے تو صفیہ نے دایوں سے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ، کیونکہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے پیٹ میں ابھی کچھ اور باقی ہے۔ یہ کہہ کر وہ پھر کراہنے لگی اور اسے نہ کا درد دوبارہ محسوس ہوا اور خدا نے اسے بچے کی پیدائش میں آسانی کر

دی اور اس کے دوسرا بچہ پیدا ہوا اور دایوں نے اسے دیکھا تو وہ لڑکا تھا جس کی روشن پیشانی اور سرخ گلاب کے سے رخسار چودھویں رات کے چاند کی طرح تھے۔ یہ دیکھ کر صفیہ اور نوکر چاکر اور تمام حاضرین خوش ہو گئے اور صفیہ نفاس سے فارغ ہوئی اور محل میں رنگ رلیاں ہونے لگیں۔ جب اور کنیزوں نے یہ خبر سنی تو وہ حسن کرنے لگیں لیکن عمر بن النعمان کو اس پر بے حد خوشی ہوئی اور وہ فوراً اٹھ کر اس کے پاس گیا اور اس کے سر کو بوسہ دیا اور پھر اس نے لڑکے پر نظر ڈالی اور اس کی طرف جھکا اور اس کو بوسہ دیا۔ اب کنیزیں ڈھولکیں اور دوسرے باجے بجانے لگیں اور بادشاہ نے حکم دیا کہ لڑکے کا نام ضوء المکان رکھا جائے اور اس کی بہن کا نہت الزماں۔ لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کہا کہ بسرو چشم۔ بادشاہ نے ان کی خدمت کے لیے دایاں اور کھلائیاں اور نوکر چاکر مقرر کر دیئے اور شکر اور شربتوں اور مالشوں اور ایسی چیزوں کا روزینہ مقرر کر دیا جن کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ جب بغداد والوں کو ان اولادوں کی خبر ہوئی جو خدا نے بادشاہ کو عطا کی تھیں تو انہوں نے شہر کو سجایا اور نقارے بجائے اور امراء اور وزرا اور رؤسا نے بادشاہ عمر بن النعمان کو اس کے بیٹے ضوء المکان اور بیٹی نہت الزماں پر مبارک باد دی۔ بادشاہ نے مبارکباد پر ان کا شکریہ ادا کیا اور انہیں خلعت عطا کئے اور انہیں پہلے سے زیادہ انعام و اکرام دیا اور ہر خاص و عام پر جو وہاں موجود تھے، بخشش کی۔ یہ حالت چار سال تک رہی اور اس اثناء میں وہ تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد صفیہ اور اس کے بچوں کی خیریت دریافت کرتا رہتا تھا۔ مگر چار سال گزرنے کے بعد اس نے حکم دیا کہ بہت سا زیور اور پوشاکیں اور مال و دولت صفیہ کو عطا کی جائیں اور اسے حکم دیا کہ ان کی تعلیم و تربیت بہترین طریقے سے کرے۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور ادھر شہزادے شرکان کو اس کی خبر بھی نہ تھی کہ اس کے باپ کے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے بلکہ سوائے نہت الزماں کے اور کسی اولاد کا علم نہ تھا

اور لوگوں نے ضوء المکان کی پیدائش اس سے بالکل پوشیدہ رکھی یہاں تک کہ ایک رات گزر گئی اور اس اثناء میں وہ بہادروں کی لڑائی اور شمسواروں کی جنگ میں مشغول رہا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ بادشاہ عمر بن النعمان بیٹھا ہوا تھا کہ حاجب اندر آئے اور زمین کو بوسہ دے کر کہنے لگے کہ اے بادشاہ، روم کے بادشاہ کے ایلچی آئے ہوئے ہیں جو عالی شان قسطنطنیہ کا مالک ہے اور تیری خدمت میں حاضر ہونے اور تیرے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ اگر بادشاہ سلامت انہیں اندر آنے کی اجازت دیں تو ہم اندر لے آئیں ورنہ کون ہے جو اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے! یہ سن کر بادشاہ نے ان کو اندر آنے کی اجازت دی۔ جب وہ اندر آئے تو بادشاہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور مخاطب ہو کر ان کی مزاج پرسی کی اور ان کے آنے کا سبب دریافت کیا۔

یہ سن کر ایلچیوں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے عظیم الشان بادشاہ اور اے بڑی طاقت والے، سن، جس شخص نے ہمیں تیرے پاس بھیجا ہے، وہ افریدون بادشاہ ہے جو یونان کے ملک اور ان عیسائی فوجوں کا مالک ہے جو قسطنطنیہ میں مقیم ہیں۔

وہ تیرے گوش گزار کرنا چاہتا ہے کہ وہ آج ایک ظالم بے رحم بادشاہ کے مقابلے میں لڑ رہا ہے جو قیساریہ کا بادشاہ ہے اور اس لڑائی کی وجہ یہ ہے کہ پرانے زمانے میں عرب کے ایک بادشاہ کو سکندر کے زمانے کا خزانہ ملا تھا۔ اس خزانے میں بے انتہا مال و دولت اپنے ساتھ لے گیا تھا منجملہ اور چیزوں کے جو اس کے ہاتھ لگیں تین گول جواہرات تھے جو شتر مرغ کے انڈوں کے برابر تھے، وہ کسی خالص سفید جواہرات کی کان سے نکلے تھے جس کی نظیر پائی نہیں جاتی اور ان میں سے ہر ایک کے اوپر یونانی زبان میں جادو منقش تھا۔ اور ان میں بڑی خاصیتیں اور فائدے تھے، منجملہ ان کے ایک یہ کہ اگر ان میں سے ایک کسی بچے کے گلے میں پہنایا جائے تو وہ جب تک وہ اس کے گلے میں رہے گا بچے کو نہ تو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ روئے گا اور نہ بیمار پڑے گا۔

جب یہ جواہرات اس کے ہاتھ لگے اور ان کے بھید سے اسے آگاہی ہوئی تو اس نے افریدون بادشاہ کو بعض عجیب و غریب چیزیں اور مال بطور ہدیئے کے بھیجا اور منجملہ ان کے وہ تینوں جواہرات بھی تھے۔ ان چیزوں کو اس نے دو جہازوں کے ہمراہ روانہ کیا، ایک میں تو ہدیئے تھے اور دوسرے میں لوگ جو ان کو سمندر میں ڈاکوؤں سے بچائیں۔ بائیں ہمہ اس کو یقین تھا کہ جہازوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ وہ عرب کے بادشاہ کا مال تھا اور ان جہازوں کا راستہ جن میں تھے اور تحائف تھے اس سمندر میں سے ہو کر جاتا تھا جو قسطنطنیہ کے بادشاہ کی حکومت میں تھا اور وہ جہاز اسی کے پاس جا رہے تھے اور اس سمندر کے کنارے سوائے بڑے بادشاہ افریدون کی رعایا کے اور کوئی نہ رہتا تھا۔ جب وہ جہاز تیار کر کے روانہ کر چکا تو وہ چلتے چلتے ہمارے ملک کے قریب پہنچے تو وہاں کے ڈاکوؤں نے جن میں قیساریہ کے بادشاہ کا لشکر بھی شامل تھے، ان پر حملہ کیا اور تمام تحفے تحائف اور مال اور ذخیرے اور تینوں جواہرات غرضیکہ جو کچھ بھی جہاز میں تھا، سب لوٹ لیا اور لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ جب ہمارے بادشاہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ان کے خلاف ایک لشکر بھیجا لیکن انہوں نے اس لشکر کو تتر بتر کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ایک دوسرا لشکر روانہ کیا جو پہلے سے زیادہ زبردست تھا لیکن انہوں نے اسے بھی بھگا دیا۔ اس پر بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور اس نے قسم کھائی کہ وہ خود اپنے تمام لشکر کے ہمراہ حملہ آور ہو گا اور اس وقت تک واپس نہ آئے گا جب تک وہ ارمنی قیساریہ کو تباہ نہ کر ڈالے اور سارے ملک کو جس پر اس کا بادشاہ حکمرانی کرتا ہے، درہم برہم نہ کر ڈالے۔ اور ہمارا مقصد جہاں پناہ بادشاہ عمر بن النعمان بغداد اور خراسان کے فرمانروا کے پاس آنے سے یہ ہے کہ وہ ہماری مدد اپنی فوج سے کرے تاکہ یہ اس کے لیے فخر کا باعث ہو اور ہمارے بادشاہ نے ہمارے ساتھ طرح طرح کے ہدیئے روانہ کئے ہیں اور اس کی درخواست ہے کہ جہاں پناہ انہیں قبول کر کے اس پر مہربانی فرمائیں۔ یہ کہہ کر ایلچیوں نے زمین کو بوسہ دیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• چھالیسویں رات

جب چھالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب سپاہیوں اور ایلچیوں نے جو قسطنطنیہ کے بادشاہ کے پاس سے آئے تھے بادشاہ عمر بن النعمان کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کر چکے تو انہوں نے اس کے سامنے ہدیے کیے جو یہ تھے: پچاس کنیزیں جو یونان کے ملک میں منتخب تھیں اور پچاس گورے غلام جو اطلس کی قبائیں پہنے ہوئے اور سونے اور چاندی کی پٹیاں باندھے ہوئے تھے اور ہر غلام کے کان میں ایک ایک سونے کی بالی تھی جس میں ایک ہزار مثقال سونے کی قیمت کا ایک موتی جڑا ہوا تھا اور کنیزوں کی بھی یہی حالت تھی اور سب کے سب نہایت بیش قیمت پوشاکیں پہنے ہوئے تھے۔ جب بادشاہ نے ان کو دیکھا تو اس نے خوشی کے ساتھ انہیں قبول کیا اور ایلچیوں کو عزت و احترام سے رکھے جانے کا حکم دیا اور اپنے وزیروں کی طرف متوجہ ہو کر ان سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے؟

یہ سن کر ان میں سے ایک وزیر اٹھا جو بہت بوڑھا تھا اور جس کا نام دندان تھا اور اس نے بادشاہ عمر بن النعمان کے آگے زمین کو بوسہ دے کر کہا کہ اے بادشاہ، اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ تو ایک جرار لشکر تیار کرے اور اپنے بیٹے شرکان کو اس کا سپہ سالار بنائے اور ہم سب اس کی غلامی کے لیے حاضر ہیں۔ میرے نزدیک یہ رائے دو وجہوں سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اول یہ کہ یونان کے بادشاہ نے تجھ سے مدد مانگی ہے اور تیرے لیے ہدیے بھیجے ہیں جو تو نے قبول کر لیے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دشمن کی ہمت ہمارے ملک میں آکر لڑنے کی تو پڑنی نہیں لہذا اگر تیرا لشکر یونان کے بادشاہ کی حفاظت کرے اور اس کے دشمن کو شکست دے تو یہ فتح تیری طرف منسوب ہو گی اور اس کی شہرت ہر ملک اور خطے میں پھیل جائے گی اور بالخصوص جب یہ خبر جزائر البحر میں پہنچے گی اور پچھم والے اسے سنیں گے تو وہ تیرے پاس

ہدیے اور تحفے اور مال و دولت روانہ کریں گے۔ جب بادشاہ نے وزیر کی باتیں سنیں تو وہ اسے بہت پسند آئیں اور اس کے خیال میں وہ ٹھیک تھیں اور اس نے وزیر کو خلعت عطا کی اور کہا کہ تجھ ہی جیسے آدمی سے بادشاہوں کو مشورہ لینا چاہیے اور تجھے فوج کی سپہ سالاری اور میرے بیٹے شرکان کو تیرے پیروی کرنی چاہیے۔

یہ کہہ کر بادشاہ نے اپنے بیٹے شرکان کو حاضر کیے جانے کا حکم دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس نے اپنے باپ کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور بیٹھ گیا۔ اب بادشاہ نے اس سے سارا قصہ بیان کیا اور ایلچیوں اور وزیر دندان کی گفتگو سے اسے مطلع کیا اور اس سے کہا کہ سارا سامان لے کر سفر کی تیاری کر اور وزیر دندان کی کسی کاروائی میں مخالفت نہ کریو۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ میرے لشکر میں سے دس ہزار سوار چن لے جن کے پاس لڑائی کا مکمل سامان ہو اور جو جم کر لڑنے والے ہوں اور جنگ کی تکلیف کو برداشت کر سکیں۔ شرکان نے اپنے باپ عمر بن النعمان کا حکم مان لیا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور شاہی لشکر میں سے دس ہزار سوار منتخب کیے اور اپنے محل میں داخل ہو کر لشکر کا معائنہ کیا اور انہیں انعام و اکرام دیا اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو تین دن کی مہلت ہے۔ یہ سن کر انہوں نے اس کی فرمانبرداری کے اظہار میں اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس کے پاس سے رخصت ہو کر تیاری میں لگ گئے۔ اب شرکان نے اسلحہ خانے میں جا کر اسلحہ اور جن جن چیزوں کی ضرورت تیاری کے لیے تھی، لیں اور اصطبل میں جا کر اسیل گھوڑے وغیرہ منتخب کیے۔

تین روز ٹھہرنے کے بعد لشکر بغداد سے باہر نکلا اور عمر بن النعمان اپنے بیٹے شرکان سے رخصت ہونے کے لیے آیا۔ شرکان نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس نے شرکان کو مال و دولت کے ساتھ خزانے بطور ہدیے کے دیے اور وزیر دندان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں اپنے لڑکے کا لشکر تیرے سپرد کرتا ہوں۔ وزیر نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا کہ بسرو چشم۔ اب بادشاہ نے اپنے بیٹے شرکان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ہر معاملے میں وزیر سے مشورہ کیجیو۔ اس نے قبول کیا

اور اس کا باپ شہر کو واپس گیا۔ اب شرکان نے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ لشکر کا جائزہ لیں اور انہوں نے جائزہ لیا تو لشکر کی تعداد واقعی دس ہزار سوار تھی۔ بہیر ان کے علاوہ تھی۔ اب لوگوں نے سارا سامان لادا اور ڈھول اور شہنائیاں بجنے لگیں اور جھنڈے اور علم اڑنے لگے۔ شاہزادہ شرکان گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے پہلو میں اس کا وزیر دندان اور ان کے اوپر جھنڈے لہلہا رہے تھے۔ اسی طرح وہ ایلچیوں کی رہبری میں چلے جاتے تھے یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات ہو گئی اور انہوں نے اتر کر آرام کیا اور رات گزاری۔

پھر جب خدا نے دن نکالا تو وہ سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ اسی طرح سے بیس روز تک وہ کوچ کرتے رہے اور ایلچی ان کی رہبری کرتے جاتے تھے۔ اکیسویں دن وہ ایک وادی میں پہنچے جو بڑی لمبی چوڑی تھی اور جس میں بہت سے درخت اور سبزہ تھا۔ چونکہ لشکر رات کے وقت اس وادی میں پہنچا تھا اور لیے شرکان نے حکم دیا کہ لوگ وہاں اتر کر تین روز تک قیام کریں۔ سپاہیوں نے اتر کر ڈیرے ڈنڈے ڈال دیئے اور ادھر ادھر متفرق ہو گئے۔ وزیر دندان وادی کے بیچ میں اترتا اور اس کے ساتھ قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون کے ایلچی تھے اور شاہزادہ شرکان لشکر کے اترنے کے ایک پہر بعد تک ٹھہرا

رہا۔ یہاں تک کہ سبھوں نے وادی میں ہر طرف متفرق ہو کر ڈیرے ڈنڈے ڈال دیئے۔ اس کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی تاکہ وادی کا حال دریافت کرے اور اپنے باپ کی نصیحت کے بموجب خود پہرے داری کرے کیونکہ یہاں سے دشمن کے ملک یونان کی ابتدا ہوتی تھی۔ الغرض اس نے اپنے غلاموں اور مقربین کو وزیر دندان کے پاس اترنے کا حکم دیا اور خود تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر وادی کے ایک طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ چوتھائی رات گزر گئی اور وہ تھک گیا اور نیند اس پر غالب آگئی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ بھی نہ لگا سکتا تھا۔ اس کو گھوڑے کی پیٹھ پر سو جانے کی عادت تھی، اس لیے جب اس پر نیند کا غلبہ ہوا تو وہ

سو گیا اور گھوڑا اسے لیے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ آدھی رات ہو گئی اور گھوڑا اس کے ساتھ ایک گھنی جھاڑی میں پہنچا جہاں بہت سے درخت تھے۔ شرکان کی آنکھ اس وقت تک نہ کھلی جب تک کہ گھوڑے کی ٹاپیں زمین پر تڑ تڑ نہ پڑنے لگیں اور جب وہ جاگا تو اس نے دیکھا کہ اس کے چاروں طرف درخت ہی درخت ہیں اور چاندنی مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ جب شرکان نے اپنے آپ کو اس جگہ پر دیکھا تو وہ سہم گیا اور کلمہ پڑھنے لگا جس کے پڑھنے والے کو کبھی شرمندگی نہیں ہوتی یعنی لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔

وہ اسی حالت میں تھا اور اسے وحشی جانوروں سے ڈر لگ رہا تھا اور چاندنی سبزہ زار پر اس طرح کھیت کیے ہوئے تھی کہ وہ جنت کا سبزہ زار معلوم ہوتا تھا کہ اتنے میں اسے پیاری باتیں اور اونچی آواز اور ایک ایسا قہقہہ سنائی دیا جو مردوں کی عقل کو سلب کر لیتا ہے۔ یہ سن کر شاہزادہ شرکان اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اسے ایک درخت سے باندھ دیا اور چلتے چلتے ایک دیا کے قریب پہنچا جو بہہ رہا تھا اور وہاں اس نے ایک عورت کو عربی میں کہتے سنا کہ مسیح کی قسم، تمہاری یہ بات نازبا ہے اور اگر تم میں سے کسی نے ایک لفظ بھی کہا تو میں اسے اٹھا کر پٹک دوں گی اور اس کی پیٹی سے اس کی مشکیں باندھ دوں گی۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں اور شرکان اس طرف چلا جا رہا تھا جدھر سے آواز آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اس دیا پر پہنچ گیا جو بہہ رہا تھا اور جہاں پرندے چھما رہے تھے اور غزال ٹہل رہے تھے اور چڑیاں اپنی اپنی بولیوں میں خوشی منا رہی تھیں۔ یہ جگہ طرح طرح کے سبزہ زار سے زردوز تھی۔ شرکان نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اسے ایک خانقاہ دکھائی دی جس کے اندر چاندنی میں ایک بلند قلعہ نظر آتا تھا۔ اس خانقاہ کے بیچ میں ایک نہر تھی جس کے پانی سے یہ سارے باغ سینچے جاتے تھے اور وہاں ایک عورت تھی جس کے آگے دس کنیریں بیٹھی ہوئی تھیں جو چاند کی طرح خوبصورت تھیں اور جن کے لباس اور زیور کو دیکھ کر آنکھیں

چندھیا جاتی تھیں اور وہ سب کی سب با کہہ تھیں۔

شرکان نے ان دسوں پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ ان کے بیچ میں ایک لڑکی چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ اس کے بال گھونگر والے ہیں اور پیشانی چمک دار اور آنکھیں بڑی بڑی اور کالی کالی اور گیسو بچھو کی طرح، صورت اور سیرت میں کامل۔ شرکان نے سنا کہ وہ کنیزوں سے کہہ رہی ہے کہ آؤ کشتی لڑیں۔ قبل اس کے کہ چاند ڈوب جائے اور سویرا نکل آئے۔ یہ سن کر ایک ایک آگے بڑھتی اور لڑکی اسے پٹک کر اس کی پٹی سے مشکیں باندھ دیتی۔ اسی طرح سے وہ ان سے کشتی لڑتی اور انہیں پٹکتی رہی یہاں تک کہ سب کو پٹک چکی۔ اب اس لڑکی کی طرف ایک بڑھیا متوجہ ہوئی جو اس کے آگے کھڑی تھی اور غصے میں آکر اس سے کہنے لگی کہ اے پتیا، ان کنیزوں کو بچھاؤ تو پھولی نہیں ساتی۔ ادھر دیکھ کہ اگرچہ میں بڑھیا ہوں لیکن ان کو چالیں بار بچھاؤ چکی ہوں۔ آخر تجھے کس بات پر گھمنڈ ہے! اگر تجھے میرے مقابلے میں آنے کی ہمت ہے تو اٹھ تاکہ میں تیرا مقابلہ کروں اور تیرے سر کو تیری ٹانگوں کے بیچ میں کر دوں۔ اس پر وہ لڑکی ظاہراً مسکرائی لیکن اندر ہی اندر غصے میں بھری ہوئی تھی اور اٹھ کر کہنے لگی کہ اے میری آقا ذات الدواہی، تجھے مسیح کی قسم، سچ بتا کہ تو مجھ سے واقعی کشتی لڑنا چاہتی ہے یا میرے ساتھ مذاق کر رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ واقعی لڑنا چاہتی ہوں۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سینتالیسویں رات

جب سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب لڑکی نے ذات الدواہی سے کہا کہ میں تجھے مسیح کی قسم دیتی ہوں کہ سچ بتا کہ تو واقعی مجھ سے لڑنا چاہتی ہے یا محض مذاق کر رہی ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں تجھ سے واقعی لڑنا چاہتی ہوں، اور شرکان ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لڑکی نے کہا کہ اگر تجھ میں ہمت ہو تو اٹھ اور کشتی لڑ۔ جب بڑھیا نے یہ سنا تو وہ طیش میں آگئی اور اس کے بدن کے بال سیہ کے کانٹوں کی طرح کھڑے ہو گئے اور اس نے ایک جست ماری اور لڑکی بھی اس کے مقابلے میں آئی اور بڑھیا اس سے کہنے لگی کہ اے پتیریا، قسم ہے مسیح کی کہ میں تجھ سے بغیر برہنہ ہوئے نہ لڑوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ریشتی رومال لیا اور اپنے لباس کے بند کھولے اور دونوں ہاتھ کپڑوں کے نیچے ڈال کر ان کو سر کے اوپر سے اتار لیا اور رومال کو بٹ کر اپنی کمر میں باندھ لیا۔ اب اس کی شکل گنجی چڑیل یا چتکبرے سانپ کی سی نکل آئی اور وہ لڑکی کی طرف جھکی اور کہنے لگی کہ تو بھی میری طرح کر۔

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر شرکان ان دونوں کو کھڑا دیکھ رہا تھا اور بڑھیا کی صورت دیکھ دیکھ کر ہنستا جاتا تھا۔ جب بڑھیا تیار ہو چکی تو لڑکی اطمینان سے اٹھی اور ایک یمنی لنگی دوہری کر کے اپنی کمر میں باندھ لی اور اپنی شلوار چڑھا لی یہاں تک کہ دو پنڈلیاں مرمر کی طرح دکھائی دینے لگیں جن کے اوپر بلور کا ایک نرم اور گول تودہ تھا اور ایک پیٹ جس کے گڑھوں میں سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ گویا اس پر شقائق النعمان کا بچھونا بچھا ہوا ہے اور ایک سینہ جس پر دو پستان تھے گویا دو دانے انار کے۔ اب بڑھیا اس کی طرف جھکی اور دونوں نے ایک دوسرے کو پکڑا۔ یہ دیکھ

کر شرکان نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ سے دعا مانگی کہ لڑکی بڑھیا سے جیت جائے۔ اب لڑکی بڑھیا کے نیچے گھس گئی اور اپنا بایاں ہاتھ اس کے کمر بند پر رکھا اور دہنا اس کی گردن اور حلقوم پر اور اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ اب بڑھیا نے چاہا کہ لڑکی کے ہاتھ چھڑا کر آزاد ہو جائے لیکن ایسا کرنے میں وہ زمین پر چت آ پڑی اور اس کی دونوں ٹانگیں اوپر اٹھ گئیں اور اس کی شرمگاہ کے بال چاندنی میں چمکنے لگے اور اس سے دور ریحیں خارج ہو گئیں۔ ایک تو زمین سے جا کر نکرائی اور دوسری ہوا کے اوپر کی طرف اڑ گئی۔ اس پر شرکان ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور اپنی تلوار کھینچی اور دہنے بائیں دیکھا لیکن سوائے بڑھیا کے اور کوئی نظر نہ آیا جو زمین پر چت پڑی تھی۔ شرکان نے اپنے دل میں کہا کہ جس نے تیرا نام ذات الدور رکھا ہے بالکل ٹھیک رکھا ہے تجھے تو اس لڑکی کی قوت کا پتہ لگ چکا تھا اور جب وہ دوسروں سے کشتی لڑتی تھی۔

یہ کہہ کر وہ دونوں کے قریب گیا تاکہ سنے کہ ان دونوں میں کیا پیش آتا ہے اور اس نے دیکھا کہ لڑکی آگے بڑھی اور اس نے بڑھیا پر ایک باریک ریشم کا رومال ڈال دیا اور اسے کپڑے پہنائے اور اس سے معافی مانگی اور کہنے لگی کہ اے میری آقا ذات الدواہی، میرا مقصد محض تجھے بچھاڑ دینا تھا مگر یہ نہ تھا جو تیرے ساتھ پیش آیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تو اپنے بدن کو مروڑ کر میرے ہاتھ سے نکل جانا چاہتی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح سلامت ہے۔ بڑھیا نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور شرمندہ ہو کر اٹھی اور چلتی ہوئی اور چلتے چلتے نظر سے غائب ہو گئی اور وہاں محض کنیریں خشکیں بندھی ہوئی پڑی تھیں اور وہ لڑکی تنہا کھڑی تھی۔ شرکان نے اپنے دل میں کہا کہ ہر مقدر کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے اور میرے نیند نہ آنے اور میرے گھوڑے کا مجھے اس جگہ لانے کا سبب میری خوش بختی ہے تاکہ یہ لڑکی اور تمام کنیریں جو اس کے ساتھ ہیں میرے ہاتھ لگیں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور

اس پر چڑھ کر ایڑ لگائی اور وہ اسے لے کر یوں اڑا جس طرح کمان سے تیر اور شرکان کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی اور اس نے پکار کر اللہ اکبر کہا۔ جب لڑکی نے اسے دیکھا تو وہ فوراً کھڑی ہوئی اور نہر کے اس کنارے پر اپنے قدم جما کر کھڑی ہو گئی۔ نہر کی چوڑائی مستعمل گز سے چھ گز تھی۔ اس نے ایک چھلانگ ماری اور نہر کے دوسرے کنارے پہنچ گئی اور مضبوطی سے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا کہ اے شخص، تو کون ہے کہ تو نے ہماری خوشی کو مکدر کیا ہے؟ اور تو تلوار کھینچے کہاں جا رہا ہے گویا کہ تو فوج پر حملہ آور ہے؟ تو کہاں سے آ رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ سچ بیان کر، کیونکہ سچائی تیرے لیے زیادہ مفید ہے اور جھوٹ مت بول کیونکہ جھوٹ بولنا رزیلوں کی عادت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آج رات تو راہ بھول گیا ہے اور اس جگہ آ پہنچا ہے جہاں سے بچ کر چلا جانا بڑی خوش قسمتی ہو گی۔ اس وقت تو ایک ایسے میدان میں ہے کہ اگر میں ایک آواز دوں تو ابھی چار ہزار جوان آموچہ ہوں گے۔ کہہ تو کیا چاہتا ہے؟ اگر تو چاہتا ہے کہ ہم تجھے راہ بتا دیں تو ہم بتا دیں گے اور اگر تو ہماری مدد چاہتا ہے تو ہم مدد کرنے کو تیار ہیں۔

جب شرکان نے اس کی باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ میں ایک پردیسی مسلمان ہوں، آج رات میں غنیمت کی تلاش میں تنہا نکلا تھا اور اس چاندنی رات میں ان دس کنیزوں سے بڑھ کر غنیمت کا مال میرے ہاتھ نہیں لگا۔ لہذا میں ان کو لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ غنیمت کے مال تک تو تو ابھی پہنچا نہیں اور کنیزیں تو واللہ تیرا غنیمت کا مال نہیں ہیں۔ میں نے کہا نہ تھا کہ جھوٹ بولنا عیب کی بات ہے۔ اس نے جواب دیا کہ عقلمند وہ شخص ہے جو دوسروں سے سبق حاصل کرے۔ لڑکی نے کہا کہ مسیح کی سچائی کی قسم، اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ کہیں تیری موت میرے ہاتھ سے نہ آئے تو میں ابھی ایک آواز دیتی جس سے یہ میدان سواروں اور پیادوں سے بھر جاتا، لیکن میں پردیسیوں پر رحم کھاتی ہوں اور اگر تو غنیمت کا خواہش مند ہے تو میں یہ چاہتی ہوں کہ اپنے گھوڑے پر سے اتر اور اپنے دین کی

قسم کھا کہ تو میرے پاس کوئی ہتھیار لے کر نہ آئے گا بلکہ تو مجھ سے کشتی لڑے گا۔ اگر تو نے کشتی میں مجھے بچھاڑ دیا تو مجھے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر ہم سب کو بطور غنیمت کے مال کے لیے جایو۔ اور اگر میں تجھے بچھاڑ دوں تو میں تجھ پر اپنا حکم چلاؤں گی مگر پہلے قسم کھا، میں ڈرتی ہوں کہ کہیں تو دغا بازی نہ کرے! کیونکہ یہ ضرب المثل ہے کہ اگر کسی کی گھٹی میں دغا بازی پڑی ہو تو وہ اعتبار کے قابل نہیں ہوتا لیکن اگر تو حلف اٹھا لے تو میں ابھی کود کر تیرے پاس پہنچتی ہوں۔

شرکان کو اس کے پکڑنے کا لالچ تو تھا ہی، اس نے اپنے دل میں کہا کہ اسے اس بات کی خبر نہیں کہ میرا شمار سورماؤں میں ہے۔ پھر اس نے اس سے کہا کہ مجھے تو جس چیز کی چاہے قسم دے اور جس قسم پر تیرا بھروسہ ہو کہ، میں تیرے پاس کوئی چیز لے کر نہ آؤں گا جب تک تو پوری تیاری نہ کر لے گی اور مجھ سے نہ کہے گی کہ قریب آتا کہ میں تجھ سے کشتی لڑوں۔ بس اس وقت میں تیرے قریب آؤں گا۔ اگر تو نے مجھے بچھاڑ دیا تو میرے پاس اتنا مال ہے کہ میں اسے دے کر اپنے آپ کو چھڑا لوں، اور اگر میں نے تجھے بچھاڑ دیا تو یہ میرے لیے بڑا غنیمت کا مال ہے۔ لڑکی نے کہا کہ یہ مجھے منظور ہے۔ شرکان اس پر متحیر ہوا اور کہنے لگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی قسم کہ میں بھی اپنی طرف سے راضی ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ اب اس ذات کی قسم کھا جس نے جسموں میں جان ڈالی ہے اور انسانوں کے لیے قوانین بنائے ہیں کہ اگر کشتی کے علاوہ تو میرے ساتھ کوئی اور حرکت کرے اور تو اسلامی موت نہ مرے۔ شرکان نے کہا کہ اگر کوئی قاضی مجھ سے قسم کھلواتا، خواہ وہ قاضی القضاہ ہی کیوں نہ ہوتا، تو وہ بھی مجھ سے یہ قسمیں نہ کھلواتا۔ یہ کہہ کر اس نے جتنی قسمیں کھلوائیں وہ سب شرکان نے کھالیں اور اپنے گھوڑے کو درخت سے باندھ دیا اور سوچ میں ڈوب گیا اور کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اسے حقیر پانی سے پیدا کیا۔ یہ کہہ کر شرکان نے اپنی کمر کس لی اور کشتی کے لیے تیار

ہو گیا اور لڑکی سے کہا کہ نہر کو پار کر کے ادھر آ۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے کیا غرض کہ پار کر کے تیرے پاس آؤں۔ اگر تو چاہتا ہے تو پار کر کے میرے پاس آ۔ شرکان نے جواب دیا کہ یہ میرے بس سے باہر ہے۔ لڑکی نے کہا کہ اے جوان! اچھا تو میں ہی تیرے پاس آتی ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے اپنا دامن اٹھایا اور ایک چھلانگ مار کر نہر کے اس کنارے آ گئی جہاں شرکان تھا۔ اب شرکان اس کے قریب آیا اور جھکا اور ہاتھ پر ہاتھ مارا، مگر وہ اس کے حسن و جمال میں محو تھا کیونکہ اس نے ایک ایسی صورت کا مشاہدہ کیا جس کو قدرت کے ہاتھ نے پریوں کی خوبصورتی میں سے اپنے چلو سے نکالا ہے اور حفاظت کے ہاتھ نے اس کی تربیت کی ہے اور سعادت کی ہوائیں اس پر چلی ہیں اور اس کی پیدائش کے وقت نیک طالع نے اسے دودھ پلایا ہے۔ الغرض وہ لڑکی آئی اور اس نے بلند آواز سے کہا کہ اے مسلمان! کشتی کے لیے آگے بڑھ قبل اس کے کہ دن نکلے۔

یہ کہہ کر اس نے اپنی آستین چڑھالی اور اس کی کلائیوں پر تروتانہ دبی کی طرح چمکنے لگیں اور ان سے وہ ساری جگہ روشن ہو گئی۔ شرکان کو حیرانی ہوئی مگر وہ جھکا اور ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اس لڑکی نے بھی ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اس سے لپٹ گئی اور وہ بھی اس سے لپٹ گیا اور دونوں باہم گتہ گئے اور شرکان نے اپنا ہاتھ اس کی پتلی کمر پر رکھا اور اس کی انگلیاں اس کے نرم نرم پیٹ پر چھ گئیں اور اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے اور حسرتوں نے اسے آگھیرا اور اس کی نظر پیٹ پر پڑی جو لوچ دار تھا اور وہ اس طرح کانپنے لگا جیسے کہ تیز ہوا میں ایرانی سینٹھا۔ ادھر اس کا یہ حال تھا اور ادھر لڑکی نے اسے اٹھا کر زمین پر دے پٹکا اور چوڑوں کے بل جو ریت کے تودے کی طرح تھے اس کے سینے پر چڑھ بیٹھی۔ یہاں تک کہ اس کی عقل جاتی رہی۔ اب اس لڑکی نے کہا کہ اے مسلمان! تم لوگوں کے یہاں عیسائیوں کو قتل کرنا جائز ہے۔ پس اگر میں تجھے قتل کر ڈالوں تو تو کیا کہے گا؟ اس نے کہا کہ اے میری آقا! تیرا فیصلہ میرے قتل کے متعلق حرام ہے کیونکہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں اور گوشہ نشینوں کو قتل کرنے کی ممانعت کی ہے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ اگر تمہارے پیغمبر پر اس قسم کی وحی اتری ہے تو ہمیں لازم ہے کہ ہم بھی اس کی نیکی کا بدلہ نیکی سے دیں۔ اس لیے اٹھ میں تیری جان بخشی کرتی ہوں کیونکہ انسان کے ساتھ احسان کرنا ضائع نہیں جاتا۔

یہ کہہ کر وہ شرکان کے سینے پر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ بھی ٹیڑھی پسلیوں والی کے سامنے اپنے سر سے خاک جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ اس کی طرف جھک کر کہنے لگی کہ شرمندہ مت ہو مگر یہ بتا کہ جو شخص یونان کے ملک میں داخل ہوتا ہے اور غنیمت کے مال کا طالب ہوتا ہے اور بادشاہوں کی مدد کرنے آتا ہے اس میں اتنی بھی قوت نہیں کہ وہ ٹیڑھی پسلی والیوں سے اپنی مدافعت کر سکے۔ شرکان نے جواب دیا کہ یہ میری کمزوری کی دلیل نہیں ہے اور نہ تو نے اپنی قوت سے مجھے بچھاڑا ہے لیکن وہ تیرا حسن ہے جس نے مجھے دے پٹکا ہے۔ اگر تو مجھے ایک بار اور موقع دے تو تیری مہربانی ہو گی۔ یہ سن کر وہ ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ منظور ہے مگر کنیزوں کی مشکلیں بہت دیر سے بندھی ہوئی ہیں اور ان کی کلائیاں اور پہلو دکھنے لگے ہوں گے اس لیے مناسب ہے کہ میں ان کی مشکلیں کھول دوں کیونکہ ممکن ہے کہ تیرے ساتھ یہ دوسری بازی کشتی دیر تک چلے۔ یہ کہہ کر وہ کنیزوں کے پاس گئی اور ان کی مشکلیں کھول دیں اور ان سے یونانی زبان میں کہنے لگی کہ امن و امان کی جگہ چلی جاؤ تاکہ اس مسلمان کے لالچ سے محفوظ رہو۔ یہ سن کر کنیزیں چلتی ہوئیں اور شرکان دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا اور وہ سب ان دونوں کا تماشا دیکھنے لگیں۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے اور پیٹ سے پیٹ لگا۔ جب لڑکی نے یہ دیکھا تو بجلی سے زیادہ پھرتی کے ساتھ اس نے شرکان کو اپنے ہاتھ پر اٹھا کر زمین پر دے پٹکا اور وہ چاروں شانے چت گر پڑا۔ لڑکی نے کہا کہ اٹھ، میں نے دوبارہ تیری جان بخشی کی۔ پہلی بار میں نے تیرے پیغمبر کی وجہ سے تجھ پر احسان کیا کیونکہ اس نے عورتوں کا قتل کرنا روا

نہیں رکھا اور دوسری بار میں تیری کمزوری اور کم سنی اور تیرے پردہ کی وجہ سے تجھے چھوڑتی ہوں۔

لیکن میں تجھ سے یہ کہتی ہوں کہ اگر مسلمانوں کی فوج میں جو عمر بن النعمان نے قسطنطنیہ کے بادشاہ کی مدد کے لیے بھیجی ہے کوئی شخص تجھ سے زیادہ طاقتور ہو تو اسے میرے پاس بھیج اور اس سے کہہ کہ میرے ساتھ کشتی لڑے کیونکہ کشتی کے بہت سے طریقے اور مدارج اور قسمیں ہیں، منجملہ ان کے مسابقہ اور منازلہ اور دونوں ٹانگیں لینا اور ان کو کاٹنا اور معرکہ اور شاک۔ شرکان کو غصہ آیا اور اس نے کہا کہ اگر آج استاد صفدی یا محمد قیمال یا ابن السدی موجود ہوتے تو وہ بھی یہ تیج مجھے نہ سکھا سکتے جو تو نے بیان کیے ہیں۔ لیکن اے میری آقا، تو نے اپنے زور سے مجھے زیر نہیں کیا، لیکن تو دھوکا دے کر مجھے اپنے کولھوں کے پاس لے آئی اور ہم عراق والے موٹی رانوں پر مرتے ہیں، اس لیے میرے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اگر تو مجھ سے ایسی حالت میں کشتی لڑنی چاہتی ہے جبکہ میرے ہوش و حواس درست ہوں تو محض اس اصول سے لڑ سکتا ہوں کیونکہ اس حالت میں میری عقل سلامت رہ سکتی ہے۔

جب لڑکی نے اس کی یہ باتیں سنیں تو کہنے لگی کہ اے مغلوب، اس کشتی سے تیرا کیا مقصد ہے؟ اچھا آ، مگر جان لے کہ یہ آخری کشتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ جھکی اور شرکان کو کشتی کے لیے بلایا۔ شرکان بھی اس کی طرف جھکا اور اس بار مذاق سے نہیں بلکہ سنجیدگی سے اور تھوڑی دیر تک دونوں گتھے رہے اور لڑکی نے محسوس کیا تھا کہ اس میں طاقت ہے اور اس سے کہنے لگی کہ اے مسلمان، تو بڑی احتیاط کے ساتھ لڑ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں، تجھے معلوم ہے کہ یہ تیرے ساتھ میری آخری کشتی ہے اور اس کے بعد ہم دونوں اپنی اپنی راہ چلتے ہوں گے۔ یہ سن کر وہ ہنسنے لگی اور شرکان بھی ہنس پڑا۔ اسی حالت میں وہ اس کی ران کی طرف بڑھی اور ابھی اس کو خبر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس نے ران پر ہاتھ مارا اور شرکان کو زمین پر پٹک

دیا اور وہ چاروں شانے چت گر پڑا۔ اب وہ ہنسنے لگی کہ تو چوکر کی روٹی کھاتا ہے اور یا تو دبلے لمبے بدو کی طرح ہے جو ایک گھڑکی میں گر جاتا ہے، اور یا تو پر کی طرح ہے جو ہوا سے گر پڑتا ہے۔ حیف ہے تجھ پر، اے کمبخت! پھر وہ کہنے لگی کہ مسلمانوں کے لشکر میں جا اور میرے مقابلے میں کسی اور کو بھیج۔ کیونکہ تو بہت کمزور ہے اور عربوں اور ایرانیوں اور ترکوں اور دیلمیوں میں ڈھنڈورا پڑا دے کہ جس میں طاقت ہو وہ میرے پاس آئے۔

یہ کہہ کر اس نے ایک چھلانگ ماری اور نہر کے دوسرے کنارے جا پہنچی اور شرکان سے مذاقا کہنے لگی کہ اے میرے آقا، تیری جدائی میرے اوپر شاق ہے مگر پو پھٹنے سے پہلے اپنے ساتھیوں کے پاس چلتا ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ سورما، آکر تجھے نیزوں کی نوکوں پر رکھ لیں۔ تجھ میں عورتوں سے مدافعت کی قوت تو ہے نہیں، پھر تو اپنے آپ کو بہادر سواروں سے کس طرح بچا سکے گا۔ شرکان اپنے دل ہی دل میں حیران ہوا اور اس سے کہنے لگا، درآنحالیکہ وہ اس کی طرف منہ پھیر کر دیر کی طرف جانے لگی، کہ اے میری آقا، کیا تو مجھ غمزہ پر دہی مسکین اور دل شکستہ کو چھوڑ کر جا رہی ہے؟ اب وہ ہنس کر اس کی طرف مخاطب ہوئی اور کہنے لگی کہ مانگ کیا چاہتا ہے تاکہ میں تیری حاجت روائی کروں۔ اس نے جواب دیا کہ میں تیری زمین پر قدم رکھوں اور تیری مہربانیوں کی مٹھاس چکھوں اور بغیر تیرا نمک کھائے واپس جاؤں، حالانکہ میں تیرا غلام ہو چکا ہوں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ سوائے رذیل شخص کے کوئی بھلائی سے منہ نہیں موڑتا۔ چل اللہ کے نام پر۔ بسرو چشم! اپنے گھوڑے پر سوار ہو لے اور میرے ساتھ ساتھ نہر کی دوسری طرف چل، کیونکہ تو میرا مہمان ہے۔ شرکان خوش ہو گیا اور اپنے گھوڑے کے پاس گیا اور اس پر سوار ہو کر لڑکی کے مقابلے میں چلنے لگا اور وہ اس کے مقابلے میں چلنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ ایک پل کے پاس پہنچا جو لکڑی کا بنا ہوا اور فولاد کی زنجیروں سے کسا ہوا تھا اور جس میں قفل لگے ہوئے تھے۔ شرکان

کی نظر اس پل پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ وہاں وہ کنیریں جو اس لڑکی کے ساتھ کٹی لڑی تھیں، کھڑی اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ جب لڑکی ان کے پاس پہنچی تو وہ ان میں سے ایک کی طرف مخاطب ہو کر یونانی زبان میں کہنے لگی کہ اس شخص کے پاس جا اور اس کے گھوڑے کی لگام تھام کر اسے نہر کے دوسرے طرف دیر میں پہنچا دے۔

اب وہ لڑکی آگے آگے چلی اور شرکان پیچھے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ وہ پل کے پار ہو گیا اور جو کچھ اس نے دیکھا تھا، اس سے اس کی عقل دنگ تھی اور وہ اپنے دل میں کہتا جاتا تھا کہ کاش کہ وزیر دندان یہاں میرے ساتھ ہوتا اور وہ اپنی آنکھوں سے ان حسین چہروں کو دیکھتا۔ اب وہ اس لڑکی کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے حسن کی پتلی، اب تیرے اوپر میرے دو حق ہو گئے ایک تو صحبت کا حق اور دوسرا اس بات کا کہ میں نے تیری ضیافت قبول کی ہے اور تیرے گھر جا رہا ہوں اور تیرا تابع اور فرمانبردار بن چکا ہوں۔ کاش کہ اب تو میرے اوپر مہربانی کرے اور میرے ساتھ اسلامی ممالک میں چلے اور تمام بہادر سرداروں کو دیکھے اور یہ معلوم کرے کہ میں کون ہوں! جب لڑکی نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اسے غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگی کہ قسم ہے حضرت عیسیٰ کی حقانیت کی، اب تک میں تجھے سمجھ دار خیال کرتی تھی، لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ تیرے دل میں کھوٹ ہے؟ تیرے لیے یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ تو ایسی باتیں کرے جن کی وجہ سے تیرے اوپر دغا بازی کا گمان ہو۔ اور میں ایسا کام کس طرح کر سکتی ہوں جیسا کہ مجھے معلوم ہے کہ اگر میں تمہارے بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس پہنچ گئی تو وہاں سے چھٹکارا ناممکن ہے کیونکہ میرا جواب نہ اس کے شہر میں ہے اور نہ اس کے محلوں میں، مانا کہ وہ بغداد اور خراسان کا بادشاہ ہے اور اس کے باہر محل ہیں اور ان تمام محلوں میں اتنی کنیریں ہیں جتنے کہ سال میں دن ہوتے ہیں اور محلوں کی تعداد اتنی ہے جتنی کہ سال میں مہینوں کی۔ اگر کہیں میں اس کے پاس پہنچ گئی تو وہ مجھ سے ہرگز درگزر نہ کرے گا کیونکہ تمہارے

اعتقاد کے موافق میں تمہارے لیے حلال ہوں جس طرح سے کہ تمہاری کتابوں میں مذکور ہے کہ ”یا وہ عورتیں جو تمہاری ملکیت ہیں تمہارے لیے حلال ہیں“ پھر تو مجھ سے اس طرح کی باتیں کیوں کرتا ہے! اور تیرا یہ کہنا کہ میں مسلمان سوراؤں کا تماشا دیکھوں‘ مسیح کی حقانیت کی قسم! سچ نہیں‘ کیونکہ دو روز سے جب سے کہ تمہارا لشکر ہمارے ملک میں داخل ہوا ہے‘ میں اس کو دیکھ رہی ہوں اور مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہاری تربیت شاہانہ تربیت نہیں بلکہ تم لوگ تیز بیروں کی طرح جمع کر لیے گئے ہو اور تیرا یہ کہنا کہ تاکہ میں جانوں کہ تو کون ہے‘ بے معنی ہے‘ کیونکہ میں تیرے ساتھ اس لیے بھلائی نہیں کرتی کہ تو بڑا آدمی ہے بلکہ اس لیے کہ اس میں میرے لیے فخر کی بات ہے اور اگر تو بادشاہ عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان بھی ہوتا جس کا ڈنکا زمانے میں بج رہا ہے تاہم مجھ جیسے کے متعلق تیرا یہ کہنا زیبا نہیں۔ اس نے کہا کہ کیا تو جانتی ہے کہ شرکان کون ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ ہاں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ لشکر کے ساتھ آیا ہے جس کی تعداد دس ہزار سوار ہیں۔ اور اس کے باپ عمر بن النعمان نے یہ فوج اس کے ساتھ قسطنطنیہ کے بادشاہ کی مدد کے لیے بھیجی ہے۔ شرکان نے کہا کہ اے میری آقا‘ میں تجھے تیرے دین کی قسم دیتا ہوں جس پر تیرا اعتقاد ہے کہ تو مجھے اس کے سبب سے مطلع کرے تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ اور اس جنگ کا وبال کس کے سر ہے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ میں تجھے تیرے مذہب کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگوں میں یہ خبر مشہور ہو جائے گی کہ میں یونانی لڑکی ہوں تو میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دس ہزار سواروں کے مقابلے میں نکل کھڑی ہوتی اور ان کے سردار وزیر دندان کو قتل کرتی اور ان کے شہسوار شرکان کو زیر کرتی اور یہ میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن میں نے کتابیں پڑھی ہیں اور عربی ادب کی تعلیم پائی ہے اس لیے میں بہادری میں اپنی تعریف نہیں کرتی۔ اگرچہ تو نے کشی اور فصاحت و بلاغت میں میری قوت اور کرب کا تجربہ کر لیا ہے اور اگر تیری جگہ اس وقت شرکان

ہوتا اور اس سے کہا جاتا کہ اس نہر کو پھاند تو وہ نہ پھاند سکتا۔ اور میری آرزو ہے کہ کاش کہ حضرت مسیح اسے میرے سامنے اس دیر میں لے آئیں اور میں مردوں کی طرح اس کا مقابلہ کروں اور اسے گرفتار کر کے اس کے بیڑیاں ڈال دوں۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی معلوم ہوئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• اڑتالیسویں رات

جب اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب اس عیسائی لڑکی نے شرکان سے یہ باتیں کہیں اور نیز یہ کہ اگر شرکان سے میری مڈبھیڑ ہو جائے تو میں مردانہ وار اس کا مقابلہ کروں گی اور اسے زین سے نیچے گرا کر اسے بیڑیوں اور زنجیروں سے جکڑ دوں گی تو یہ سن کر شرکان کی غیرت اور حمیت اور بہادرانہ نخوت جوش میں آگئی اور اس نے ارادہ کیا کہ اپنے آپ کو ظاہر کر دے اور اس پر حملہ کر بیٹھے لیکن لڑکی کا حسن اس وقت اس کے آڑے آگیا۔ اب وہ آگے بڑھی اور شرکان اس کے پیچھے پیچھے تھا اور اس کی نظر لڑکی کی پیٹھ پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ اس کے کولھے متلاطم سمندر کی طرح لہریں مار رہے ہیں۔ چلتے چلتے وہ دونوں ایک محرابی دروازے پر پہنچے جس کی محراب مرمر کی تھی اور لڑکی نے دروازہ کھولا اور شرکان کے ساتھ ایک لمبی غلام گردش میں داخل ہوئی جس کے اوپر دس محرابیں تھیں جو ایک دوسرے سے پیوست تھیں اور ہر محراب میں بلور کا ایک ایک شمعدان لڑکا ہوا تھا جو جلتی ہوئی آگ کی طرح روشن تھا۔ اس کے دوسرے کنارے پر معطر موم بتیوں کے ساتھ اس کا استقبال کنیزوں نے کیا جن کے سروں پر نگینوں سے جڑی ہوئی زرکش ٹوپیاں تھیں اور یہ نگینے، طرح طرح کے جواہرات تھے۔ یہ کنیزیں آگے ہو لیں اور لڑکی ان کے پیچھے پیچھے اور اس کے پیچھے پیچھے شرکان یہاں تک کہ وہ خانقاہ میں پہنچیں اور شرکان نے دیکھا کہ خانقاہ کے چاروں طرف آمنے سامنے تخت بچھے ہوئے ہیں اور ان پر سونے کے کڑھے ہوئے پردے پڑے ہیں اور خانقاہ کا فرش رنگ برنگ پتھروں کی پچی کاری کا ہے اور بیچ میں پانی کا حوض ہے جس میں چوبیس سونے کے فوارے ہیں جن میں سے پگھلی ہوئی چاندی کی طرح پانی نکل رہا ہے اور اس نے دیکھا کہ صدر میں ایک تخت بچھا ہوا ہے اور اس پر ریشمی فرش ہے۔

لڑکی نے شرکان سے کہا کہ اے میرے آقا! اس تخت پر بیٹھ۔ وہ تخت پر بیٹھ گیا اور لڑکی وہاں سے چلی گئی اور کچھ دیر تک غائب رہی۔ شرکان نے بعض ملازموں سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ اپنی آرامگاہ میں ہے اور ہم لوگ اس کے حکم کے بموجب تیری خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ اس کے بعد ملازم طرح طرح کے کھانے لائے اور وہ کھا کر سیر ہو گیا۔ پھر وہ ایک سونے کی سیلبچی اور ایک چاندی کا لوٹا لائے اور اس نے ہاتھ دھوئے۔ لیکن اس کا دل اپنے لشکر میں لگا ہوا تھا کیونکہ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کے بعد ان پر کیا گزری ہو گی؟ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اس نے اپنے باپ کی نصیحت کو کس طرح فراموش کر دیا۔ وہ انہیں باتوں پر متحیر اور اپنے کیے پر پشیمان تھا کہ صبح ہو گئی اور دن نکل آیا۔ اس پر وہ افسوس کرنے اور آہیں بھرنے لگا اور سوچ میں ڈوب گیا اور اشعار پڑھنے لگا۔ جب وہ پڑھ چکا تو اسے ایک عجیب و غریب تماشا نظر آیا۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ بیس سے زیادہ چاند کی سی کنیروں کے درمیان وہ لڑکی وہاں آموچ ہوئی جیسے ستاروں کے درمیان چودھویں رات کا چاند ہو۔ کنیریں اس کو بیچ میں لے ہوئے تھیں اور اس کا لباس شاہانہ اطلس کا تھا اور وہ اپنی کمر میں گندھی ہوئی پیٹھی باندھے ہوئے تھی جس میں طرح طرح کے جواہرات نکلے ہوئے تھے۔ یہ پیٹی اس کی کمر سے چست بندھی ہوئی تھی اور اس کے کولھے ابھرے ہوئے تھے گویا چاندی کی شاخ کے نیچے بلور کے تودے تھے۔ اور اس کے دونوں سینے گویا بڑے اناروں کا جوڑا تھا۔ جب شرکان نے یہ دیکھا تو مارے خوشی کے اس کی عقل اڑ گئی اور وہ اپنے لشکر اور وزیر کو بھول گیا اور اس لڑکی کے سر کو غور سے دیکھنے لگا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس پر موتیوں کا ایک جال پڑا ہوا ہے اور اس میں جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور کنیریں دہنے بائیں اس کا دامن اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ ناز سے جھومتی چلی آتی ہے۔ یہ دیکھ کر شرکان فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے حسن و جمال کا نظاہ کرنے لگا اور کہنے لگا کہ پناہ، پناہ! اس پیٹی سے!

اب لڑکی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی اور بار بار دیکھا کی۔ یہاں تک کہ وہ یقین

کے ساتھ اس کو پہچان گئی اور آگے بڑھ کر کہنے لگی کہ اے شرکان، غریب خانہ تیری وجہ سے معزز اور روشن ہو گیا۔ اے عالیشان مرد، ہمارے چلے جانے اور تجھ کو اکیلا چھوڑ جانے کے بعد تیری رات کیسی گزری؟ اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ جھوٹ بولنا بادشاہوں کے لیے عیب ہے اور بری بات، بالخصوص بڑے بادشاہوں کے لیے۔ اور تو بادشاہ عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان ہے، لہذا اپنے راز کو مت چھپا اور اس کے بعد مجھ سے جھوٹ مت بول کیونکہ جھوٹ بولنے سے بغض اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ قسمت کا تیر تیرے لگ چکا ہے، اب تیرے لیے سوائے تسلیم اور رضا کے کوئی چارہ نہیں۔ جب لڑکی نے یہ کہا تو شرکان کے لیے انکار کا کوئی امکان نہ رہا۔ اس لیے اس نے ہاں کہہ دیا اور کہنے لگا کہ میں عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان ہوں جس پر زمانے نے مصیبت ڈالی اور اس جگہ لے آیا، اب تیرا جو جی چاہے، میرے ساتھ کر۔ اس پر وہ دیر تک سر نیچا کیے رہی۔ بالآخر اس نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ خوش ہو اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر کیونکہ تو میرا مہمان ہے اور ہمارے درمیان روٹی اور نمک کا واسطہ ہو چکا ہے، تو میری پناہ میں ہے لہذا مطمئن رہ۔ مسیح کی قسم، اگر سارا زمانہ تجھے ایذا پہنچانا چاہے تو جب تک تیری خاطر میری روح نہ نکل جائے، کوئی تیرے قریب نہیں پھٹک سکتا کیونکہ تو میری اور مسیح کی امان میں ہے۔

یہ کہہ کر وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گئی اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگی یہاں تک کہ اس کا رہا سہا ڈر جاتا رہا اور اسے یقین ہو گیا کہ اگر وہ اسے قتل کرنا چاہتی تو آج رات کر چکی ہوتی۔ اس کے بعد اس نے ایک کنیر سے یونانی زبان میں کچھ کہا اور وہ جا کر شراب کا پیالہ اور کھانے اور دسترخوان لے آئی۔ لیکن شرکان نے کھانے میں توقف کیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ کہیں اس نے کھانے میں کچھ ملا نہ دیا ہو! لڑکی اس کے دل کی بات سمجھ گئی اور اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ مسیح کی سچائی کی قسم، یہ بات نہیں ہے جو تیرا خیال ہے وہ اس کھانے میں ملا ہوا نہیں۔ اگر میں تجھے مار ڈالنا چاہتی تو پہلے مار چکی ہوتی۔ یہ کہہ کر وہ دستر

خوان کی طرف بڑھی اور ہر کھانے میں سے ایک نوالہ کھایا، اس پر شرکان بھی کھانے لگا۔ لڑکی خوش ہو گئی اور وہ بھی اس کے ساتھ کھانے لگی۔ یہاں تک کہ دونوں سیر ہو گئے اور انہوں نے ہاتھ دھوئے۔ جب دونوں ہاتھ دھو چکے تو وہ بھی اٹھی اور اس نے ایک کنیر کو حکم دیا کہ وہ عطریات اور شراب کا سامان یعنی سونے چاندی اور بلور کے جام لائے اور کہا کہ شرابیں تمام قسموں کی ہونی چاہئیں۔ کنیر وہ تمام چیزیں لے آئی جو اس نے مانگی تھیں۔ اب لڑکی نے پہلا جام بھرا اور شرکان سے پہلے اسے پی لیا جس طرح کہ اس نے کھانے کے ساتھ کیا تھا۔ پھر اس نے دوسرا بھرا اور شرکان کو دیا اور وہ پی گیا۔ لڑکی نے کہا کہ اے مسلمان، دیکھ کہ تو کیسے عیش اور مسرت کے مزے میں ہے۔ وہ برابر اس کے ساتھ پیتی اور اسے پلاتی رہی یہاں تک کہ وہ نشے میں چور ہو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• انچاسویں رات

جب انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- لڑکی برابر بیٹی جاتی اور شرکان کو پلائی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ شراب اور اس کی محبت کے نشے میں چور ہو گیا۔ اب لڑکی نے ایک کنیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے مرجانہ، کوئی ساز لا۔ اس نے جواب دیا کہ بسرو چشم اور جا کر دمشق سارنگی اور ایرانی چنگ اور تاتاری ”نے“ اور مصری بربط لے آئی۔ لڑکی نے سارنگی لی اور اس کے تار ٹھیک کیے اور کسے اور ایسی پیاری آواز سے گانے لگی جو نسیم سے زیادہ ہلکی اور جنت کے پانی سے زیادہ میٹھی تھی اور جو سلیم دل سے نکل رہی تھی۔ اس کے بعد سب کنیریں ایک ایک باجالے کر کھڑی ہو گئیں اور یونانی زبان میں گانے لگیں اور شرکان وجد میں آ گیا۔ اب ان کی مالکہ بھی گانے لگی اور اس نے کہا کہ اے مسلمان، کیا تو میرا گانا نہیں سمجھا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، لیکن میرے وجد کی وجہ تیری انگلیوں کی خوبصورتی ہے، لڑکی نے ہنس کر کہا کہ اگر میں عربی میں گاؤں تو تیرا کیا حال ہو گا؟ اس نے جواب دیا کہ میری عقل جاتی رہے گی۔ لڑکی نے باجا اپنے ہاتھ میں لیا اور تان بدل کر بجانے اور گانے لگی۔ جب وہ گا چکی تو کیا دیکھتی ہے کہ شرکان اپنے آپ سے باہر ہے اور ان کے درمیان میں پڑا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کو افاقہ ہوا تو وہ گانے کو یاد کر کے وجد کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ مے نوشی میں مشغول ہو گئے اور ہنسی مذاق کرنے لگے یہاں تک کہ دن رات سے بدل گیا اور رات نے اپنے پر پھیلا دیے اور وہ لڑکی اٹھ کر اپنی خوابگاہ میں چلی گئی۔ شرکان نے لوگوں سے پوچھا کہ وہ کہاں گئی۔ انہوں نے جواب دیا کہ خوابگاہ میں۔ اس نے کہا کہ خدا اسے اپنی امان میں رکھے!

جب صبح ہوئی تو ایک کنیر آکر کہنے لگی کہ میری مالکہ تجھے یاد کرتی ہے۔ شرکان اٹھ

کھڑا ہوا اور کنیز کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ جب وہ لڑکی کے کمرے کے پاس پہنچا تو کنیزوں نے اس کا استقبال ڈھولکوں اور گیتوں سے کیا یہاں تک کہ وہ ایک بڑے دروازے پر پہنچا جو ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا اور جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ جب وہ اس کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ بہت بڑا مکان ہے اور اس کے صدر میں ایک دالان جس میں طرح طرح کے ریشمی فرش بچھے ہوئے ہیں اور دالان کے چاروں طرف جھروکے دار کھڑکیاں ہیں جو کھلی ہوئی ہیں اور جن کے نیچے درخت ہیں اور نہریں جاری ہیں اور مکان میں بت رکھے ہوئے ہیں اور ان کے اندر کچھ ایسے آلات ہیں کہ جب ہوا ان میں داخل ہوتی ہے تو دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ باتیں کر رہے ہیں اور وہ لڑکی بیٹھی ہوئی ان کو دیکھ رہی ہے۔ جب لڑکی نے شرکان کو دیکھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور اس سے پوچھا کہ رات کس طرح گزاری؟ شرکان نے اسے دعا دی اور وہ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے اور شراب پینے لگے یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کی سیاہی چھا گئی۔ اب لڑکی اٹھی اور اپنی خوابگاہ میں جا کر سو رہی اور شرکان اپنی جگہ سو رہا۔ جب صبح ہوئی اور وہ بیدار ہوا تو کنیزیں دستور کے موافق ڈھولکیں اور دوسرے باجے لے کر اس کے پاس پہنچیں اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگیں کہ بسم اللہ، چل، ہماری مالکہ یاد کرتی ہے۔ شرکان اٹھ کھڑا ہوا اور کنیزیں اس کے ارد گرد ڈھولکیں اور دوسرے باجے بجاتی ہوئی چلیں یہاں تک کہ وہ اس مکان سے نکل کر دوسرے مکان میں داخل ہوا جو زیادہ وسیع تھا اور جس میں چڑیوں اور جانوروں کی مورتیں تھیں جن کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ شرکان کو اس مکان کی کاریگری دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔

جب لڑکی نے شرکان کو دیکھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے شرکان کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور کہنے لگی کہ اے بادشاہ عمر بن النعمان کے بیٹے، تو شطرنج کھیلنا بھی جانتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ اب اس نے شرکان کے آگے شطرنج

کی بساط بچھائی اور اس کے ساتھ کھینے لگی۔ جب شرکان اس کی چال کو دیکھتا تو اس کی صورت میں محو ہو جاتا اور بجائے فیل کے گھوڑا اور بجائے گھوڑے کے فیل چل دیتا۔ اس پر لڑکی ہنستی اور کہتی کہ اگر تو اس طرح کھیلتا ہے تو تو کچھ بھی نہیں جانتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو پہلی بازی ہے، یہ کسی شمار میں نہیں۔ جب وہ بار چکا تو شرکان نے دوسری بازی بچھائی اور لڑکی کے ساتھ کھینے لگا۔ لیکن وہ دوسری بار بھی جیت گئی اور تیسری بار بھی اور چوتھی بار بھی اور پانچویں بار بھی۔ اس پر لڑکی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو تو ہر چیز میں ہار جاتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تجھ جیسے سے جو کھیلے گا وہ ضرور ہارے گا۔ اس کے بعد اس نے کھانا منگوا یا اور دونوں نے کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ پھر ان دونوں کے لیے شراب لائی گئی اور انہوں نے پی اور لڑکی نے برباں اٹھایا کیونکہ وہ اس میں بڑی ماہر تھی اور بجانے لگی۔ رات تک ان کا یہی شغل رہا اور یہ دن پہلے دن سے بھی زیادہ مزے میں گزرا۔ جب رات ہو گئی تو لڑکی اپنی خوابگاہ میں گئی اور شرکان کے پاس سوائے کینروں کے اور کوئی باقی نہ رہا اور وہ فرش پر لیٹ کر سو گیا۔ جب صبح ہوئی تو کینریں دستور کے موافق ڈھولکیں اور دوسرے باجے لے کر آئیں۔ انہیں دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا اور کینریں اسے اپنے ساتھ لے کر لڑکی کے پاس گئیں۔ لڑکی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور اس سے پوچھا کہ رات کیسی گزری؟ شرکان نے اسے دعائیں دیں کہ خدا تیری عمر میں ترقی دے اور وہ سارنگی لے کر گانے بجانے لگی۔

وہ اسی حالت میں تھے کہ انہیں شور و غل سنائی دیا اور سپاہی اور سردار جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں چمک رہی تھیں غول کے غول آ پہنچے اور یونانی زبان میں کہنے لگے کہ اے شرکان، تو اب ہمارے ہاتھ آ گیا ہے، اب تو اپنی موت یقینی جان، جب شرکان نے یہ سنا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ واللہ، اس لڑکی نے مجھے دھوکا دیا ہے اور مجھے اسی لیے روکے رکھا تھا کہ اس کا لشکر آ پہنچے اور یہ وہی سردار ہیں جن سے وہ

ڈراتی تھی مگر میں نے خود اپنی جان ہلاکت میں ڈالی ہے۔ اب وہ لڑکی کی طرف متوجہ ہوا اور اسے ڈانٹنے لگا لیکن اس نے دیکھا کہ لڑکی کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ان سے کہنے لگی کہ تم لوگ کون ہو؟ اس پر ان کے اعلیٰ سردار نے جواب دیا کہ اے عالی قدر شہزادی اور لاجواب موتی، کیا تو نہیں جانتی کہ تیرے پاس یہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، میں نہیں جانتی ہوں۔ بتاؤ کہ یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ وہی ہے جس نے شہروں کو تباہ کیا ہے اور جو شہسواروں کا سوار ہے۔ یہ بادشاہ عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان ہے۔ یہ وہی ہے جس نے قلعے فتح کیے ہیں اور زبردست گڑھیوں کو سر کیا ہے۔ اس کی خبر تیرے باپ بادشاہ حردوب کو تیری ماں ذات الدواہی سے ملی ہے اور اس سے یہ خبر سن کر ہمارے بادشاہ تیرے باپ کو یقین آ گیا ہے۔ اس کبخت شیر کو گرفتار کر کے تو نے یونانی فوج کو کامیاب کر دیا ہے۔ جب لڑکی نے سردار کی باتیں سنیں تو وہ اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگی کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا نام ماسوہ ہے اور میرا باپ تیرا غلام موسوہ اور دادا کاشرہ ہے اور میں سرداروں کا سردار ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ تو بغیر میری اجازت کے کیسے اندر آ گیا؟ اس نے جواب دیا کہ اے میری آقا، جب میں پھانک پر پہنچا تو کسی حاجب نے مجھے روکا اور نہ کسی دربان نے۔ بلکہ سب دربان کھڑے ہو کر ہمارے آگے آگے چلنے لگے جیسا کہ ان کا دستور ہے۔ لیکن جب میرے علاوہ اور کوئی آتا ہے تو وہ اسے پھانک پر کھڑا رکھتے ہیں اور پہلے اندر آکر اجازت لیتے ہیں۔ مگر اب زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے کیونکہ بادشاہ انتظار میں ہے کہ ہم اس شہزادے کو لے کر اس کے پاس لوٹیں، کیونکہ اسلامی لشکر کی شوکت کا سبب یہی ہے، اور وہ اس کو قتل کرے اور اس کی فوج بغیر لڑائی لڑے اپنے گھر واپس جائے۔

جب لڑکی نے اس کی باتیں سنیں تو کہنے لگی کہ تو بڑی نامناسب باتیں کرتا ہے۔ لیکن ذات الدواہی نے جھوٹ کہا ہے، سچ نہیں کہا کیونکہ وہ حقیقت سے ناواقف ہے۔ مسیح

کی سچائی کی قسم، یہ شخص جو میرے یہاں ہے شرکان نہیں اور نہ وہ میرا قیدی ہے بلکہ وہ ایک معمولی شخص ہے جو ہمارے پاس آیا اور ہماری مہمانی کی درخواست کی ہے اور ہم نے اسے اپنا مہمان بنایا ہے۔ اگر مجھے تحقیق کے ساتھ معلوم بھی ہو جائے کہ یہ شرکان ہی ہے اور ہمیں اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے تو بھی میری مروت یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ جس شخص کو میں نے پناہ دی ہو اسے تم لوگوں کے حوالے کر دوں۔ لہذا میرے مہمان کے بارے میں برا نہ بناؤ اور لوگوں میں میری رسوائی نہ کراؤ۔ بلکہ مناسب ہے کہ تو میرے باپ بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دے اور اس سے کہہ کہ واقعہ اس کے خلاف ہے جو ذات الدواہی نے بیان کیا ہے۔ سردار ماسوہ نے کہا کہ اے ابرینہ، میں بغیر اس دشمن کو لیے ہوئے بادشاہ کے پاس واپس نہیں جا سکتا۔ لڑکی نے طیش میں آکر کہا کہ تو میرا جواب لے کر بادشاہ کے پاس جا، تیرے اوپر کوئی الزام نہیں۔ ماسوہ نے کہا کہ بے اس کے واپس نہ جاؤں گا۔ اس پر لڑکی کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس سے کہنے لگی کہ زیادہ بک بک مت کر اور باتیں نہ بنا کیونکہ جب یہ شخص یہاں آیا ہے تو اس یقین کے ساتھ آیا ہے کہ وہ تنہا سو سواروں پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ اگر تو اس سے پوچھے گا کہ تو ہی بادشاہ عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان ہے تو وہ جواب دے گا کہ ہاں۔ لیکن میں تمہیں اسے منہ لگانے نہ دوں گی اور اگر تم اس کے مقابلے میں آؤ گے تو وہ جب تک اس گھر میں سب کو قتل نہ کر ڈالے گا یہاں سے نہ لوٹے گا۔ دیکھ اس وقت وہ یہاں میرے پاس موجود ہے اور میں اسے ڈھال اور تلوار دے کر تمہارے سامنے پیش کرتی ہوں۔ سردار ماسوہ نے جواب دیا کہ اگر میں تیرے غضب سے بچ بھی جاؤں تاہم تیرے باپ کے غضب سے نہیں بچ سکتا۔ جب میں اسے دیکھوں گا تو دوسرے سرداروں کو اشارہ کروں گا کہ وہ اسے قید کر کے ذلت کے ساتھ بادشاہ کے پاس لے چلیں۔ جب لڑکی نے یہ باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ رذالت کی ابتدا ہے کیونکہ وہ اکیلا ہے اور تم سو سوار ہو۔ اگر تم اس کا مقابلہ کرنا چاہتے

ہو تو ایک ایک کر کے اس کے سامنے آؤ تا کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ تم میں
سے بہادر کون ہے؟
اب شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے
اجازت ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• پچاسویں رات

جب پوری پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- شہزادی ابرینہ نے سردار سے کہا کہ یہ شخص اکیلا ہے اور تم سو لیکن اگر تم اس سے لڑنا چاہتے ہو تو ایک ایک کر کے آؤ تاکہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ تم میں سے کون بہادر ہے؟ سردار ماسوہ نے کہا کہ مسیح کی سچائی کی قسم، تیری رائے ٹھیک ہے۔ لیکن سب سے پہلے میں اس کے مقابلے میں آؤں گا۔ لڑکی نے کہا کہ ذرا صبر کر تاکہ میں اس کے پاس جا کر تیرا پیغام پہنچا دوں اور دیکھوں کہ وہ کیا جواب دیتا ہے؟ اگر وہ مان گیا تو اچھا ہے اور اگر اس نے انکار کر دیا تو میں اور میری کنیریں اور جو کوئی اس خانقاہ میں ہے سب کے سب اس پر صدقے ہو جائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ شرکان کے پاس گئی اور اس سے سارا ماجرا کہا۔ شرکان مسکرایا کیونکہ اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس نے اس کا بھید کسی سے نہیں کہا بلکہ اس کی خبر پھلتے پھلتے بغیر اس لڑکی کے ارادے کے بادشاہ تک پہنچ گئی۔ یہ سوچ کر وہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ آخر میں نے یونانیوں کے ملک میں آکر اپنی جان جوکھوں میں کیوں ڈالی! جب وہ لڑکی کی باتیں سن چکا تو کہنے لگا کہ ان کا ایک ایک کر کے میرے مقابلے میں آنا ان کے لیے بہت تکلیف دہ ہو گا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ دس دس میرے مقابلے میں آئیں۔ لڑکی نے کہا کہ یہی تو ظلم ہے۔ بس ایک کے مقابلے میں ایک!

جب شرکان نے یہ سنا تو وہ اچھل پڑا اور نکل کر ان کے سامنے آ گیا اور اس کی تلوار اور دوسرے ہتھیار اس کے پاس تھے۔ یہ دیکھ کر سردار نے لپک کر اس پر حملہ کیا۔ شرکان نے شیر کی طرح اس کا مقابلہ کیا اور اس کی گردن پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ چمکتی ہوئی اس کی پیٹھ اور آنتوں میں ہو کر نکل گئی۔ یہ دیکھ کر لڑکی کے دل

میں اس کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور یقین آ گیا کہ جب اس نے شرکان کو کشتی میں پچھاڑا تھا تو اپنی طاقت سے نہیں بلکہ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے پچھاڑا تھا۔ اب لڑکی نے دوسرے سرداروں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اپنے ساتھی کا بدلہ لو۔ یہ سن کر مقتول کا بھائی جو بڑا قوی ہیکل تھا، آگے آیا اور اس نے شرکان پر حملہ کیا مگر شرکان نے اسے ذرا بھی مہلت نہ دی اور ایسی تلوار ماری کہ وہ گردن کو کاٹی ہوئی چمک کر آنتوں کے پار ہو گئی۔ اب پھر لڑکی نے چلا کر کہا کہ اے مسیح کے بندو! اپنے ساتھی کا بدلہ لو۔ یہ سن کر وہ ایک ایک کر کے آتے گئے اور شرکان ان کی گردنیں اڑاتا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے ان میں سے پچاس سرداروں کو لڑکی کی آنکھ کے سامنے قتل کر ڈالا۔ باقی لوگوں پر اتنا رعب بیٹھا کہ کسی کی ہمت تنہا آگے آنے کی نہ ہوئی بلکہ سب نے ایک ساتھ دھاوا بول دیا اور شرکان نے بھی اپنے دل کو پتھر سے زیادہ مضبوط کر کے ان کا مقابلہ کیا اور ان کا کچلا بنا دیا۔ یہاں تک کہ ان کی جان نکل گئی اور ہوش و حواس جاتے رہے۔ لڑکی نے اپنی کینروں سے پوچھا کہ خانقاہ میں کون باقی رہ گیا ہے؟ انہوں نے کہا دربانوں کے علاوہ کوئی نہیں۔ اب شنزادی آگے بڑھ کر اس کے پاس آئی اور اسے گلے لگایا۔ اس معرکے کو سر کرنے کے بعد شرکان شنزادی کے ساتھ محل کے اندر داخل ہوا کیونکہ جو سردار باقی رہ گئے تھے وہ خانقاہ کے کونوں میں جا کر چھپ گئے۔ جب لڑکی نے دیکھا کہ اب محض تھوڑے سے باقی رہ گئے ہیں تو شرکان کے پاس سے چلی گئی اور جب لوٹی تو وہ ایک تنگ حلقوں کی زہ پہنے ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک ہندی تلوار تھی اور اس نے کہا کہ مسیح کی سچائی کی قسم! میں اپنے مہمان کی خاطر اپنی جان سے بھی دریغ نہ کروں گی اور نہ میں اس کا ساتھ چھوڑوں گی خواہ اس وجہ سے میں کل یونان میں بدنام ہی کیوں نہ ہو جاؤں۔

جب اس نے مقتول سرداروں کا شمار کیا تو اسے معلوم ہوا کہ شرکان نے ان میں سے اسی کو قتل کر دیا ہے اور باقی بیس بھاگ گئے ہیں۔ جب اس نے دیکھا تو کہا اے

شرکان، واہ رے بہادر شہسوار تجھ پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ اب شرکان اٹھا اور اپنی تلوار کو مقتولوں کے خون سے پونچھ کر صاف کیا۔ جب وہ فارغ ہو چکا تو لڑکی مسکراتی ہوئی اس کے سامنے آئی اور اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنی زہ اتار ڈالی جو وہ اپنے ہوئے تھی۔ شرکان نے کہا کہ اے میری آقا، تو نے یہ زہ کیوں پہنی تھی اور نگلی تلوار لے کر کیوں آئی تھی؟ اس نے کہا کہ تجھے ان رزیلوں سے بچانے کے لیے۔ اس کے بعد لڑکی نے دربانوں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ تم نے بادشاہ کے لوگوں کو بغیر میری اجازت کے کیوں اندر آنے دیا؟ انہوں نے کہا کہ اے شہزادی، یہ دستور نہیں ہے کہ بادشاہ کے ایلچیوں کے لیے ہم تجھ سے اجازت لیں بالخصوص بڑے سردار کے لیے۔ اس نے کہا کہ میرے خیال میں تمہارا مطلب یہی تھا کہ میری ہتک ہو اور میرا مسمان مارا جائے۔ یہ کہہ کر اس نے شرکان سے کہا کہ ان کی گردنیں اڑا دے اور اس نے اڑا دیں۔ باقی نوکروں سے اس نے کہا کہ تم اس سے زیادہ کے مستحق ہو۔ اس کے بعد وہ شرکان کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اب میرا راز تجھ پر ظاہر ہو گیا، لہذا میں اپنا سارا قصہ تجھے سنائے دیتی ہوں۔

سن، میں یونان کے بادشاہ حردوب کی بیٹی ہوں اور میرا نام ابرینہ ہے اور وہ بڑھیا جس کا نام ذات الدواہی ہے، میری دادی ہے اور اسی نے میرے باپ کو تیری خبر پہنچائی ہے۔ اب وہ ضرور مجھے ہلاک کرنے کے لیے کوئی چال چلے گی بالخصوص جبکہ تو نے میرے باپ کے سرداروں کو قتل کیا ہے اور میرے متعلق یہ مشہور ہو چکا ہے کہ میں مسلمانوں کے ساتھ تنہا رہ کر خراب ہو چکی ہوں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ جب تک ذات الدواہی میرے پیچھے لگی ہوئی ہے، اس وقت تک میں یہاں نہ رہوں۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ جس طرح میں نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے، تو بھی میرے ساتھ بھلائی کرے کیونکہ تیرے سبب سے میرے اور میرے باپ کے درمیان دشمنی ہو چکی ہے۔ لہذا میری تمام باتیں مان کیونکہ یہ سب تیری ہی وجہ سے ہوا ہے۔ جب شرکان نے یہ باتیں سنیں تو مارے خوشی کے اس کی عقل اڑ گئی اور اس کا سینہ پھول گیا

اور وہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم، جب تک میری جان میں جان ہے، کوئی تجھے ہاتھ نہیں لگا سکتا، لیکن یہ بتا کہ تو اپنے باپ اور خاندان کی جدائی برداشت کر سکتی ہے؟ اس پر شرکان نے اس سے حلف اٹھوایا اور دونوں میں معاہدہ ہو گیا۔ لڑکی نے کہا کہ اب میرا دل ٹھنڈا ہو گیا لیکن ابھی ایک اور شرط تیرے لیے باقی ہے۔ شرکان نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ یہ ہے کہ تو اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اپنے ملک کو واپس چلا جا۔ شرکان نے کہا کہ اے میری آقا، میرے باپ عمر بن النعمان نے مجھے تیرے باپ سے لڑنے کے لیے بھیجا ہے کیونکہ اس نے کچھ مال لوٹ لیا ہے۔ منجملہ ان کے تین بڑے جواہرات ہیں جن میں بہت سے خاصیتیں ہیں۔ لڑکی نے کہا کہ اطمینان رکھ اور خوش ہو، میں ابھی ان کا قصہ تجھ سے بیان کرتی ہوں اور یہ کہ ہم میں اور قسطنطینیہ کے بادشاہ میں کیوں دشمنی ہوئی۔ ہمارے یہاں ہر سال ایک عید ہوتی ہے جس کا نام خانقاہ کی عید ہے۔ اس میں ہر طرف سے بادشاہ اور بڑے لوگوں کی بیٹیاں اور بیویاں آتی ہیں۔ یہ عید سات دن تک رہتی ہے اور میں بھی اس میں شامل ہوتی ہوں۔ جب دونوں بادشاہوں میں دشمنی ہو گئی تو میرے باپ نے سات سال تک مجھے اس عید میں شریک ہونے سے منع کر دیا۔

ایک سال ایسا اتفاق ہوا کہ دستور کے موافق بڑے لوگوں کی بیٹیاں عید کے موقع پر خانقاہ آئی ہوئی تھیں اور منجملہ ان کے، قسطنطینیہ کے بادشاہ کی بیٹی بھی تھی جو نہایت حسین تھی اور جس کا نام صفیہ تھا۔ چھ دن رہ کر ساتویں دن لوگ واپس گئے۔ مگر صفیہ نے کہا کہ میں تو سوائے سمندر کے راستے کے اور کسی راستے سے قسطنطینیہ نہ جاؤں گی لہذا اس کے لیے ایک کشتی تیار کی گئی اور وہ مع اپنی سہیلیوں کے، اس میں بیٹھی اور کشتی کے لنگر اٹھا دیے گئے۔ کشتی چلی جا رہی تھی کہ طوفان اٹھا اور کشتی راہ سے بے راہ ہو گئی۔ اتفاقاً اس جگہ جزیرہ کافور کے عیسائیوں کی ایک کشتی تھی جس میں پانچ سو مسلح فرنگی تھے جن کو جہاز رانی کرتے زمانہ گزر چکا تھا۔ جب انہوں نے اس کشتی کے بادبان دیکھے جس میں صفیہ اور اس کے ساتھ لڑکیاں تھیں تو وہ اس کی طرف تیز

تیز بڑھے اور ایک گھنٹے کے اندر اندر اس کشتی کو آ لیا اور کانٹے پھینک کر اسے کھینچ لیا اور اس کے بادبان گرا دیے اور اپنے جزیرے کی طرف رونہ ہو گئے۔ ابھی تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ہوا پلٹ گئی اور انہیں ایک درے میں دھکیل لائی اور ان کے بادبان پھاڑ ڈالے اور وہ چار و ناچار ہماری سرحد میں آ پڑے۔ ہمارے لوگ وہاں پہنچے اور یہ دیکھ کر کہ وہ غنیمت کا مال ہے، انہوں نے مردوں کو لے کر قتل کر دیا اور سارے تحفے تحائف اور مال ہمارے ہاتھ لگا۔ منجملہ ان کے صفیہ بھی جو بادشاہ کی بیٹی تھی۔ ہمارے لوگوں نے سب پر قبضہ کر کے کنیزوں کو میرے باپ کے پاس بھیج دیا لیکن ہمیں یہ معلوم نہ ہوا کہ ان میں قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون کی بیٹی ہے۔ ان میں سے دس کنیزیں میرے باپ نے اپنے لیے منتخب کر لیں جن میں شاہزادی بھی تھی اور باقیوں کو اپنے درباریوں میں تقسیم کر دیا لیکن ان دس میں سے اس نے پانچ کو علیحدہ کر دیا جن میں شاہزادی بھی تھی اور ان کو بطور تحفے کے تیرے باپ عمر بن النعمان کے پاس بھیج دیا اور ان کے ہمراہ کچھ اوننی اور رومی ریشمی کپڑے۔ تیرے باپ نے قبول کیا اور منجملہ پانچ کنیزوں کے افریدون کی بیٹی صفیہ کو منتخب کیا۔

اس سال کے شروع میں اس کے باپ نے میرے والد کو خط لکھا اور اس میں ایسی باتیں لکھیں جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں اور اسے ڈانٹا ڈپٹا اور یہ لکھا کہ دو سال ہوئے تم نے ہماری کشتی لوٹی ہے جو فرنگی ڈاکوؤں کے قبضے میں تھی۔ اس میں میری بیٹی صفیہ اور تقریباً ساٹھ اس کی کنیزیں تھیں۔ اس کی تم نے مجھے بالکل خبر نہ دی اور نہ کسی کو اس کے متعلق میرے پاس بھیجا۔ اور میں اپنی رسوائی کے ڈر سے اس خبر کو ظاہر نہ کر سکا تاکہ میری بیٹی کی ہتک نہ ہو۔ اس لیے اس سال تک میں اس خبر کو چھپائے رہا اور بعض فرنگی ڈاکوؤں سے خط و کتابت کر کے اپنی بیٹی کے متعلق دریافت کیا کہ وہ جزیروں کے اندر کس بادشاہ کے پاس ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم، ہم اسے تیرے ملک سے نہیں لائے لیکن ہم نے سنا ہے کہ اسے بادشاہ حردوب بعض ڈاکوؤں

سے چھین کر لے گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ آگے چل کر اس نے میرے باپ کے خط میں یہ لکھا کہ اگر تم مجھ سے دشمنی نہیں مول لینا چاہتے اور میری رسوائی اور میری بیٹی کی توہین کے خواہاں نہیں ہو تو اس خط کے پہنچنے ہی تم میری بیٹی کو اپنے پاس سے یہاں بھیج دو۔ اور اگر تم میرے خط کی پروا نہ کرو گے اور میری نافرمانی کرو گے تو میں ضرور تمہارے کرتوتوں کی سزا دوں گا۔

جب یہ خط میرے باپ کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھا اور اس کا مضمون اس کی سمجھ میں آ گیا تو یہ امر اس پر بہت گراں گزرا اور اسے سخت پشیمانی ہوئی۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ افریدون بادشاہ کی بیٹی صفیہ منجملہ ان کنیزوں کے ہے تو وہ اسے ضرور اس کے باپ کے پاس بھیج دیتا۔ اس پر اس کو سخت پریشانی ہوئی اور اس کے لیے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ اتنی زیادہ مدت کے بعد وہ بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس کسی کو بھیج کر اسے منگوا لے۔ بالخصوص جبکہ ہم کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ افریدون بادشاہ کی بیٹی صفیہ سے اس کی اولادیں ہو چکی ہیں۔ جب ہمیں ان تمام باتوں کا یقین ہو چکا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ خط ہمارے لیے بڑی مصیبت لے کر آیا ہے۔ اب میرے باپ کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ افریدون بادشاہ کو جواب لکھے اور اس میں معذرت کرے اور قسمیں کھائے کہ اسے اس بات کا علم نہ تھا کہ منجملہ ان کنیزوں کے جو کشتی میں تھیں، صفیہ بھی تھی۔ اس خط نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ اس نے صفیہ کو بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس روانہ کر دیا تھا اور اب اس سے اولاد بھی ہو چکی ہے۔

جب میرے باپ کا خط قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون کے پاس پہنچا تو وہ بے چین ہو گیا اور چلانے لگا اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگی اور اس نے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس نے میری بیٹی کو قید کیا اور وہ بھی مثل ایک کنیز کے ہو گئی اور اب ایک کے پاس سے دوسرے کے پاس جاتی ہے اور بادشاہ اس کے ساتھ بغیر شادی کے ہم بستری کرتے ہیں۔ مسیح کی سچائی کی قسم، جب تک میں اس کا بدلہ نہ لے

لوں اور ذلت کو دور نہ کر لوں نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ اب میں ایک ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جس کا ذکر میرے بعد تک کیا جائے گا۔ اس خط کے بعد وہ سوچتا رہا یہاں تک کہ ایک حیلہ اس کے ہاتھ لگا اور اس نے ترکیبیں سوچیں اور تیرے باپ عمر بن النعمان کے پاس اپنی بھیجے اور اسے وہ باتیں پہنچائیں جو تو سن چکا ہے حتیٰ کہ اس نے صفیہ کی وجہ سے لشکر تیار کر کے تیرے ساتھ بھیجا ہے تاکہ تو مع لشکر کے میرے باپ کو آکر گرفتار کرے۔ اب رہے تینوں جواہرات جن کا ذکر اس نے تیرے باپ کے خط میں کیا ہے، اس میں ایک لفظ بھی صحیح نہیں کیونکہ وہ اس کی بیٹی صفیہ کے پاس تھے اور جب وہ اس کی لونٹیاں میرے باپ کے قبضے میں آئیں تو اس نے وہ تینوں جواہرات اس سے لے کر مجھے دے دیے اور اب وہ میرے قبضے میں ہیں۔ لہذا اب تو اپنے لشکر میں واپس جا اور انہیں واپس لے جا۔ قبل اس کے کہ وہ فرنگیوں اور یونانیوں کے ملک میں بہت اندر چلے جائیں اور بند ہو جائیں۔ کیونکہ اگر تم لوگ بند ہو گئے تو تمہیں نکلنا مشکل پڑ جائے گا اور قیامت تک تمہارا چھٹکارا ان کے ہاتھ سے نہ ہو گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تیری فوجیں اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہیں کیونکہ تو ان کو تین دن ٹھہرنے کا حکم دے آیا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ لوگ تیری غیر موجودگی سے پریشان ہیں اور نہیں جانتے کہ کیا کریں۔

جب شرکان نے یہ باتیں سنیں تو تھوڑی دیر تک وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے بعد اس نے شہزادی ابرینہ کا ہاتھ چوم کر کہا کہ شکر ہے خدا کا جس نے تیری وجہ سے مجھ پر احسان کیا اور تجھے میری اور میرے ہمراہیوں کی سلامتی کا سبب بنایا۔ لیکن تیری جدائی میرے اوپر شاق ہے اور معلوم نہیں کہ میرے پیچھے تجھ پر کیا گزرے گی؟ لڑکی نے جواب دیا کہ اس وقت تو اپنے لشکر میں واپس جا اور ان کو لوٹا دے اور اگر اپنی وہاں موجود ہوں تو ان کو گرفتار کر لے تاکہ وہ سچ سچ کہہ دیں۔ ابھی تک تم اپنے ملک سے بہت دور نہیں آئے ہو۔ تین دن کے بعد میں تجھ سے آملوں گی اور ہم سب ایک ساتھ بغداد میں داخل ہوں گے۔ جب وہ جانے لگا تو لڑکی نے کہا کہ لیکن جو عہد

مجھ میں اور تجھ میں ہو چکا ہے، اسے مت بھولیو یہ کہہ کر وہ کھڑی ہو گئی تاکہ اس سے رخصت ہو اور اسے گلے لگائے اور عشق کی آگ بجھائے اور اس نے اسے گلے لگایا اور رخصت ہوئی اور بلک بلک کر رونے اور یہ اشعار پڑھنے لگی۔

”جب میں اس سے رخصت ہوا تو دہنے ہاتھ سے تو میں اپنے آنسو پونچھتا جاتا تھا اور بائیں سے اس کو گلے لگا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ کیا تجھے رسوائی کا ڈر نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ نہیں فراق کا دن اور عاشقوں کی رسوائی!“

اب شرکان اس سے رخصت ہو کر خانقاہ کے نیچے آیا۔ لوگ اس کا گھوڑا لائے اور وہ سوار ہو کر پل کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ اس کے اوپر سے گزرا اور انہیں درختوں کے بیچ میں داخل ہوا۔ جب درختوں سے نکلا اور اس سبزہ زار میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ تین سوار آ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ خبردار ہو گیا اور تلوار نکال لی اور ان کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ جب وہ ایک دوسرے کے قریب آئے اور ایک دوسرے کو غور سے دیکھا تو ایک تو ان میں سے وزیر دندان تھا اور اس کے ساتھ دو سردار اور تھے۔ وہ شرکان کو دیکھ کر پہچان گئے اور گھوڑوں سے اتر پڑے اور اس کو سلام کیا اور وزیر نے اس کے غائب ہونے کا سبب پوچھا۔ اس نے ان سے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اس کے اور شہزادی ابرینہ کے درمیان پیش آیا تھا۔ وزیر نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد شرکان نے کہا کہ چلو اس ملک سے نکل چلیں کیونکہ جو ایلچی ہمارے ساتھ آئے تھے وہ روانہ ہو گئے ہیں تاکہ بادشاہ کو ہمارے

آنے کی خبر دیں۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ جلد آکر ہمیں گھیر لیں۔ اب شرکان نے کوچ بول دیا اور لشکر چل کھڑا ہوا اور تیز تیز کوچ کرتا ہوا وادی کے اوپر پہنچ گیا۔ اس اثنا میں ایلچیوں نے اپنے بادشاہ کے پاس جا کر شرکان کے آنے کی خبر پہنچا دی اور اس نے ایک لشکر تیار کر کے شرکان اور اس کے ہمراہیوں کو گرفتار کرنے کے لیے بھیج دیا۔

یہ تو ایلچیوں اور ان کے بادشاہ کا قصہ ہوا۔ اب شرکان اور وزیر دندان اور دونوں سرداروں

کا حال سنئے۔ جب وہ چاروں اپنے لشکر میں آئے اور کوچ بول دیا تو وہ فوراً روانہ ہو گئے اور ایک دن کوچ کیا، پھر دوسرے دن، پھر تیسرے دن، یہاں تک کہ وہ پانچویں دن ایک وادی میں اترے جہاں بہت سے درخت تھے اور وہاں ذرا سستائے۔ اس کے بعد وہ پھر چل کھڑے ہوئے اور پچیس دن کوچ کرنے کے بعد وہ اپنے ملک کی سرحد میں داخل ہوئے اور انہیں اطمینان ہوا اور آرام کرنے ٹھہر گئے۔ یہاں والوں نے ان کی مہمانی کی اور ان کے جانوروں کے لیے چارہ اور دانہ لائے۔ یہاں دو دن ٹھہرنے کے بعد سب لوگ تو اپنے ملک کو روانہ ہو گئے مگر شرکان سو سواروں کے ساتھ وہیں ٹھہر گیا اور لشکر کی کمان وزیر دندان کے سپرد کر دی اور وہ لشکر کو لے کر روانہ ہو گیا۔ ان کی روانگی کے ایک دن بعد شرکان نے کوچ بول دیا اور سو سوار بھی سوار ہو گئے۔ دو فرسخ چلنے کے بعد وہ ایک درے میں پہنچے اور کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے سامنے گرد و غبار اڑتا چلا آتا ہے کہ پہر بھر تک ان کے گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ جب غبار پھٹا تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے نیچے سو سوار ہیں جو شیروں کی طرح تیویاں چڑھائے ہوئے ہیں اور زہ بکتر میں غرق ہیں۔

جب وہ سوار شرکان اور اس کے ساتھیوں کے قریب پہنچے تو انہوں نے لاکار کر کہا کہ یوحنا اور مریم کی سچائی کی قسم، ہماری مراد بر آئی۔ ہم تمہارے پیچھے دن رات لگے ہوئے تھے یہاں تک کہ اس جگہ ہم تم سے پہلے پہنچ گئے۔ اپنے گھوڑوں سے اتر پڑو اور ہمیں اپنے ہتھیار دے دو اور اپنے کو ہمارے حوالہ کر دو تا کہ ہم تمہاری جان بخشی کر دیں۔ جب شرکان نے یہ سنا تو وہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا اور اس کے رخسار سرخ ہو گئے اور وہ کہنے لگا کہ اے عیسائی کتو، تم نے ہمارے ملک میں آنے کی کیونکر جسارت کی؟ یہی نہیں بلکہ تمہاری یہ بھی ہمت ہو گئی کہ تم ہمیں اس طرح مخاطب کرو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہم سے بچ کر اپنے ملک کو واپس جاسکتے ہو! اس کے بعد اس نے لاکار کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کتوں کا مقابلہ کرو کیونکہ وہ شمار میں تمہارے برابر ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار کھینچ لی اور ان پر حملہ کر دیا

اور اس کے سو سواروں نے بھی حملہ بول دیا اور فرنگیوں نے پتھر سے مضبوط دل کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے سے ٹکر کھانے لگے اور بہادر ایک دوسرے سے بھڑ گئے اور سخت لڑائی ہونے لگی اور خوف برپا ہو گیا اور باتیں بند ہو گئیں۔ وہ اسی طرح جنگ و قتال میں مشغول تھے اور تلواریں چل رہی تھیں کہ دن ختم ہو گیا اور رات کی سیاہی پھیل گئی اور جنگجو ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

جب شرکان نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا تو دیکھا کہ سوائے چار کے اور کوئی زخمی نہیں ہوا اور وہ بھی ہلکے۔ اس پر اس نے کہا کہ واللہ میں نے اپنی ساری عمر جنگ کے تلاطم سمندر میں گزاری ہے اور بہادروں سے مقابلہ کیا ہے لیکن ان سورماؤں سے بڑھ کر ثابت قدم اور جنگ آور نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ اے شہزادے، ان میں ایک فرنگی شہسوار ہے جو ان کا سردار ہے جو بڑا بہادر ہے اور جس کا وار کبھی خالی نہیں پڑتا۔ لیکن اس نے ہم میں سے ہر چھوٹے بڑے سے درگزر کی اور جو کوئی اس کے ہاتھ لگا اس سے اس نے درگزر کی اور اس پر حملہ نہیں کیا۔ خدا کی قسم، اگر وہ ہمیں قتل کرنا چاہتا تو ہم سب کو قتل کر ڈالتا۔

جب شرکان نے اس شہسوار کے متعلق یہ باتیں سنیں کہ اس نے کیا کیا ہے تو وہ کہنے لگا کہ ہم کل صف آراء ہو کر ان کا مقابلہ کریں گے۔ ہم بھی سو ہیں اور وہ بھی سو اور میں آسمان کے مالک سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں فتح دے۔ اسی ارادے میں انہوں نے رات بسر کی۔ اب فرنگیوں کا حال سنئے۔ وہ سب اپنے سردار کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا مقصد آج تو حاصل نہیں ہوا۔ سردار نے جواب دیا کہ کل ہم لوگ صف آرا ہو کر ایک ایک کر کے لڑیں گے اور انہوں نے بھی اس ارادے میں رات گزاری اور طرفین نے اپنے اپنے اوپر چوکیدار مقرر کر دیے۔ جب صبح ہوئی تو شہزادہ شرکان مع اپنے ساتھیوں کے، سوار ہو کر میدان میں آیا اور دیکھا کہ فرنگی بھی جنگ کے لیے صف بستہ کھڑے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ دیکھو،

فرنگی اپنے ارادے پر تلے کھڑے ہیں۔ لہذا جم کر ان کا مقابلہ کرو۔ اتنے میں فرنگیوں میں سے ایک شخص نے منادی کی کہ آج ہم ایک کے مقابلے میں ایک بھیجیں گے۔ یعنی تمہاری طرف سے ایک بہادر نکلے اور ہماری طرف سے ایک۔ یہ سن کر شرکان کے ساتھیوں میں سے ایک جنگجو نکلا اور دونوں صفوں کے درمیان میں آکر کہنے لگا کہ کون میرے مقابلے میں آتا ہے؟ مگر کوئی ست یا کمزور نہ ہو۔ وہ ابھی اپنی بات ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ فرنگیوں کی طرف سے ایک سوار اپنے اسلحہ میں ڈوبا ہوا اور زرکش کپڑے پہنے ہوئے نکلا۔ وہ ایک شبرنگ گھوڑے پر سوار تھا اور اس کی داڑھی مونچھ نہ تھی۔ گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ بیچ میدان میں آ گیا اور دونوں میں تلواروں اور نیزوں کے وار ہونے لگے۔ ابھی تھوڑی دیر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ فرنگی نے اپنے مقابل کو نیزہ مار کر گھوڑے سے نیچے گرا دیا اور اسے قید کر لیا اور حقارت کے ساتھ اسے کھینچ لے گیا۔ اس پر اس کے ساتھی بڑے خوش ہوئے اور اسے دوبارہ میدان میں جانے سے روکا اور ایک اور کو بھیجا۔ اس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے ایک دوسرا شخص نکلا جو قیدی کا بھائی تھا اور میدان میں آکر اس کے مقابلے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک فرنگی نے مسلمان کو مغالطہ دے کر نیزے سے حملہ کیا اور اسے گھوڑے سے گرا کر قید کر لیا۔

اسی طرح مسلمان ایک ایک کر کے نکلتے اور فرنگی ان کو قید کرتے جاتے۔ یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کی سیاہی پھیل گئی۔ اس وقت تک بیس مسلمان قید ہو چکے تھے۔ جب شرکان نے یہ دیکھا تو اسے بہت رنج پہنچا اور وہ اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے کہنے لگا کہ ہم پر یہ کیا مصیبت نازل ہوئی؟ کل میں خود میدان میں جاؤں گا اور ان کے سردار کو مقابلے کے لیے بلاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کیوں ہمارے ملک میں گھس آئے اور اس سے کہوں گا کہ وہ مقابلہ کرنے سے باز رہے۔ اگر اس نے انکار کیا تو میں اس کا مقابلہ کروں گا اور اگر اس نے صلح کی تو میں صلح کر لوں گا۔ اسی

حالت میں انہوں نے رات گزاری یہاں تک کہ خدا نے صبح نمودار کی اور دونوں گروہ سوار ہو کر صف بستہ ہوئے۔ شرکان میدان میں آنے ہی والا تھا کہ وہ کیا دیکھتا ہے کہ فرنگیوں کے ایک سوار کے سامنے آدھے سے زیادہ لوگ پیادہ ہو کر اس کے آگے آگے میدان کے بیچ میں آئے۔ شرکان نے اس سوار کو غور سے دیکھا اور اسے معلوم ہوا کہ یہ سوار ان کا سردار ہے اور اطلس کی نیلی قبا پہنے ہوئے ہے اور اس میں سے اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہے اور وہ اس قبا پر ایک تنگ حلقوں والی زہ پہنے ہوئے ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک فولادی تلوار ہے اور وہ ایک مشکلی گھوڑے پر سوار ہے جس کی پیشانی پر درہم کے برابر سفید نشان ہے۔ اس فرنگی کے بھی داڑھی مونچھیں نہیں ہیں۔ گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ بیچ میدان میں آ گیا اور مسلمانوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے شرکان، اے عمر بن النعمان کے بیٹے، اے وہ شخص جس نے قلعوں کو فتح کیا اور شہروں کو برباد کیا ہے، جنگ اور قتال کے لیے تیار ہو جا اور اس شخص کے مقابلے میں آ کیونکہ تو اور وہ آدھے آدھے میدان کے مالک ہیں۔ تو بھی اپنی قوم کا سردار اور میں بھی۔ ہم میں سے جو کوئی دوسرے کو مغلوب کرے وہی دوسرے کی قوم کا بھی مالک ہو گا۔ ابھی اس نے اپنی بات پوری نہ کی تھی کہ شرکان طیش سے بھرا ہوا اس کے مقابلے کے لیے نکل آیا اور اپنا گھوڑا بڑھا کر میدان میں فرنگی کے پاس آ پہنچا اور غصے میں بھرے ہوئے شیر کی طرح اس پر حملہ کیا اور دونوں میں تلواres اور نیزے چلنے لگے اور دونوں بڑھ بڑھ کر اور پیچھے ہٹ ہٹ کر وار کرنے اور وار روکنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو پہاڑ ٹکرا رہے ہیں یا دو سمندر موجیں مار رہے ہیں۔ ابھی ان کی لڑائی ختم نہ ہوئی تھی کہ دن ختم ہو گیا اور رات کی سیاہی پھیلنے لگی اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ گئے۔

جب شرکان اپنے ہمراہیوں کے پاس پہنچا تو کہنے لگا کہ میں نے اس سوار کی طرح آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے اس کا ایک دستور دیکھا جو کسی اور میں نہیں، اور

وہ یہ ہے کہ جب وہ اپنے دشمن میں کوئی ایسی جگہ کھلی پاتا ہے جہاں وہ کاری ضرب لگا سکے تو وہ اپنا نیزہ پھیر کر دستے کی طرف سے مارتا ہے معلوم نہیں کہ میری اور اس کی جنگ کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے! کاش کہ اس کی اور اس کے ساتھیوں کی طرح ہمارے لشکر میں بھی ہوتے۔ جب رات گزر چکی اور صبح نمودار ہوئی تو فرنگی اس کے مقابلے کے لیے بیچ میدان میں اترا اور شرکان نے اس کا مقابلہ کیا اور دونوں میں جنگ ہونے لگی اور لڑائی اور جولانی نے طول پکڑا اور لوگ گردنیں نکال نکال کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ دونوں میں برابر لڑائی اور تلواروں کی ضربیں اور نیزہ بازی ہوتی رہی یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کا اندھیرا چھا گیا اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ گئے اور ان سے اپنے اپنے مقابل کا حال بیان کیا۔ فرنگی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کل فیصلہ ہو جائے گا اور سب نے سو کر صبح کی۔ جب صبح ہوئی تو دونوں سوار ہو کر میدان میں آئے اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اور دوپہر تک برابر لڑتے رہے۔ اس کے بعد فرنگی نے یہ ترکیب کی کہ پہلے تو اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پھر اسے لگام تھام کر روک لیا۔ گھوڑے کے ٹھوکر لگی اور اس نے اپنے سوار کو گرا دیا۔ یہ دیکھ کر شرکان دشمن پر کود پڑا اور چاہتا ہی تھا کہ تلوار سے اس کا خاتمہ کر دے تاکہ لڑائی ختم ہو جائے کہ فرنگی چلا کر کہنے لگا کہ شہسوار ایسا نہیں کرتے بلکہ وہی لوگ جو عورتوں سے مغلوب ہو چکے ہیں۔ جب شرکان نے سوار کو یہ کہتے سنا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ شہزادی ابریزہ ہے جس کے ساتھ اسے خانقاہ میں وہ واقعات پیش آئے تھے۔ اس کو پہچانتے ہی شرکان نے تلوار ہاتھ سے پھینک دی اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ میں چاہتی تھی کہ میدان میں تیرا امتحان کروں اور لڑائی اور نیزہ بازی میں تیری ثابت قدمی دیکھوں میرے ساتھی سب کنیزیں ہیں اور باکہ لڑکیاں اور انہوں نے تیرے سواروں کا میدان میں ناطقہ بند کر دیا

ہے۔ اگر میرا گھوڑا ٹھوکر کھا کر مجھے گرا نہ دیتا تو تو میری قوت اور بہادری دیکھ لیتا۔ شرکان یہ سن کر مسکرایا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا، اے شنزادی، کہ ہم صبح و سالم ایک دوسرے سے ملے۔ اب شنزادی ابرینہ نے اپنی کینروں سے پکار کر کہا کہ پیادہ ہو جائیں اور شرکان کے ساتھیوں میں سے جن بیس کو گرفتار کیا ہے، چھوڑ دیں۔ کینروں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور آکر ان دونوں کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ شرکان نے کہا کہ تم واقعی اس قابل ہو کہ بادشاہوں کے ساتھ رہو اور مصیبت کے وقت ان کے کام آؤ۔ اب اس نے اپنے ہمراہیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ شنزادی کے سامنے آداب بجا لاؤ۔ وہ لوگ گھوڑوں سے اتر پڑے اور شنزادی کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور سارے ماجرے کی انہیں پہلے ہی خبر ہو چکی تھی۔ اس کے بعد وہ کل دو سو سوار ہو کر چھ دن رات چلنے کے بعد اپنے ملک میں پہنچے اور شرکان نے شنزادی ابرینہ اور اس کی کینروں سے کہا کہ جو فرنگی لباس وہ پہنے ہوئے ہیں اسے اتار ڈالیں۔ اب شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• اکیادونویں رات

جب اکیادونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- شرکان نے شنزادی ابرینہ اور اس کی کنیزوں سے کہا کہ اپنا لباس اتار کر رومی لڑکیوں کا لباس پہن لیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے چند ساتھیوں کو بغداد بھیجا تاکہ وہ اس کے والد عمر بن النعمان کو اس کے آنے کی خبر پہنچا دیں اور کہیں کہ اس کے ہمراہ روم کے بادشاہ حردوب کی بیٹی ابرینہ ہے تاکہ وہ اس کے خیر مقدم کے لیے کسی کو بھیجے۔ اس کے بعد وہ فوراً اسی جگہ ٹھہر گئے اور جہاں پہنچے تھے اور شرکان نے ڈیرے ڈال دیے اور سب سو گئے۔ جب خدا نے صبح نمودار کی تو شرکان مع اپنے ساتھیوں کے اور شنزادی ابرینہ اپنے ساتھیوں کے سوار ہو گئے اور بغداد کے پاس پہنچے۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ وزیر دندان ہزار سواروں کے ساتھ شنزادی ابرینہ اور شرکان کے استقبال کے لیے موجود ہے اور یہ بادشاہ عمر بن النعمان کے حکم سے ہوا ہے۔ جب وہ لوگ ان دونوں کے قریب پہنچے تو ان کی طرف بڑھے اور ان کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اب وہ دونوں سوار ہوئے اور ان کے ساتھ وہ تمام لوگ بھی سوار ہو گئے یہاں تک کہ وہ ان دونوں کے ساتھ ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ یہاں پہنچ کر وہ دونوں شاہی محل میں گئے اور شرکان اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ اس کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور اسے گلے سے لگا لیا اور اس سے حال دریافت کیا۔ شرکان نے وہ سارا ماجرا کہہ سنایا جو شنزادی ابرینہ نے بیان کیا تھا اور جو کچھ اسے اس کے پاس پیش آیا تھا اور یہ کہ وہ اپنے ملک اور اپنے باپ کو چھوڑ کر کس طرح آئی ہے۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ شنزادی نے ان کے ساتھ سفر کرنا اور ان کے یہاں رہنا پسند کیا ہے اور یہ کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ نے اپنی بیٹی صفیہ کی خاطر یہ چال چلی تھی کیونکہ روم کے بادشاہ نے اس سے سارا قصہ بیان کر دیا تھا منجملہ اس کے یہ بھی کہ وہ صفیہ

کو تیرے پاس بھیج چکا ہے اور یہ بھی کہ روم کے بادشاہ کو اس کی خبر نہ تھی کہ وہ قسطنطنیہ کے بادشاہ افریدون کی بیٹی ہے۔ اگر اسے یہ معلوم ہوتا تو وہ صفیہ کو ہرگز تجھے نہ دیتا بلکہ اس کے والد کے پاس بھیج دیتا۔ اس کے بعد شرکان نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ اگر ابرینہ نہ ہوتی تو ہمارا چھٹکارا نہ ہوتا اور اس سے زیادہ بہادر میں نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔ الغرض اس نے ابرینہ کا سارا قصہ شروع سے آخر تک بیان کر دیا حتیٰ کہ کشتی اور جنگ کے واقعات بھی۔

جب عمر بن النعمان نے اپنے بیٹے شرکان سے یہ باتیں سنیں تو اس کے دل میں ابرینہ کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور وہ اس کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا اور اس سے زبانی گفتگو کرنے کے لیے اسے بلایا۔ شرکان اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ بادشاہ تجھے بلاتا ہے۔ اس نے بسر و چشم قبول کیا اور شرکان اسے لے کر اپنے باپ کے پاس گیا۔ اس وقت بادشاہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، اس نے اپنے اراکین سے کہا کہ باہر چلے جائیں اور سوائے خادموں کے وہاں اور کوئی باقی نہ رہا۔ شہزادی ابرینہ اس کے پاس آئی اور اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے گفتگو کی۔ بادشاہ کو اس کی فصاحت پر تعجب ہوا اور جو سلوک اس نے اس کے بیٹے شرکان کے ساتھ کیا تھا اس پر شکریہ ادا کیا اور اس سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ بیٹھ گئی اور اس نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ جب بادشاہ کی نظر اس پر پڑی تو اس کی عقل جاتی رہی اور اس نے اسے اپنا مقرب بنا لیا اور اس کے اور اس کی کنیزوں کے لیے ایک محل مخصوص کر دیا اور روزیہ مقرر کر دیا۔ اب وہ اس سے ان تینوں جواہرات کے متعلق پوچھنے لگا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ میرے پاس ہیں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اپنی قیام گاہ میں گئی اور اپنا سامان کھول کر اس میں سے ایک صندوق نکالا اور صندوق میں سے سونے کی ایک ڈبیا۔ کھول کر اس نے اس میں سے وہ تینوں جواہرات نکالے اور انہیں چوم کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا اور خود چلی گئی اور اپنی مٹھی میں بادشاہ کا دل بھی

لیتی گئی۔

جب وہ جا چکی تو بادشاہ نے اپنے بیٹے شرکان کو بلوایا۔ جب وہ حاضر ہوا تو بادشاہ نے اسے ان تینوں جواہرات میں سے ایک عطا کیا۔ جب اس نے باقی دو کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ بیٹا، ان میں سے ایک میں نے تیرے بھائی ضوء المکان کو دیا ہے اور دوسرا تیری بہن نزہت الزمان کو۔ جب شرکان کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا ایک بھائی بھی ہے جس کا نام ضوء الماکل ہے، کیونکہ اس کو سوائے اپنی بہن نزہت الزماں کے اور کسی کا علم نہ تھا، تو وہ اپنے باپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے بادشاہ، کیا میرے علاوہ تیرا اور کوئی بیٹا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اور اس وقت اس کی عمر چھ سال کی ہے، اس کا نام ضوء المکان ہے اور نزہت الزماں اس کی بہن ہے اور دونوں ایک ماں سے ہیں۔ شرکان پر یہ بات گراں گزری لیکن اس نے اپنے دل کا بھید ظاہر نہ کیا اور باپ سے کہا کہ خدا برکت دے! اور اس جواہر کو ہاتھ سے پھینک دیا اور اپنے کپڑے جھاڑنے لگا۔ بادشاہ نے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ اس خبر کے سنتے ہی تیری حالت کچھ سے کچھ ہو گئی حالانکہ میرے بعد تو ہی بادشاہ ہو گا؟ فوج تیرے لیے حلف اٹھا چکی ہے اور امراء وعدہ کر چکے ہیں اور تینوں جواہرات میں سے یہ تیرے لیے ہے۔ شرکان نے سر نیچا کر لیا اور شرم کے مارے اپنے باپ سے دُوبدو نہ ہوا اور جواہر کو بوسہ دے کر چلتا ہوا۔ مگر طیش کے مارے اسے یہ سمجھ نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔ چلتے چلتے وہ شنزادی ابرینہ کے محل میں پہنچا۔ جب وہ شنزادی کے سامنے آیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی کارگزاری کا شکریہ ادا کیا اور اس کے اور اس کے باپ کے لیے دعا کی اور بیٹھ گئی اور اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ جب وہ بیٹھ چکا تو شنزادی نے دیکھا کہ اس کے چہرے سے غصے کے آثار نمودار ہیں اور اس کا سبب پوچھا۔ شرکان نے جواب دیا کہ صفیہ کے بطن سے میرے والد کی دو اولادیں ہوئی ہیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، لڑکے کا نام ضوء المکان اور لڑکی کا نزہت الزماں ہے۔ میرے باپ نے ان دونوں کو دو جواہرات دیے ہیں اور تیسرا مجھے مگر میں نے اس

کے لینے سے انکار کر دیا۔ دونوں اولادوں کی مجھے اس وقت تک خبر نہ تھی حالانکہ اب وہ چھ سال کے ہو چکے ہیں۔ یہ خبر سن کر مجھے بڑا غصہ آیا۔ یہ ہے سبب میرے غصے کا اور میں تجھ سے کوئی بات نہیں چھپاتا۔

علاوہ بریں اب مجھے یہ بھی ڈر لگا ہے کہ کہیں وہ تجھ سے شادی نہ کر لے کیونکہ اس کو تجھ سے محبت ہو گئی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس کا جی تجھ پر لپکا رہا ہے۔ اب تیری کیا رائے ہے؟ اگر اس نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو تو کیا کہے گی! لڑکی نے جواب دیا کہ اے شرکان، میں تیرے باپ کے حکم کی تابع نہیں ہوں اور میری مرضی بغیر وہ مجھے نہیں لے سکتا اور اگر اس نے زبردستی کی تو میں خودکشی کر لوں گی۔ اب رہا تینوں جواہرات کا معاملہ! میرا یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ وہ انہیں اپنی اولاد کو دے گا بلکہ میں یہ سمجھتی تھی کہ وہ ان کو اور ذخیروں کے ساتھ اپنے خزانے میں رکھے گا۔ مگر موجودہ حالت میں میری تجھ سے یہ درخواست ہے کہ جو جواہر تیرے باپ نے تجھ کو دیا ہے، وہ مجھے دے دے، بشرطیکہ تو اسے واقعی قبول کر چکا ہے۔ شرکان نے کہا برو چشم، اور وہ جواہر اس کو دے دیا۔ شنزادی نے کہا کہ اس میں کوئی ڈر کی بات نہیں ہے اور پھر وہ دونوں بات چیت کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد شنزادی نے کہا کہ اگر مجھے ڈر ہے تو اس بات کا کہ جب میرا باپ یہ خبر سنے گا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو وہ نچلا نہ بیٹھے گا بلکہ مجھے تلاش کرنے کی کوشش کرے گا اور وہ میری خاطر اور افریدوں بادشاہ اپنی بیٹی صفیہ کی خاطر آپس میں متفق ہو کہ تمہارے اوپر فوجیں لے کر چڑھ آئیں گے اور شور و شر برپا کر دیں گے۔ جب شرکان نے یہ باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ اے میری آقا، اگر تو ہمارے ساتھ رہنے کے لیے راضی ہے تو اگر خشکی اور سمندر والے سب کے سب جمع ہو کر ہمارے اوپر چڑھائی کر دیں تو ان کی پروا مت کر۔ اس نے کہا کہ انشاء اللہ خیریت رہے گی اور تم لوگوں کے متعلق یہ ہے کہ اگر تم میرے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو میں تمہارے ساتھ رہوں گی اور

اگر برا سلوک کرو گے تو تمہارے ہاں سے چلی جاؤں گی۔ اس کے بعد اس نے کینروں کو حکم دیا کہ کچھ کھانا لائیں۔ دسترخوان بچھایا گیا اور شرکان نے کچھ تھوڑا سا کھایا اور غمناک گھر واپس گیا۔

یہ تو شرکان کا قصہ ہوا۔ اب اس کے والد عمر بن النعمان کا ماجرا سنئے۔ جب اس کا بیٹا شرکان چلا گیا تو وہ اٹھ کر اپنی کینر صفیہ کے پاس گیا اور دونوں جواہرات اپنے ساتھ لیتا گیا۔ جب صفیہ نے اسے دیکھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بیٹھ گیا اور اس کے نیچے ضوء المکان اور نہت الزماں اس کے پاس آئے۔ جب باپ نے ان کو دیکھا تو ان کو بوسے دیے اور ہر ایک کے گلے میں ایک ایک جواہر پہنا دیا۔ دونوں بچے خوش ہو گئے اور باپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی ماں کے پاس گئے۔ وہ بھی خوش ہو گئی اور بادشاہ کو عمر کی درازی کی دعا دی۔ بادشاہ نے کہا تو نے اتنی مدت مجھے یہ اطلاع کیوں نہ دی کہ تو قسطنطینیہ کے بادشاہ افریدون کی بیٹی ہے تاکہ میں تیرے ساتھ زیادہ احترام اور فراخ دلی سے پیش آتا اور تیرا رتبہ بڑھاتا۔ صفیہ نے کہا کہ اے بادشاہ جس رتبے میں میں ہوں اس سے بڑھ چڑھ کر میں اور کیا چاہتی! تیرے انعام اور بھلائیوں سے میں دبی پڑی ہوں اور خدا نے مجھے تجھ سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی عنایت کی ہے۔ بادشاہ کو اس کی یہ باتیں بہت پسند آئیں اور وہاں سے رخصت ہو گیا اور اس نے صفیہ اور اس کے بچوں کے لیے ایک عالیشان محل رہنے کو دیا اور ان کے لیے خادم اور فقیہ اور حکیم اور نجومی اور طبیب اور جراح مقرر کیے اور انہیں حکم دیا کہ وہ ان کی خدمت کریں اور وہ خود ان کا احترام زیادہ کرنے لگا اور ان کے ساتھ انتہا درجے کے احسانات کیے اور وہاں سے وہ دباری محل میں واپس آیا۔

یہ تو اس کا قصہ صفیہ اور اس کی اولاد کے ساتھ ہوا۔ اب اس کا حال شہزادی ابرینہ کے ساتھ سنئے۔ بادشاہ کے دل میں اس کی محبت کی آگ بھڑک رہی تھی اور دن رات اسی کی یاد رہتی تھی۔ وہ ہر رات اس کے پاس جاتا اور اس سے باتیں کرتا اور باتوں سے اسے گرویدہ کرنا چاہتا، لیکن وہ اس کے کہنے میں نہ آتی اور اس سے کہتی کہ

جہاں پناہ، فی الحال مجھے مرد کی خواہش نہیں ہے۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ وہ انکار کیے چلی جاتی ہے تو اس کی محبت اور بڑھ گئی اور عشق اور جنون نے اور زور پکڑا۔ جب اس میں زیادہ تاب باقی نہ رہی تو اس نے اپنے وزیر دندان کو بلوایا اور اسے محبت سے مطلع کیا جو اسے بادشاہ حردوب کی بیٹی شنزادی ابرینہ سے تھی اور یہ بھی کہ وہ میرا کہنا نہیں مانتی۔ اس کی محبت مجھے مارے ڈالتی ہے اور میرا ارمان پورا نہیں ہوتا۔ یہ سن کر وزیر دندان نے بادشاہ سے کہا کہ آج جب رات ہو تو ایک ٹکڑا بھنگ کا جو تقریباً ایک مثقال ہو اپنے ساتھ لے جایو۔ پہلے اس کے ساتھ شراب پیجیو اور جب صحبت اور مئے نوشی کا خاتمہ ہونے لگے تو ایک آخر جام اس کو دیجیو اور بھنگ ملا کر اسے پلا دیجیو۔ وہ اپنی خواب گاہ تک نہ جانے پائے گی کہ بھنگ کا اثر اس پر ہو جائے گا۔ تب تو اس کے پاس جا کر وصال کیجیو اور اپنی مراد پوری کیجیو۔ بس یہ ہے میری رائے۔ بادشاہ نے کہا کہ تیرا مشورہ نہایت عمدہ ہے۔ یہ کہہ کر وہ انبار خانے میں گیا اور وہاں سے دو آتشہ بھنگ کا ٹکڑا لیا کہ اگر ہاتھی اسے اس سال سونگھتا تو آئندہ سال تک سوتا رہتا۔ اس بھنگ کو لے کر اس نے جیب میں رکھا اور ذرا انتظار کیا اور جب تھوڑی رات گزر گئی تو وہ شنزادی ابرینہ کے پاس اس کے محل میں گیا۔ جب اس نے بادشاہ کو دیکھا تو وہ کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ نے کہا کہ بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گئی اور بادشاہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس سے شراب کے بارے میں گفتگو کرنے لگا۔ شنزادی نے شراب کا دسترخوان پیش کیا اور پیالوں کو ایک قطار میں رکھا اور موم بتیاں جلائیں اور نقل اور مٹھائیاں اور پھل اور باقی تمام ضرورت کی چیزیں منگوائیں اور دونوں پینے لگے۔ بادشاہ اس کا ساتھ دے رہا تھا یہاں تک کہ شنزادی ابرینہ کے سر میں نشہ چڑھ گیا۔

جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے بھنگ کا ٹکڑا اپنی جیب سے نکال کر اپنی انگلیوں کے بیچ میں دبا لیا اور ایک جام بھر کر پہلے خود پی گیا اور پھر دوسرا جام بھر کر شنزادی ابرینہ سے کہا کہ تیری رفاقت! اور بغیر اس کے کہ شنزادی کو خبر ہو اس بھنگ کا

نکڑا شراب میں ڈال دیا اور وہ اسے لے کر پی گئی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بادشاہ کو یقین آ گیا کہ بھنگ اپنا اثر کر چکی ہو گی اور اس کے ہوش جاتے رہے ہوں گے تو وہ اس کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ چت پڑی ہوئی ہے اور اس کی شلوار اتری ہوئی ہے اور ہوا سے اس کی قمیص کا دامن اوپر اٹھ گیا ہے۔ جب بادشاہ نے اسے اس حالت میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ اس کے سرہانے ایک موم بتی جل رہی ہے اور دوسری اس کے پاؤں کے پاس ہے جس سے اس کی رانوں کے بیچ میں روشنی پہنچ رہی ہے تو اس کی عقل سلب ہو گئی اور شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا اور وہ ضبط نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی شلوار اتار ڈالی اور اس پر آ پڑا اور اس کی بکارت زائل کر دی۔ اس پر سے اٹھ کر وہ اس کی ایک کنیر کے پاس گیا جس کا نام مرجانہ تھا اور کہنے لگا کہ اپنی مالکہ کے پاس جا کر باتیں کر۔ جب کنیر اس کے پاس پہنچی تو دیکھا کہ وہ چت پڑی ہوئی ہے اور اس کی پنڈلیوں پر خون بہہ رہا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا ایک رومال نکالا، اپنی مالکہ کو ٹھیک ٹھاک کیا اور خون پونچھا اور رات بھر اس کے پاس رہی۔ جب خدا نے سویرا کیا تو مرجانہ نے اٹھ کر اپنی مالکہ کا منہ اور اس کے ہاتھ پاؤں دھوئے۔ پھر گلاب لا کر اس کے چہرے پر چھڑکا۔ اس پر شنزادی ابرینہ کو چھینک اور جمائی آئی اور بھنگ کی نکلیا اس کے اندر سے نکل پڑی۔ اس نے ہاتھ منہ دھو کر مرجانہ سے پوچھا کہ بتا مجھ پر کیا گزری۔ مرجانہ نے سارا حال بیان کیا اور اس کا سارا قصہ کہہ سنایا۔

اب اس کو یقین ہو گیا کہ بادشاہ عمر بن النعمان اس کے ساتھ ہم بستر ہوا ہے اور صحبت کی ہے اور اس کی چال اس پر چل گئی ہے۔ اس پر وہ بہت غمزہ ہوئی اور باہر نکلنا چھوڑ دیا اور اپنی کنیروں سے کہا کہ کسی کو میرے پاس آنے نہ دینا۔ اور کہنا کہ میں بیمار ہوں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ خدا کی کیا مرضی ہے۔ جب بادشاہ عمر بن النعمان کو خبر پہنچی کہ شنزادی ابرینہ بیمار ہے تو اس نے اس کے پاس طرح طرح کی شراہیں اور مٹھائیاں اور معجونیں بھیجیں اور شنزادی کئی مہینے تک اسی طرح گھر

میں بند پڑی رہی۔ بادشاہ کی آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی شوق مجھ چکا تھا اور اسے صبر آ چکا تھا مگر شہزادی کو حمل نہ گیا تھا۔ جوں جوں حمل کے مینے اس پر گزرتے جاتے تھے اس کا حمل ظاہر ہوتا جاتا اور اس کا پیٹ بڑھتا جاتا تھا اور دنیا اس پر تنگ ہوتی جاتی تھی۔ ایک روز اس نے اپنی کنیز مرجانہ سے کہا کہ سن لوگوں نے میرے اوپر ظلم نہیں کیا بلکہ میں خود گنہگار ہوں کیونکہ میں نے اپنے ماں باپ اور وطن کو ترک

کیا ہے۔ اب مجھے جینے سے نفرت ہے اور میری ہمت ٹوٹ گئی ہے اور نہ اب مجھ میں جرات باقی ہے نہ طاقت۔ پہلے جب میں گھوڑے پر سوار ہوتی تھی تو اسے اپنے قابو میں رکھتی تھی۔ اب مجھ میں سوار ہونے کا بھی قابو نہیں۔ اگر ان لوگوں کے یہاں میرے بچہ پیدا ہوا تو میں اپنی کنیزوں کو کیا منہ دکھاؤں گی اور اگر میں اپنے باپ کے پاس جاؤں تو کیا منہ لے کر جاؤں اور اسے کس طرح اپنا منہ دکھاؤں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

”آخر مجھے تسکین کیونکر ہو‘ نہ تو میرا خاندان ہے اور نہ وطن‘ نہ ہم مشرب نہ جام نہ گھر۔“

مرجانہ نے اس سے کہا کہ تو جو حکم دے میں اس کی تعمیل کروں گی۔ شہزادی نے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ ابھی چپکے سے نکل جاؤں اور سوائے تیرے کسی کو خبر نہ ہو اور ماں باپ کے یہاں روانہ ہو جاؤں۔ کیونکہ جب گوشت میں بدبو آنے لگتی ہے تو سوائے اپنے اہل و عیال کے اس کا ٹھکانا کہیں نہیں ہوتا اور خدا کو جو منظور ہو گا میرے ساتھ کرے گا۔ کنیز نے کہا کہ اے شہزادی، جو کچھ تیری مرضی ہے ٹھیک ہے۔ اب شہزادی نے اپنا سامان باندھنا شروع کر دیا مگر کسی کو اس کی خبر نہ دی اور کئی دن تک انتظار کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک روز بادشاہ سیر و شکار کے لیے گیا اور اس کا بیٹا شرکان کچھ مدت کے لیے قلعوں پر گیا۔ اب ابرینہ نے اپنی کنیز مرجانہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں آج رات ہی یہاں سے چل دینا چاہتی ہوں مگر

قسمت کا کیا کروں کہ مجھے نہ کا درد محسوس ہو رہا ہے۔ اگر میں چار پانچ دن اور یہاں ٹھہری تو یہیں بچہ پیدا ہو جائے گا اور میں اپنے وطن تک نہ پہنچ سکوں گی اور میرے نصیب میں یہی لکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ ذرا سوچنے لگی اور پھر مرجانہ سے کہا کہ کسی مرد کو تلاش کر جو ہمارے ساتھ چلے اور راہ میں ہماری خدمت کرے کیونکہ ہتھیار اٹھانے کی طاقت اب مجھ میں نہیں ہے۔ مرجانہ نے جواب دیا کہ اے میری آقا، میں یہاں محض ایک حبشی غلام کو جانتی ہوں جس کا نام غضبان ہے اور وہ بادشاہ عمر بن النعمان کا غلام ہے اور بہادر ہے اور ہمارے محل کا دربان ہے۔ بادشاہ نے اسے ہماری خدمت کے لیے مقرر کیا ہے اور ہمارے اس کے اوپر بہت سے احسانات ہیں۔ میں ابھی جا کر اس سے گفتگو کرتی ہوں۔ اسے مال دینے کا وعدہ کرتی ہوں اور یہ کہتی ہوں کہ اگر وہ ہمارے ساتھ ٹھہرنا چاہے گا تو ہم اس کی مرضی کے موافق اس کی شادی بھی کرا دیں گے۔ ابھی پرسوں کا ذکر ہے کہ وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ وہ ڈاکو تھا۔ اگر وہ ہمارا کہنا مان لے تو ہماری مراد حاصل ہو جائے گی اور ہم اپنے وطن پہنچ جائیں گے۔ شہزادی نے کہا کہ اسے میرے پاس بلاتا کہ میں اس سے گفتگو کروں۔ مرجانہ اس کی تلاش میں نکلی اور اسے پکار کر کہا کہ اے غضبان، اگر تو میری آقا کا کہنا مان لے تو تیرے لیے بڑی بھلائی ہے۔

یہ کہہ کر اس نے غضبان کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی مالکہ کے پاس لے آئی۔ جب وہ شہزادی کے پاس پہنچا تو اس نے اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا لیکن جب شہزادی کی نظر اس پر پڑی تو اس کے دل میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہوئی لیکن وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ مجبوری میں سب کچھ کرنا پڑتا ہے اور اس سے مخاطب ہو کر باتیں کرنے لگی۔ اگرچہ دل میں اس سے متنفر تھی۔ بالآخر اس نے کہا کہ اے غضبان، کیا تو مجھے زمانے کی مصیبتوں سے بچانے کے لیے تیار ہے؟ اور اگر میں اپنا راز تجھ پر ظاہر کر دوں تو اسے پوشیدہ رکھے گا؟ جب غلام نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو اس کے دل پر اس کا قبضہ ہو چکا تھا اور وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو چکا تھا اور

سوائے اس کے اور کوئی بات اس کے منہ سے نہ نکل سکی کہ اے میری آقا، جو حکم تو دے گی میں اس کو پورا کروں گا۔ شہزادی نے کہا کہ میں تجھ سے یہ چاہتی ہوں کہ مجھ کو اور میری اس کنیز کو یہاں سے نکال لے چل اور اس کام کے لیے دو اونٹنیاں تیار کر اور شاہی گھوڑوں میں سے دو گھوڑے لا اور ہر گھوڑے پر ایک ایک خربہ لاد اور اس میں کچھ مال اور کچھ راستے کے لیے کھانا رکھ لے اور ہمارے ساتھ ہمارے وطن چل۔ اگر تو ہمارے ساتھ رہنا پسند کرے گا تو تجھے میری جو کنیز پسند ہو گی تیری اس کے ساتھ شادی کر دوں گی اور اگر تو اپنے وطن کو جانا چاہے گا وہ ساتھ کر دوں گی۔ جب غضبان نے یہ باتیں سنیں تو خوشی کے مارے پھول گیا اور کہنے لگا کہ میری آقا، میں تم دونوں کی خدمت اپنی پلکوں سے کروں گا اور تمہارے ساتھ چلوں گا اور تمہارے لیے گھوڑے کس کر ابھی لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ خوش خوش چلتا ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب میں جو کچھ ان سے چاہوں گا وہ مجھے ملے گا اور اگر وہ میرا کہنا نہ مانیں گی تو ان کو قتل کر دوں گا اور ان کا سارا مال لے لوں گا لیکن اس نے اس خیال کا اظہار کسی پر نہیں کیا۔

جب وہ لوٹا تو اس کے ساتھ دو اونٹنیاں تھیں اور تین گھوڑے جن میں سے ایک پر وہ خود سوار تھا۔ اب وہ شہزادی ابرینہ کے سامنے آیا اور ایک گھوڑا پیش کیا اور وہ اس پر سوار ہو گئی اور دوسرے پر مرجانہ کو سوار کیا۔ وہ درد سے بے چین تھی اور تکلیف کی وجہ سے جان سے بیزار تھی۔ اب وہ تینوں پہاڑوں کے راستے دن رات سفر کرتے رہے یہاں تک کہ اب ان کے ملک تک صرف ایک دن کا سفر رہ گیا۔ یہاں اسے نہ کا درد ہوا اور وہ تڑپنے لگی اور اس نے غضبان سے کہا کہ مجھے اتار دے کیونکہ

میں درد سے بے قرار ہوں اور مرجانہ سے کہا کہ اتر اور میرے پاس بیٹھ اور بچہ جننے میں مدد کر۔ اب مرجانہ اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑی اور غضبان اپنے گھوڑے پر سے اتر پڑا اور دونوں گھوڑوں کی لگائیں باندھ دیں۔ اب شہزادی ابرینہ اپنے گھوڑے سے اتری اور درد کی شدت کی وجہ سے اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ جب غضبان

نے اس کو زمین پر اترتی دیکھا تو شیطان نے اس کے اندر قبضہ کر لیا اور اس نے اپنی
تکوار کھینچ لی اور اس کے سامنے آکر کہنے لگا کہ اے میری آقا! اپنے وصال سے مجھے
بہرہ ور کر۔ جب شنزادی نے یہ سنا تو وہ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کیا
اب میرے لیے کالے غلام ہی رہ گئے ہیں۔ بعد اس کے کہ میں عالی شان بادشاہوں
سے راضی نہ ہوئی۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔



• باونویں رات

جب باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب شنزادی ابرینہ نے غضبان غلام سے کہا کہ کیا اب میرے لیے کالے غلام ہی رہ گئے ہیں بعد اس کے میں عالی شان بادشاہوں سے راضی نہ ہوئی اور اسے اس پر غصہ آیا اور کہنے لگی کہ اے مردود یہ کیا بیہودہ بات بک رہا ہے۔ لعنت ہو تجھ پر! ایسی باتیں میرے سامنے مت کر۔ تو جانتا ہے کہ اگر مجھے زہر کا پیالہ بھی پینا پڑے تب بھی میں تیری بات نہیں مان سکتی لیکن ذرا صبر کر کہ میرے رحم کی حالت ٹھیک ہو جائے اور میں تندرست ہو جاؤں۔ اس کے بعد اگر تو کچھ میرے ساتھ کر سکے تو کر لیجیو۔ اور اگر اس وقت تو بیہودہ گوئی سے باز نہ آیا تو میں خود کشی کر لوں گی اور اس دنیا سے چلتی بنوں گی اور ان تمام باتوں سے آرام مل جائے گا۔ جب غضبان نے یہ سنا تو اسے طیش آ گیا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور اس کا چہرہ غباری رنگ کا ہو گیا اور اس کے نتھنے پھول گئے۔ اور اس کے ہونٹ پسر پڑے اور اس کی دشمنی اور بڑھ گئی۔ ابرینہ یہ سن کر بلک بلک کر رونے لگی اور کہا کہ لعنت ہو تجھ پر اے غضبان‘ کیا تو اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ مجھ سے اس طرح کی باتیں کرے‘ اے ولد الزنا اور رذیل تربیت! کیا تو سمجھتا ہے کہ لوگ سب ایک سے ہیں۔ جب اس مردود غلام نے یہ باتیں سنیں تو وہ طیش میں آ گیا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور وہ اس کی طرف بڑھا اور اس کی گردن پر تلوار کا وار کر کے اسے قتل کر دیا اور مال و دولت لے کر پہاڑوں کی طرف چلتا بنا۔

یہ تو غضبان کا قصہ ہوا۔ اب ابرینہ کا حال سنئے۔ اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو چاند کی طرح خوبصورت تھا۔ مرجانہ نے اسے لے کر جھاڑا پونچھا اور ماں کے پہلو میں لٹا دیا۔ اس نے ماں کا دودھ پیا حالانکہ وہ مر چکی تھی۔ مرجانہ رونے پینے لگی اور اس

نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور سر پر خاک ڈالنے اور منہ پر طمانچے مارنے لگی۔ یہاں تک کہ اس کے چہرے سے خون بننے لگا اور وہ کہنے لگی کہ ہائے میری آقا! ہائے افسوس! تو ایک کالے غلام کے ہاتھ سے ماری گئی جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں، حالانکہ تو خود بڑی شہسوار تھی۔ وہ رو رہی تھی کہ اسے ایک غبار اٹھتا ہوا نظر آیا جو چاروں طرف پھیل گیا۔ جب یہ غبار بیٹھا تو اس کے نیچے ایک جرار لشکر نظر آیا۔ یہ لشکر شہزادی ابرینہ کے باپ بادشاہ حردوب کا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب اس نے سنا کہ اس کی بیٹی اور کنیزیں بغداد بھاگ گئی ہیں اور وہ بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس ہے تو وہ نکل کھڑا ہوا اور لشکر کو ساتھ لے لیا اور وہ راہ گیروں اور مسافروں سے پوچھتا جاتا تھا کہ آیا انہوں نے اس کی بیٹی کو بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس دیکھا ہے۔ جب وہ اپنے شہر سے ایک دن کی راہ طے کر چکا تو اسے دور سے تین سوار نظر آئے اور اس نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس جا کر پوچھے کہ وہ کہاں سے آتے ہیں اور آیا ان کو اس کی بیٹی کی کچھ خبر معلوم ہے؟ یہ تین شخص جن کو اس نے دور سے دیکھا تھا اس کی بیٹی اور بیٹی کی کنیز اور غضبان غلام تھا۔ جب بادشاہ خبر پوچھنے کے لیے ان کی طرف بڑھا تو غلام ڈرا اور شہزادی کو قتل کر دیا اور اپنی جان لے کر بھاگ گیا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بیٹی مقتول پڑی ہے اور اس کی کنیز بیٹھی گریہ و زاری کر رہی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ گھوڑے سے گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا اور تمام سوار اور امرا اور وزرا پیادہ ہو گئے اور وہیں پہاڑ پر ڈیرے ڈال دیے اور بادشاہ حردوب کے لیے ایک گنبد نما گول خیمہ لگایا اور سارے اراکین اس خیمے کے باہر کھڑے ہو گئے۔

جب مرجانہ نے اپنے مالک کو دیکھا تو وہ اسے پہچان گئی اور 'اور' اور زیادہ بلک بلک کر رونے لگی۔ جب بادشاہ کو ہوش آیا تو اس نے مرجانہ سے حال دریافت کیا۔ مرجانہ نے سارا ماجرا بیان کر دیا اور یہ کہا کہ جس شخص نے تیری بیٹی کو قتل کیا ہے، وہ

عمر بن النعمان کے غلاموں میں سے ایک غلام ہے، اور جو کچھ بادشاہ عمر بن النعمان نے اس کے ساتھ کیا تھا، وہ بھی کہہ سنایا۔ جب بادشاہ حردوب نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ زار زار رونے لگا اور ایک تابوت منگا کر بیٹی کی لاش اس میں رکھی اور اسے قیساریہ لے جا کر محل کے اندر لے گیا۔ اس کے بعد بادشاہ حردوب اپنی ماں ذات الدواہی کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ کیا مسلمانوں کو میری بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کرنا تھا! پہلے تو بادشاہ عمر بن النعمان نے زبردستی اس کی عصمت لی اور پھر اس کے ایک حبشی غلام نے اس کو قتل کر دیا۔ مسیح کی سچائی کی قسم، میں اپنی بیٹی کا بدلہ لے کر چھوڑوں گا تاکہ اپنی ذلت کو دور کروں۔ ورنہ میں اپنے ہاتھ سے اپنی جان لے لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ زور زور سے رونے لگا۔ اس کی ماں ذات الدواہی نے کہا کہ تیری بیٹی کی قاتل سوائے مرجانہ کے اور کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دل میں اس سے نفرت کرتی تھی۔ اب رہا اس کا بدلہ لینا، مسیح کی سچائی کی قسم کہ میں بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس سے اس وقت تک نہ لوٹوں گی جب تک کہ اس کو اور اس کی اولاد کو قتل نہ کر ڈالوں اور اس کے ساتھ ایسی چال چلوں گی جو اب تک کسی چالباز یا بہادر نے نہ چلی ہو اور جس کا ذکر ہر ملک اور ہر جگہ کیا جائے گا لیکن میں چاہتی ہوں کہ میں تجھ سے جو کچھ کہوں تو اس کی تعمیل کرے۔ جب کوئی شخص کسی بات پر تل جاتا ہے تو وہ اسے کر کے چھوڑتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ مسیح کی سچائی کی قسم، میں تیرے مخالفت ہرگز نہ کروں گا کہہ تو کیا چاہتی ہے؟

ذات الدواہی نے کہا کہ چند باکرہ اور ابھرے ہوئے سینے والی کنیریں لا دے اور چند بڑے پائے کے حکما بلواتا کہ وہ ان کنیروں کو حکمت اور شاہانہ آداب اور ندیکی اور اشعار سکھائیں اور انہیں حکمت اور ہند کی باتیں بتائیں اور یہ حکما مسلمان ہوں تاکہ وہ انہیں عرب کے حالات اور خلفا کی تاریخ اور پرانے اسلامی بادشاہوں کے قصوں سے آگاہ کریں۔ اگر اس میں چار سال بھی لگ جائیں تب بھی مطلب برآری کے لیے یہ

کوئی بڑی مدت نہیں ہے۔ لہذا صبر کے ساتھ انتظار کر کیونکہ عربوں کا مقولہ ہے کہ اگر چالیس سال کے بعد بھی بدلہ مل جائے تو جلد ہے۔ جب ہم ان کنیزوں کو تعلیم دے چکیں گے تو ہم جو کچھ چاہیں گے اپنے دشمن سے حاصل کر لیں گے۔ کیونکہ بادشاہ عمر بن النعمان کنیزوں کا بڑا شائق ہے اور اس کے پاس تین سو چھیانوے کنیزیں پہلے ہی سے ہیں اور اب تیری وہ کنیزیں بھی شامل ہو گئیں جو مرحومہ کے ساتھ تھیں۔ جب میں کنیزوں کو تعلیم و تربیت مکمل کر چکوں گی جس طرح کہ میں نے تجھ سے بیان کیا ہے تو میں ان کے لے کر روانہ ہو جاؤں گی۔ جب بادشاہ حردوب نے اپنی ماں ذات الدواہی سے یہ باتیں سنیں تو وہ خوش ہو گیا اور اٹھ کر اس کے سر کو بوسہ دیا اور سیاحوں اور ایلچیوں کو فوراً ملک میں ادھر ادھر روانہ کر دیا تاکہ وہ مسلمان حکما کو لے کر آئیں۔ انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور فوراً دور دراز ملکوں میں جا کر اس کی خواہش کے موافق حکما اور علما کو لے آئے۔ جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو اس نے ان کی بڑی عزت کی اور انہیں خلعتیں عطا کیں اور روزینے مقرر کیے اور تنخواہیں معین کیں اور کہا کہ اگر وہ کنیزوں کو تعلیم دیں گے تو مالا مال کر دیے جائیں گے۔ یہ کہہ کر اس نے کنیزوں کو طلب کیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• ترینویں راتے

جب ترینویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب علماء اور حکماء بادشاہ حردوب کے پاس پہنچے تو اس نے ان کا بہت زیادہ احترام کیا اور کنیزوں کو بلا کر کہا کہ ان کو حکمت اور آداب کی تعلیم دیں اور انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔

یہ تو حردوب بادشاہ کا قصہ ہوا۔ اب بادشاہ عمر بن النعمان کا حال سنئے۔ جب وہ سیر و شکار سے لوٹا تو محل میں گیا اور شنزادی ابریزہ کو تلاش کیا مگر نہ پایا اور کسی سے اس کا حال معلوم نہ ہوا کیونکہ کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ یہ بات اس پر بہت شاق گزری اور وہ کہنے لگا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک کنیز محل سے نکل جائے اور کسی کو اس کی خبر نہ ہو! اگر میری حکومت کا یہی حال رہا تو اسے ناکاہ سمجھنا چاہیے اور بے حاکم۔ اب میں کبھی سیر و شکار کے لیے نہ جاؤں گا جب تک کہ دروازوں پر پاسبانوں کو نہ چھوڑ جاؤں۔ بادشاہ کو شنزادی ابریزہ کے فراق میں بڑا صدمہ ہوا اور اس کا دل بیٹھ گیا۔ وہ اس حالت میں تھا کہ اس کا بیٹا شرکان سفر سے لوٹا اور اس نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ جب میں سیر و شکار میں مشغول تھا تو وہ بھاگ گئی۔ یہ سن کر شرکان کو بڑا غم ہوا۔ بادشاہ روز اپنے بچوں کے پاس جاتا اور ان کی تعظیم اور تکریم کرتا اور اس نے علماء اور حکماء کو طلب کیا تا کہ وہ اس کے بچوں کو تعلیم دیں اور ان کے واسطے روزینے مقرر کر دیے۔ جب شرکان نے یہ دیکھا تو وہ غصے سے بھر گیا اور اپنے بھائی بہن پر حسد کرنے لگا۔ حتیٰ کہ غم و غصے کا اثر اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگا اور وہ بیمار پڑ گیا۔ ایک دن اس کے باپ نے اس سے کہا کہ تو کیوں روز بہ روز کمزور ہوتا چلا جاتا ہے اور تیرا رنگ کیوں پیلا پڑتا چلا جاتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے باپ، جب میں دیکھتا ہوں کہ تو میرے بھائی

بہن کو پیار کرتا ہے اور ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہے تو مجھے رشک آتا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ رشک بڑھتے بڑھتے مجھے ان کے قتل پر آمادہ نہ کر دے اور اس کی پاداش میں تو مجھے قتل نہ کر دے۔ اسی وجہ سے میرا جسم گھلتا جاتا اور میرا رنگ پیلا پڑتا جاتا ہے۔ اس لیے میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو میرے اوپر یہ مہربانی کر کے مجھے کسی دور دراز ولایت میں بھیج دے جہاں میں اپنی باقی عمر گزار دوں۔ مقولہ ہے کہ دوست سے دور رہنا میرے لیے بہتر اور خوب تر ہے۔ کیونکہ نہ آنکھ دیکھے اور نہ دل کڑھے۔ یہ کہہ کر اس نے سر نیچا کر لیا۔

جب بادشاہ عمر بن النعمان نے بیٹے کی باتیں سنیں اور اسے اس کے رنج کا سبب معلوم ہو گیا تو اس کے دل کو صدمہ ہوا اور اپنے بیٹے سے کہنے لگا کہ بیٹا، میں تیری یہ درخواست منظور کرتا ہوں۔ میری بادشاہت میں دمشق سے بڑی کوئی ولایت نہیں۔ میں اسی وقت سے تجھے اس کا والی بنا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے فوراً کاتبوں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ اس کے بیٹے شرکان کے نام دمشق کا وثیقہ لکھ دیں۔ انہوں نے لکھ دیا اور اس نے سفر کی تیاری کر دی اور وزیر دندان کو اپنے ساتھ لیا۔ بادشاہ نے وزیر کو حکومت اور سیاست کے متعلق احکام دیے اور تمام امور اس کے سپرد کر کے اس سے کہا کہ وہ شرکان کی ہمراہی میں رہے۔ اب شرکان اپنے باپ اور امراء اور دیگر رؤسا سے رخصت ہوا اور لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ دمشق پہنچا۔ جب وہ دمشق پہنچا تو شہر والوں نے باجے گاجے کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور شہر کو چراغاں کیا اور بڑے جلوس کے ساتھ اس کے استقبال کو گئے۔ اس ترتیب سے کہ دہنی طرف کھڑے ہوئے امراء میمنے میں تھے اور بائیں طرف کھڑے ہونے والے میسرے میں۔

یہ تو شرکان کا قصہ ہوا۔ اب اس کے باپ عمر بن النعمان کا حال سنئے۔ شرکان کے چلے جانے کے بعد حکما اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ہمارے آقا، تیرے بچے علم حاصل کر چکے ہیں اور حکمت اور آداب میں مکمل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر

بادشاہ بہت خوش ہوا اور حکما کو انعام و اکرام دیا۔

اب اس نے دیکھا کہ ضوع المکان بڑا ہو چکا ہے اور تندرست ہے اور گھوڑے پر سواری کرتا ہے اور اس کی عمر چودہ سال کی ہو چکی ہے اور دینداری اور عبادت میں مشغول رہتا ہے اور فقیروں اور عالموں اور حافظوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور تمام بغداد والے خواہ مرد ہوں یا عورت اسے عزیز رکھتے ہیں۔ حج کے زمانے کے قریب عراق کا محل حج اور نبی کریم کی قبر کی زیارت کے لیے تیار ہونے اور شہر میں گھومنے لگا۔ جب ضوع المکان نے یہ جلوس دیکھا تو اس کو بھی حج کا شوق ہوا اور باپ کے پاس جا کر اس نے کہا کہ میں تیرے پاس اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ تو مجھے حج کرنے کی اجازت دے۔ باپ نے اسے روکا اور کہا کہ اگلے سال تک ٹھہر جا۔ اس وقت ہم دونوں ساتھ چلیں گے۔ بیٹے نے سوچا کہ اس میں تو ابھی بہت دیر ہے اور وہ اپنی بہن نہت الزماں کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ جب وہ نماز ختم کر چکی تو بھائی نے اس سے کہا کہ مجھے بیت اللہ کے حج اور نبی کریم کی قبر کی زیارت کا شوق مارے ڈالتا ہے۔ میں نے والد سے اجازت چاہی تھی لیکن وہ منع کرتا ہے۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ کچھ مال لے کر چپکے سے حج کے لیے چل دوں اور والد کو بالکل خبر نہ کروں۔ بہن نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ مجھے بھی ساتھ لے چل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت سے مجھے محروم نہ کر۔ بھائی نے کہا کہ اچھا اب اندھیرا ہو جائے تو اس جگہ سے نکل آؤ اور کسی کو خبر نہ کیجیو۔ جب آدھی رات ہوئی تو نہت الزماں اٹھی اور کچھ مال اپنے ساتھ لیا اور مردانہ کپڑے پہن لیے۔ اس کی عمر بھی اتنی ہی تھی جتنی ضوع المکان کی۔ چلتے چلتے وہ محل کے دروازے پر پہنچی اور دیکھا کہ اس کا بھائی ضوع المکان اونٹنیاں لیے تیار کھڑا ہے۔ اب وہ بھی سوار ہو گیا اور بہن کو بھی سوار کر لیا اور اندھیرے میں چل کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ حاجیوں کے پاس آ گیا اور دونوں ان کے جلوس کے بیچ میں پہنچے۔ خدا نے ان کی قسمت

میں سلامتی لکھی تھی اور وہ مکے تک پہنچ گئے اور عرفات میں ٹھہرے۔ اس کے بعد حج کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے روانہ ہو گئے اور اس کی زیارت کی اور اس کے بعد اپنے وطن کو لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ ضوء المکان نے اپنی بہن سے کہا کہ اے بہن، میرا دل چاہتا ہے کہ بیت المقدس اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر کی زیارت کروں۔ بہن نے جواب دیا کہ میرا دل بھی یہی چاہتا ہے اور دونوں متفق ہو کر باہر آئے اور بیت المقدس جانے والوں کے ساتھ سواری کرایہ پر لی اور سفر کی تیاری کی اور جلوس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اب ایسا اتفاق ہوا کہ اسی رات بہن کو ٹھنڈا بخار آ گیا اور وہ بہت تکلیف میں رہی۔ بعد میں وہ تو اچھی ہو گئی مگر بھائی بیمار پڑ گیا اور بہن اس کی بیماری میں اس کی تیمارداری کرنے لگی اور چلتے چلتے وہ اب بیت المقدس پہنچ گئے اور ضوء المکان کی بیماری بڑھ گئی اور کمزوری زیادہ ہو گئی۔ یہاں وہ ایک سرائے میں اترے اور اپنے لیے ایک کوٹھڑی کرائے پر لی اور اس میں ٹھہر گئے۔ مگر ضوء المکان کا مرض بدھتا ہی گیا یہاں تک کہ وہ سوکھ کر کاٹا ہو گیا اور بیہوش ہو گیا۔

اس پر نہت الزماں بہت غم زدہ ہوئی اور کہنے لگی کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم! خدا کو یہی منظور تھا۔ دونوں اسی جگہ رہنے لگے۔ بھائی کی بیماری بدھتی جاتی تھی اور بہن اس کی تیمارداری کرتی جاتی اور اپنے اور اس کے اوپر مال خرچ کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ سب مال ختم ہو گیا اور وہ غریب ہو گئی حتیٰ کہ ایک درہم بھی اس کے پاس نہ بچا۔ لہذا اس نے اپنے کچھ کپڑے لے کر سرائے کے خادم کے ہاتھ بازار بھیجے۔ وہ بیچ آیا اور نہت الزماں نے وہ دام بھی اپنے بھائی کے اوپر صرف کیے۔ اس کے بعد اس نے کوئی دوسری چیز بیچی۔ اس طرح سے ایک ایک کر کے اس نے ساری چیزیں بیچ ڈالیں اور ایک چٹائی کے ٹکڑے کے سوا اس کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ وہ روتی جاتی اور کہتی جاتی تھی کہ خدا نے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ ایک دن

اس کے بھائی نے کہا کہ بہن! اب میں اچھا ہو رہا ہوں اور میرا جی بھنا ہوا گوشت کھانے کو چاہتا ہے۔ بہن نے کہا کہ خدا کی قسم! بھیک مانگنے کی تو میری ہمت نہیں پڑتی! مگر میں کل کسی بڑے آدمی کے گھر جا کر نوکری کروں گی اور اپنا اور تیرا گزارہ کروں گی۔ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگی کہ تیری جدائی مجھ پر شاق ہے کیونکہ تو اس حالت میں ہے لیکن میں اپنے دل پر جبر کر کے جاؤں گی۔ بھائی نے کہا کہ کیا عزت کے بعد تو اپنے آپ کو ذلیل کرنا چاہتی ہے! لاجول ولا قوہ الا باللہ! یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور وہ بھی رو پڑی اور کہنے لگی کہ بھائی! ہم یہاں پر دیسی ہیں اور ایک سال سے یہ رہے ہیں مگر آج تک کسی نے ہمارے دروازے پر دستک نہیں دی۔ کیا ہم بھوکے مر جائیں! میری رائے اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں جا کر نوکری کروں اور تیرے لیے کھانے کو لاؤں یہاں تک کہ تجھ کو صحت ہو اور اس کے بعد ہم وطن کو روانہ ہو جائیں۔ یہ کہہ کر وہ دیر تک روتی رہی اور وہ بھی تکیہ لگائے روتا رہا۔

اس کے بعد نہت الزماں انھی اور ساربان کے عبا سے اپنا سر ڈھانکا جو اس کا مالک بھولے سے ان کے پاس چھوڑ گیا تھا اور اپنے بھائی کے سر کو بوسہ دیا اور اسے گلے سے لگایا اور روتی ہوئی باہر گئی۔ اسے یہ تو خبر نہ تھی کہ کہاں جائے مگر وہ چلتی رہی اور بھائی انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ عشا کا وقت آ گیا مگر وہ پھر بھی نہ لوٹی۔ اب انتظار کرتے کرتے صبح ہو گئی اور وہ نہ آئی تو بھائی کو سخت تشویش ہوئی اور اس کا دل کانپنے لگا اور وہ مارے بھوک کے پریشان ہو گیا۔ اب وہ کوٹھڑی سے نکلا اور سرائے کے ملازم کو بلا کر کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے بازار لے چل۔ اس نے لے جا کر اسے بازار میں ڈال دیا۔ بیت المقدس والے اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس پر رونے لگے۔ اسی حالت میں اس نے اشارے سے کچھ کھانے کے لیے مانگا۔ اس پر وہ لوگ کسی سوداگر سے چند درہم لے آئے اور کچھ کھانا خرید کر اسے کھلایا۔ اس کے بعد وہ اسے ایک دوکان پر لے گئے اور اس کے لیے ایک بویا بچھا دیا اور اس کے سرہانے ایک لوٹا رکھ دیا۔ جب رات ہوئی تو لوگ اس کے پاس سے چلے گئے لیکن ان کا دل

اسی میں لگا رہا۔ آدھی رات کے وقت اس کو بہن کی یاد آئی اور اس کا غم اور بڑھ گیا اور کمزوری زیادہ ہو گئی اور کھانے پینے کو بالکل ہاتھ نہ لگایا اور بیہوش ہو گیا۔

اب بازار والوں نے سوداگروں سے چندہ کر کے تیس چاندی کے درہم اکٹھے کیے اور ایک اونٹ کرائے پر لیا اور ساربان سے کہا کہ اس بیمار کو لے جا کر دمشق کے شفاخانے میں پہنچا دے۔ ممکن ہے کہ اس کی حالت سنبھل جائے اور وہ تندرست ہو جائے۔

ساربان نے کہا کہ سر آنکھوں پر! اگر وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں اس بیمار کو کس طرح لے جاؤں گا؟ یہ تو گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بیمار کو لیا اور رات تک کسی جگہ چھپا رہا اور پھر اس نے اس کو ایک حمام کی بھٹی کے ساتھ راکھ کے ڈھیر پر ڈال دیا اور خود چلتا بنا۔

جب صبح ہوئی تو حمام کا ملازم آگ جلانے کے لیے پہنچا اور دیکھا کہ وہاں ایک شخص چپ پڑا ہے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ لوگ اس مردے کو یہیں لا کر کیوں پھینک گئے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماری مگر دیکھا کہ وہ جنبش کرتا ہے۔ اس پر آگ جلانے والے نے کہا کہ تم میں سے جب کوئی شخص بھنگ کھا لیتا ہے تو جہاں چاہتا ہے گر پڑتا ہے۔ اب جب اس کی نظر مریض کے چہرے پر پڑی تو دیکھا کہ ابھی اس کے داڑھی مونچھ نہیں نکلی ہیں اور بڑا خوبو نوجوان ہے۔ اس لیے اس پر اسے رحم آگیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ بیمار ہے اور پردیسی۔ اس نے لاحول ولا قوہ الا باللہ پڑھا اور کہا کہ اس لڑکے کی وجہ سے میں گنہگار ہوا ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردیسیوں کا احترام کرنے کا حکم دیا ہے بالخصوص جب پردیسی بیمار بھی ہو۔ یہ کہہ کر وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا کہ اس کے لیے بچھونا بچھا اور اس کی تیمارداری کر۔ بیوی نے بچھونا بچھایا اور اس کے سر کے نیچے تکیہ رکھا اور پانی گرم کر کے اس کے ہاتھ پاؤں اور منہ دھلایا۔ اب آگ جلانے والا بازار گیا اور اس کے لیے گلاب کا عرق اور کچھ مٹھائی لایا اور اس کے منہ پر گلاب چھڑک کر اسے شربت پلایا اور ایک صاف قمیص نکال کر اسے پہنائی۔ اس پر وہ تندرست

ہونے لگا اور سے ہوش آنے لگا اور وہ تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ آگ جلانے والا خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے خدا کا یہ لڑکا تندرست ہو رہا ہے۔ خداوند میں تیری غیب دانی کے طفیل میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ اس جوان کی تندرستی میرے ہاتھوں سے ہو۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چونسویں رات

جب چونسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- آگ جلانے والے نے کہا کہ خداوند میں تیری غیب دانی کے طفیل میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ اس لڑکے کی زندگی میرے ہاتھ سے ہو! اور وہ تین دن تک برابر اس کی تیمارداری کرتا رہا اور اسے شکر اور بید مشک اور بید گلاب کا شربت پلاتا رہا اور اس کی بہت زیادہ خبر گیری کرتا اور اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتا رہا یہاں تک کہ وہ تندرست ہو گیا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اب آگ جلانے والا اس کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے چہرے پر بشارت ہے اور اس سے کہنے لگا کہ بیٹا، تیرا مزاج اب کیسا ہے؟ اس نے کہا کہ الحمد للہ اب میں خدا کی مہربانی سے اچھا ہو گیا ہوں۔ آگ جلانے والے نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا اور بازار جا کر اس کے لیے دس چوزے خرید لایا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ ہر روز دو چوزے اس کے لیے ذبح کر، ایک صبح کو اور ایک شام کو۔ بیوی انھی اور اس نے ایک چونہ ذبح کیا اور اس کو ابلا اور اس کی یخنی اسے پلائی اور گوشت کھلایا۔ جب وہ کھا پی چکا تو وہ عورت گرم پانی لائی اور اس کے ہاتھ دھلائے اور تکتے پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور عورت نے اسے چادر اوڑھا دی اور وہ عصر کے وقت تک سوتا رہا۔ اب وہ انھی اور اس نے دوسرے چوزے کی یخنی بنائی اور اسے کٹ کر اس کے پاس لائی اور کہنے لگی کہ بیٹا، کھا۔ وہ کھا ہی رہا تھا کہ اس کا شوہر گھر آیا اور اس نے دیکھا کہ وہ اسے کھلا رہی ہے۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ بیٹا، اب تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ شکر ہے خدا کا، میں اچھا ہوں، خدا تجھے نیک بدلہ دے! آگ سلگانے والا یہ سن کر خوش ہو گیا اور جا کر بنفشے کا شربت اور بید مشک کا عرق لے آیا اور ایک درہم کے چوزے خریدے اور ایک مہینے تک اس کی خدمت کی، یہاں تک کہ بیماری کے

تمام اثر زائل ہو گئے اور وہ تندرست ہو گیا۔ ضوع المکان کی صحت کی وجہ سے آگ سلگانے والا اور اس کی بیوی بہت خوش ہو گئے اور انہوں نے ضوع المکان سے کہا کہ تو میرے ساتھ حمام چلے گا؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ اس پر وہ بازار جا کر ایک گدھے والے کو لے آیا اور ضوع المکان کو گدھے پر سوار کیا اور خود اسے تھامے رہا یہاں تک کہ وہ حمام پہنچ گئے اور اس نے ضوع المکان کو بٹھا دیا اور گدھے والے کو بھٹی کے پاس بٹھا کر خود بازار گیا اور اس کے لیے بیری کے پتے اور ابٹن خریدا اور اس سے کہنے لگا کہ اے میرے آقا، بسم اللہ، حمام کے اندر چل تاکہ میں تجھے نہلاؤں۔ اب وہ دونوں حمام میں داخل ہوئے اور آگ سلگانے والا ضوع المکان کے پاؤں دہلانے اور اس کا بدن، بیری کے پتوں اور ابٹن سے ملنے لگا۔ اسی اثناء میں حماچی نے ضوع المکان کے پاس غسل کو بھیجا۔ جب وہ آیا تو اس نے دیکھا کہ آگ سلگانے والا اس کو نہلا رہا اور اس کے پاؤں مل رہا ہے۔ اتنے میں حماچی بھی وہاں پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ واللہ، یہ غسل کی حق تلفی ہے۔ آگ سلگانے والے نے کہا کہ واللہ، غسل کا احسان ہم پر بے انتہا ہے۔ اس کے بعد حماچی نے ضوع المکان کا سر مونڈنا شروع کر دیا اور ضوع المکان اور آگ سلگانے والا دونوں نہا دھو کر نکلے اور گھر گئے اور اس نے ضوع المکان کو ایک عمدہ قمیص اور اپنی قباؤں میں سے ایک قبا اور ایک عمدہ پگڑی اور ایک خوبصورت پیٹی دی اور اس کے گلے میں ایک رومال باندھا۔ اسی اثناء میں اس کی بیوی نے دو چوزے ذبح کر کے پکا رکھے تھے۔ جب ضوع المکان آکر فرش پر بیٹھا تو آگ سلگانے والے نے اٹھ کر بید مشک کے عرق میں شکر گھول کر ملائی اور اسے پینے کو دیا۔ اب دسترخوان بچھایا گیا اور آگ سلگانے والا چوزوں کو کٹ کٹ کر اسے کھلاتا جاتا اور یخنی پلاتا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ سیر ہو گیا اور ہاتھ دھوئے اور اپنی سلامتی پر خدا کا شکر ادا کیا اور آگ سلگانے والے سے کہنے لگا کہ خدا نے تیرے ذریعے میرے اوپر احسان کیا اور تیرے ہاتھوں سے مجھے سلامتی بخشی۔ آگ سلگانے والے نے کہا کہ یہ باتیں مت کر اور بتا کہ تو اس شہر میں

کیوں آیا اور تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ تیرے چہرے سے ناز پروردگی کے آثار نمایاں ہیں۔ ضوء المکان نے کہا کہ پہلے یہ بتا کہ میں تجھے کس طرح ملا۔ اس کے بعد میں اپنا سارا قصہ تجھ سے بیان کروں گا۔ آگ سلگانے والے نے کہا کہ صبح کے وقت جب میں اپنے کام پر جا رہا تھا تو میں نے تجھے کوڑے کے ڈھیر پر پایا جو بھٹی کے دروازے پر ہے۔ معلوم نہیں کہ تجھے کون وہاں ڈال گیا تھا اور تجھے اپنے گھر لے آیا۔ بس یہی میرا قصہ ہے۔ ضوء المکان نے کہا کہ پاک ہے وہ ذات جو سڑی گلی ہڈیوں میں جان ڈالتی ہے۔ بھائی، تو نے کسی نااہل کے ساتھ نیکی نہیں کی اور تو عنقریب اس کا پھل پائے گا۔

اس نے آگ سلگانے والے سے پوچھا کہ اس وقت میں کس جگہ ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ بیت المقدس میں۔ اب وہ اپنی غربت اور اپنی بہن کی جدائی کو یاد کر کے رونے لگا اور اس نے آگ سلگانے والے پر اپنا بھید ظاہر کر دیا اور اپنا قصہ کہہ سنایا۔ اس کے بعد اب وہ اور زیادہ رونے لگا۔ آگ سلگانے والے نے کہا کہ رومت بلکہ اپنی سلامتی اور تندرستی پر خدا کا شکر ادا کر۔ ضوء المکان نے پوچھا کہ یہاں سے دمشق کتنی دور ہے؟ اس نے جواب دیا کہ چھ دن کی راہ۔ ضوء المکان نے کہا کہ کیا تو مجھے وہاں بھیج سکتا ہے؟ آگ سلگانے والے نے کہا کہ اے میرے آقا، میں تجھے اکیلا کیوں کر جانے دے سکتا ہوں، تو ابھی بچہ ہے اور پردیسی۔ اگر تو دمشق جانا چاہتا ہے تو میں خود تیرے ساتھ چلوں گا اور اگر میری بیوی نے میری بات سنی اور میرا کہنا مان لیا اور میرے ساتھ چلی تو میں وہاں ٹھہر جاؤں گا کیونکہ تیری جدائی مجھ پر شاق ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میرے ساتھ دمشق چلنا چاہتی ہے یا یہ چاہتی ہے کہ تو یہیں رہے اور میں اپنے آقا کو دمشق پہنچا کر تیرے پاس واپس آ جاؤں، کیونکہ وہ دمشق جانا چاہتا ہے اور مجھ پر اس کی جدائی شاق ہے اور پھر راہ میں ڈاکوؤں کا بھی ڈر ہے۔ بیوی نے جواب دیا کہ میں تم دونوں کیساتھ چلوں گی۔ آگ سلگانے والے نے کہا کہ خدا کا ہم دونوں کی ایک رائے ہے اور یہی فیصلہ ٹھہرا ہے۔

اب آگ سلگانے والا اٹھا اور اپنے اور اپنی بیوی کے لیے سامان خرید لایا۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• پچپنویں رات

جب پچپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- تنورچی اور اس کی بیوی ضوء المکان کے ساتھ دمشق جانے کے راضی ہو گئے ہیں اور تنورچی نے اپنے اور اپنی بیوی کے لیے سامان خریدا اور ایک اونٹ مول لیا اور ایک گدھا کرائے پر لے کر ضوء المکان کو اس پر سوار کیا اور تینوں روانہ ہو گئے۔ چھ دن چلنے کے بعد وہ دمشق پہنچے اور شام کے وقت وہاں اترے۔ تنورچی دستور کے موافق کھانے پینے کی چیزیں خرید لاتا۔ پانچ دن انہوں نے اس طرح سے گزارے۔ اس کے بعد تنورچی کی بیوی بیمار پڑ گئی اور کچھ دن بیمار رہ کر اس نے انتقال کیا۔ ضوء المکان کو اس کا بڑا صدمہ ہوا کیونکہ وہ اس سے ہل گیا تھا اور وہی اس کی خدمات کرتی تھی۔ اس کی موت پر تنورچی کو بھی بڑا رنج پہنچا۔

ضوء المکان اس کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ غمگین بیٹھا ہے اور کہنے لگا کہ غم مت کر کیونکہ ہم سب کو اسی دروازے سے گزرتا ہے۔ تنورچی اس کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ خدا تجھے اس کا نیک بدلہ دے، اے میرے بیٹے، خدا اس کے بدلے اپنا فضل و کرم عطا کرے گا اور غم کو دور کرے گا۔ بیٹا، کیا تیرا جی چاہتا ہے کہ ہم چل کر دمشق کی سیر کریں تاکہ تیرا دل بہلے؟ ضوء المکان نے کہا کہ تیرا کہنا بجا ہے اور وہ دونوں چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ دمشق کے والی کے اصطبل کے پاس پہنچے۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ اونٹوں پر صندوق اور قالینیں اور ریشمی کپڑے لدے ہوئے ہیں اور گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی ہیں اور بہت سے بختی اونٹ اور کالے اور سفید غلام ہیں اور لوگ ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ ضوء المکان نے اپنے دل میں کہا کہ یا اللہ، یہ غلام اور اونٹ اور کپڑے کس کے لیے ہیں! کسی خادم سے اس نے پوچھا کہ یہ سامان کہاں جا رہا ہے، اس نے کہا کہ یہ دمشق کے والی کا ہدیہ ہے جو شام کے خراج

کے ساتھ بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس جا رہا ہے۔

جب ضوء المکان نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور وہ رونے لگا۔
 تنورچی نے کہا کہ بیٹا، ابھی تک ہمیں یقین نہیں آتا کہ تو تندرست ہے، خوش ہو اور
 رومت کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں بیماری عود نہ کر آئے۔ وہ ضوء المکان کے ساتھ
 مربانی کی باتیں اور ہنسی مذاق کرتا جاتا اور ضوء المکان آپہں بھرتا اور اپنی عزت اور
 بہن کی جدائی اور وطن چھوٹنے پر افسوس کرتا جاتا اور آنسو بہاتا جاتا۔

ضوء المکان اپنی غربت پر روتا اور آنسو بہاتا جاتا اور تنورچی اپنی بیوی کی جدائی پر گریہ
 و زاری کرتا تھا لیکن وہ برابر ضوء المکان کی دل دہی کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ سویرا
 ہو گیا۔ جب سورج نکلا تو تنورچی نے کہا کہ ہاں، اور میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا اور
 تجھے خدا کو سونپتا ہوں کیونکہ میں ان لوگوں کے ساتھ جاتا ہوں اور ان کے ساتھ چلتے
 چلتے میں اپنے وطن پہنچ جاؤں گا۔ تنورچی نے کہا کہ میں تیرے ساتھ ہوں کیونکہ مجھے
 تیری جدائی گوارا نہیں ہے۔ میں نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے اور اب میں چاہتا ہوں
 کہ تیری خدمت میں رہ کر اس کو مکمل کر دوں۔ ضوء المکان نے کہا کہ خدا تجھے
 اس کا نیک بدلہ دے! اور وہ اس پر بہت خوش ہوا کہ تنورچی بھی اس کے ساتھ چلے
 گا۔ تنورچی نے فوراً جا کر اونٹ بیچ ڈالا اور ضوء المکان کے لیے دوسرا گدھا خریدا اور
 راہ کے لیے کھانا پینا ساتھ لے لیا اور اس سے کہا کہ گدھے پر سوار ہو کر سفر کر۔
 اگر تو اس پر بیٹھے بیٹھے تھک جائے تو پیدل چلیو۔ ضوء المکان نے کہا کہ خدا تجھے برکت
 دے اور تجھے اس کا صلہ دینے میں میری مدد کرے! تو نے میرے ساتھ وہ بھلائی کی
 ہے جو کوئی اپنے بھائی کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ جب اندھیرا چھا گیا تو انہوں نے اپنا
 سامان اور کھانا پینا گدھے پر لادا اور روانہ ہو گئے۔

یہ تو ضوء المکان اور تنورچی کا قصہ ہوا۔ اب اس کی بہن نہت الزماں کی سرگزشت
 سنئے۔ جب وہ اپنے بھائی سے رخصت ہوئی تھی تو عبالیپٹ کر بیت المقدس کی سرائے
 سے نکلی تاکہ کہیں نوکری کر کے اپنے بھائی کے لیے تلا ہوا گوشت لے کر آئے،

جس کی اسے بھوک تھی۔ وہ روتی ہوئی نکلی اور اسے نہ معلوم تھا کہ کہاں جائے، اس کا دل بھائی میں لگا ہوا تھا اور گھر بار اور وطن کی یاد آتی تھی اور خدا سے دعا مانگ رہی تھی کہ وہ ان بلاؤں کو دور کرے۔ اسی طرح روتی ہوئی وہ چلی جاتی اور دہنے بائیں دیکھتی جاتی تھی کہ اسے ایک بدو شیخ مسافر جس کے ساتھ پانچ اور بدو تھے، نظر آیا۔ شیخ کی نظر نہت الزماں پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ وہ ایک حسین لڑکی ہے اور ایک پھٹی ہوئی عبا پہنے ہوئے ہے۔ اس کا حسن دیکھ کر بدو کو تعجب ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس کے حسن سے میری عقل دنگ ہے مگر وہ خستہ حال معلوم ہوتی ہے۔ خواہ وہ اسی شہر کی ہو یا پردیسی، میں اسے ضرور لے جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ ایک تنگ گلی میں اس کے آگے آیا اور اسے آواز دی کہ حال پوچھے اور کہنے لگا کہ بیٹی، تو کنیز ہے یا آزاد؟ جب نہت الزماں نے اس کی باتیں سنیں تو اس نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگی کہ تجھے اپنے سر کی قسم، میرے غم کو تاناہ مت کر۔ اس نے کہا کہ خدا نے مجھے چھ بیٹیاں عطا کی تھیں جن میں سے پانچ فوت ہو چکی ہیں اور ایک جو سب سے چھوٹی ہے، باقی ہے۔ اس لیے میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ خواہ تو پردیسی ہو یا اسی شہر کی رہنے والی، آیا میں تجھے لے چل کر اس کے ساتھ رکھوں تاکہ اس کا دل بہلے اور تیری وجہ سے بہنوں کی جدائی کا غم غلط ہو۔ اگر تیرے آگے پیچھے کوئی نہیں تو میں تجھے انہیں کی طرح اپنی اولاد بنا کر رکھوں گا۔

جب نہت الزماں نے اس کی باتیں سنیں تو وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ میں اپنے آپ کو کس طرح اس شیخ کے سپرد کر سکتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے شرم سے اپنا سر نیچا کر لیا اور کہنے لگی کہ چچا، میں ایک پردیسی غریب زادی ہوں اور میرا ایک بھائی ہے جو بیمار ہے تیری بیٹی کے پاس میں ایک شرط سے چل سکتی ہوں کہ دن بھر اس کے ساتھ رہوں اور رات کو اپنے بھائی کے پاس چلی جاؤں۔ اگر یہ شرط تجھے منظور

ہے تو میں تیرے ساتھ چلتی ہوں کیونکہ میں پردیسن ہوں۔ اپنی قوم میں بڑی باعزت ہوں لیکن اس وقت حقیر ہوں اور میں اپنے بھائی کے ساتھ حجاز سے آئی ہوں اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بھائی کو خبر نہ ہو کہ میں کہاں ہوں۔ جب بدو نے اس کی باتیں سنیں تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم، اب میرا مطلب بر آیا اور لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ میرے لیے تجھ سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں اور میرا بھی یہی مقصد ہے کہ تو دن بھر میری بیٹی کے ساتھ رہے اور شام ہوتے ہی تو اپنے بھائی کے پاس چلی جائے اور اگر تو چاہے تو اپنے بھائی کو ہمارے یہاں لے آ۔

بدو اسی طرح اس سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے اس کو پھسلاتا رہا یہاں تک کہ اس کا دل پسچ گیا اور اس نے نوکری کی ہامی بھر دی۔ بدو آگے آگے چلا اور لڑکی پیچھے پیچھے ہو لی۔ اب اس نے اپنے ساتھیوں کو اشاہ کیا اور انہوں نے آگے پہنچ کر اونٹوں کو تیار کیا اور ان کے اوپر سامان لادا اور کھانا پینا رکھا کہ جوں ہی شیخ وہاں پہنچے، اونٹ روانہ ہو جائیں۔

اب یہ بدو حرام زادہ ڈاکو اور دھوکے باز اور چور اور مکار اور دغا باز تھا۔ نہ اس کے لڑکی تھی نہ لڑکا۔ وہ محض راستہ چل رہا تھا کہ اتفاق سے اس غریب بچی کا آئنا سامنا ہو گیا۔ بدو نے اس کو باتوں میں لگائے رکھا یہاں تک کہ وہ بیت المقدس کے باہر آ گیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور دیکھا کہ انہوں نے اونٹ تیار کر رکھے ہیں۔ بدو ایک اونٹ پر سوار ہو گیا اور لڑکی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور وہ رات بھر چلتے رہے۔ اب زہت الزماں کو معلوم ہوا کہ اس کی باتیں محض دغا بازی تھیں اور اس نے اسے دھوکا دیا ہے۔ وہ ساری رات روتی پیٹتی رہی اور انہوں نے پہاڑ کا راستہ لیا کہ کہیں کوئی ان کو دیکھ نہ لے۔ فجر کے قریب وہ اونٹوں سے اترے اور بدو شیخ نے زہت الزماں کے پاس آکر کہا کہ اے شہری، یہ رونا پیٹنا کیسا؟ اے شہری نجاست، اگر تو نے رونا بند نہ کیا تو میں مارتے مارتے تیرا کچلا کر دوں گا۔ جب زہت الزماں نے اس کی

باتیں سنیں تو اس کی زندگی اجیرن ہو گئی اور وہ موت کی تمنا کرنے لگی اور بدو کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ اے منحوس بڑھے اور اے جہنمی کھوسٹ میں نے تیرے اوپر بھروسہ کیا اور تو نے میرے ساتھ دغا بازی کی اور اب تو مجھے تکلیف دینا چاہتا ہے۔ جب بدو نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا کہ اے پتیا، تیری یہ ہمت ہو گئی کہ مجھے لوٹ کر جواب دیتی ہے اور کوڑا لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور اسے مارنے لگا اور کہا کہ اگر تو چپ نہ ہو گئی تو میں تجھے مار ڈالوں گا۔ لڑکی چپ ہو گئی اور اپنے بھائی اور گزشتہ عیش و عشرت کو یاد کرنے اور اندر ہی اندر رونے لگی۔ دوسرے دن اس نے بدو کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو مجھے دھوکا دے کر اس بنجر پہاڑ میں کیوں لایا ہے؟ آخر تیرا کیا مقصد ہے؟

جب بدو نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اس کا دل اور بھی سخت ہو گیا اور اس سے کہنے لگا کہ اے منحوس پتیا، تیری یہ ہمت ہو گئی کہ مجھے لوٹ کر جواب دیتی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کوڑا لیا اور اس کی پیٹھ پر مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد وہ بدو کے پاؤں پر گر پڑی اور انہیں چومنے لگی۔ اس پر اس نے ہاتھ روک لیا لیکن برا بھلا کہتا رہا اور کہنے لگا کہ مجھے اپنے عمامے کی قسم، اگر میں نے تجھے روتا دیکھا یا سنا تو میں تیری زبان کاٹ کر تیری۔۔۔۔۔ کے اندر گھیڑ دوں گا۔ اے شہری پتیا! یہ سن کر وہ چپ ہو گئی اور کوئی جواب نہ دیا۔ مار سے اسے تکلیف ہو رہی تھی اور وہ گھٹنوں میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گئی اور اس حلقے کے اوپر اپنا سر رکھ لیا اور سوچنے لگی کہ آج وہ کس حالت میں ہے اور عزت کے بعد اسے کتنی ذلت اٹھانی پڑی اور اس نے کتنی مار کھائی۔ ساتھ ساتھ اسے اپنے بھائی اور اس کی بیماری اور تنہائی اور غربت بھی یاد آ رہی تھی اور آنسو چہرے پر بہہ رہے تھے اور وہ اندر ہی اندر روتی تھی۔ یہ دیکھ کر بدو اس کے پاس آیا اور اسے دلاسا دیا اور اس کے ساتھ ہمدردی کی اور اس کے آنسو پونچھنے اور جو کی ایک ٹکلیا اسے دی اور کہنے لگا کہ

مجھے یہ پسند نہیں کہ غصے کے وقت کوئی مجھے لوٹ کر جواب دے۔ تو بھی پھر ایسی بے
ہودہ باتیں مجھ سے نہ کیجیو۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے ایک دوسرے شخص کے ہاتھ بچ
ڈالوں جو میری ہی طرح بھلا مانس ہے اور وہ میری ہی طرح تجھ سے بھلائی کرے
گا۔ لڑکی نے کہا کہ جو کچھ تو کرے ٹھیک ہے۔ جب رات زیادہ ہو گئی اور وہ بھوک
سے بیتاب ہونے لگی تو اس نے وہ جو کی نکلیا تھوڑی سے کھائی۔ جب آدھی رات
ہوئی تو بدو نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ کوچ کریں۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔



• چھپنویں رات

جب چھپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب بدو نے
 نہت الزماں کو جو کی نکلیا دی اور کہا کہ وہ اسے اپنی طرح ایک بھلے مانس کے ہاتھ
 پہنچے گا تو اس نے جواب دیا کہ تیری یہ بات بہت مناسب ہے۔ جب آدھی رات ہوئی
 اور بھوک سے بے چین ہو گئی تو اس نے اس جو کی نکلیا میں سے ایک ٹکڑا کھا لیا۔
 اس کے بعد بدو نے اپنے لوگوں سے کہا کہ کوچ کرو اور انہوں نے اونٹ لادے اور
 بدو ایک اونٹ پر سوار ہو گیا۔ اور نہت الزماں کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور چل دیا۔ تین
 دن کے سفر کے بعد وہ دمشق پہنچے اور خان السلطان میں جو باب النائب کے پاس ہے،
 اترے۔ سفر کی تھکان اور دلی صدمے کی وجہ سے نہت الزماں کا رنگ متغیر ہو گیا
 تھا اور وہ روتی جا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر بدو اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے شہری
 لونڈیا۔ مجھے اپنے سر کی قسم، اگر تو نے رونا بند نہ کیا تو تجھے میں کسی یہودی ہی کے
 ہاتھ بیچوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک کوٹھڑی میں لے
 گیا اور خود بازار گیا اور ان سوداگروں کے پاس پہنچا جو کنیزوں کا کاروبار کرتے تھے اور
 ان سے بات چیت کی اور کہنے لگا کہ میرے پاس ایک کنیز ہے جس کو میں اپنے ساتھ
 لایا ہوں۔ اس کا بھائی بیمار ہے اور میں نے اسے بیت المقدس میں اپنے گھر بھیج دیا
 ہے تاکہ اس کا علاج ہو اور وہ اچھا ہو جائے۔ اس کنیز کو میں بیچنا چاہتا ہوں۔ جب
 سے اس کا بھائی بیمار پڑا ہے، وہ روتی ہے اور بھائی کی جدائی اس پر شاق ہے۔ اس
 لیے میں چاہتا ہوں کہ جو شخص اسے خریدنا چاہے، اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرے
 اور کہے کہ تیرا بھائی میرے پاس بیت المقدس میں ہے۔ اس پر میں لڑکی کو سستا بیچ
 دوں گا۔ یہ سن کر ایک سوداگر اٹھا اور کہنے لگا کہ اس کی کیا عمر ہے؟ بدو نے جواب
 دیا کہ وہ باکہ بالغہ ہے اور سمجھ دار اور آداب سے واقف اور باشعور اور نہایت حسین

ہے۔ جب سے میں نے اس کے بھائی کو بیت المقدس بھیجا ہے، لڑکی کا دل اس میں لگا رہتا ہے اور اس کا چہرہ متغیر ہو گیا ہے اور رنگ روپ بدل گیا ہے۔

جب سوداگر نے یہ سنا تو بدو کے ساتھ چل کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے شیخ، میں تیرے ساتھ چل کر تجھ سے وہ کنیز خریدے لیتا ہوں جس کی تو مدح کرتا ہے اور جس کی عقل اور آداب دانی اور حسن و جمال کی تو تعریف کرتا ہے اور اس کے دام تجھے دیتا ہوں۔ مگر میں تیرے ساتھ کچھ شرطیں کروں گا اور اگر تو نے وہ شرطیں مان لیں تو میں اس کی قیمت نقد ادا کروں گا اور اگر نہ مانیں تو میں کنیز تجھ کو واپس دے دوں گا۔ بدو نے کہا کہ اگر تو چاہے تو والی کے پاس چل کر جو شرطیں چاہے میرے ساتھ کر۔ کیونکہ جب تو اسے بغداد اور خراسان کے بادشاہ عمر بن النعمان کے شہزادے شرکان کے پاس لے جائے گا تو اگر اس کی سمجھ میں آ گیا تو وہ تجھے کنیز کی قیمت سے زیادہ دے گا۔ سوداگر نے کہا کہ مجھے والی سے ایک ضرورت درپیش ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ مجھے ایک پروانہ دے دے کہ مجھ سے جنگی نہ لی جائے اور میرے لیے ایک سفارشی خط اپنے باپ عمر بن النعمان کے نام لکھ دے۔ اگر شرکان نے مجھ سے کنیز قبول کر لی تو میں فوراً اس کی قیمت تول کر تجھے دے دوں گا۔ بدو نے کہا کہ منظور ہے، اور چلتے چلتے اب دونوں اس جگہ پہنچ گئے جہاں نہت الزماں تھی اور بدو نے کوٹھڑی کے پاس کھڑے ہو کر آواز دی کہ اے ناجیہ اور یہ نام بدو نے اس کو دیا تھا۔ جب لڑکی نے اس کی آواز سنی تو وہ رونے لگی اور کچھ جواب نہ دیا۔ بدو سوداگر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ وہ یہ کیا تیرے سامنے بیٹھی ہے۔ اس کے پاس جا کر اسے دیکھ لے اور جیسا کہ میں نے تجھ سے کہا ہے، اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ گفتگو کر۔ سوداگر ہنس مکھ چہرہ بنا کر اس کے آگے آیا۔ اور دیکھا کہ وہ حسن و جمال میں لاجواب ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ عربی جانتی ہے۔ سوداگر نے اپنے دل میں کہا کہ اگر وہ ایسی نکلی جیسا کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے تو اس کے ذریعے سے جو کچھ میں والی سے چاہوں گا، مجھے مل جائے گا۔

اب سوداگر نے لڑکی سے کہا کہ السلام علیک، اے بیٹی، تیرا مزاج کیسا ہے؟ یہ سن کر لڑکی اس کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی کہ تقدیر میں یہی لکھا تھا، اور دیکھا کہ وہ بڑا شان دار آدمی ہے اور اس کا چہرہ خوبصورت ہے اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ شاید یہی مجھے خریدنے آیا ہے، اگر میں اس سے انکار کروں گی تو پھر میں اسی ظالم کی بندی میں رہوں گی اور وہ مجھے مارتے مارتے مار ڈالے گا۔ بہر حال یہ شخص حسین ہے اور اس کیلئے بدو کی بہ نسبت اس سے زیادہ بھلائی کی امید ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ میری باتیں سننے آیا ہو، لہذا مجھے چاہیے کہ اسے اچھا جواب دوں۔ وہ یہی سوچ رہی تھی او سر نیچا کئے ہوئے تھی۔ اب اس نے اس شخص کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور نہایت میٹھی آواز سے کہنے لگی کہ وعلیک السلام، اے میرے آقا، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ رہا تیرا یہ پوچھنا کہ میرا حال کیسا ہے؟ اگر وہ تجھے معلوم ہو جائے تو تو اسے سوائے اپنے دشمنوں کے کسی اور کے لیے نہ چاہیو۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔ جب سوداگر نے اس کی باتیں سنیں تو مارے خوشی کے اس کے ہوش جاتے رہے اور بدو کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ کیونکہ وہ واقعی عالی شان ہے۔ اس پر بدو کو غصہ آگیا اور وہ کہنے لگا کہ ایسی باتیں کر کر کے تو لڑکی کو خراب کر دے گا۔ تو نے یہ کیوں کہا کہ وہ عالی شان ہے؟ وہ تو کینزوں کی تلچھٹ ہے اور لوگوں کا کوڑا کرکٹ۔ اسے تیرے ہاتھ ہرگز نہ بیچوں گا۔ جب سوداگر نے بدو کی باتیں سنیں تو وہ سمجھ گیا کہ یہ شخص کم عقل ہے اور کہنے لگا کہ ناراض مت ہو، میں باوجود ان تمام عیبوں کے جو تو نے بیان کئے خرید لوں گا۔ بدو نے کہا کہ اس کی کتنی قیمت دے گا؟ سوداگر نے کہا کہ بیٹے کا نام باپ رکھتا ہے۔ مانگ تو کیا مانگتا ہے؟ بدو نے کہا کہ تو ہی کہہ۔ سوداگر نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بدو بے عقل ہے اور اس کا سر پھرا ہوا ہے۔ واللہ میں اس کی قیمت مقرر نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے اپنی شیریں بیانی اور خوبصورتی سے میرے دل

کے اوپر قبضہ کر لیا ہے۔ اگر اسے لکھنا پڑھنا بھی آتا ہو تو اس کے اور اس کے خریدار کے لیے یہ پوری نعمت ہے لیکن یہ بدو اس کی قیمت سے بے خبر ہے۔

اب وہ بدو کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے شیخ العرب، اس کے عوض میں تجھے دو سو دینار نقد دیتا ہوں جن پر نہ سلطان کا حق ہو اور نہ کوئی اور بار ہو۔ بدو یہ سن کر طیش میں آگیا اور سوداگر کو برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ فوراً اٹھ اور چلتا ہو۔ خدا کی قسم، اگر تو اس عبا کے عوض جو وہ پہنے ہوئے ہے، دو سو دینار دے تو میں اسے بھی

نہ بیچوں گا۔ اب میں اسے ہرگز نہ بیچوں گا بلکہ اونٹ چرانے اور آٹا پیسنے کی خاطر اپنے پاس رکھوں گا۔ اور اس نے چلا کر لڑکی سے کہا کہ اے نجاست یہاں آ میں تجھے ہرگز نہ بیچوں گا۔ اب وہ سوداگر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میں تجھے سمجھ دار جانتا تھا۔ قسم ہے میرے عمائے کی، اگر تو یہاں سے نہ گیا تو میں تجھے کھری

کھری سناؤں گا۔ سوداگر نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بدو پاگل ہے اور اسے اس کی قیمت معلوم نہیں۔ اب میں اس کی قیمت کے متعلق اس سے کچھ نہ کہوں گا۔

اگر اس میں عقل ہوتی تو وہ ہرگز نہ کہتا کہ میرے عمائے کی قسم۔ خدا کی قسم۔ وہ

کسریٰ کی حکومت کے برابر ہے اور اتنی قیمت میرے پاس کہاں سے آئی؟ اگر وہ زیادہ

بھی طلب کرے گا تو جو وہ مانگے گا میں اس کو دوں گا خواہ وہ میرا سارا مال کیوں

نہ مانگ لے۔ یہ کہہ کر وہ بدو کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے شیخ العرب،

ناراض نہ ہو اور ہوش میں آ اور کہہ کہ اس کے کوئی کپڑے تیرے پاس ہیں کہ

نہیں؟ بدو نے کہا کہ اس پتیرا کو کپڑوں کی کیا ضرورت! خدا کی قسم، جس عبا میں

یہ لپٹی ہوئی ہے، وہی اس کے لیے بہت زیادہ ہے۔ سوداگر نے کہا کہ اگر تیری اجازت

ہو تو میں اس کا چہرہ کھول کر ادھر ادھر دیکھوں جیسا کہ لوگ کینزوں کو خریدنے

کے لیے کرتے ہیں۔ بدو نے کہا کہ جو چاہے کر، خدا تیری جوانی سلامت رکھے! اس

کا ظاہر اور باطن سب دیکھ لے اور اگر تیرا جی چاہے تو اس کے کپڑے اتار ڈال اور

اس کو ننگا دیکھ۔ سوداگر نے کہا کہ معاذ اللہ! میں سوائے اس کے چہرے کے اور کچھ نہ دیکھوں گا۔ یہ کہہ کر سوداگر اس کے حسن و جمال سے شرماتا ہوا اس کی طرف

URDU4U.COM

بڑھا۔ اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• ستاونویں رات

جب ستاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- سوداگر نہت الزماں کے حسن و جمال سے شرماتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور اس کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے میری آقا، تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ تو میرا آج کا نام جاننا چاہتا ہے یا آج سے پہلے کا؟ سوداگر نے کہا، کیا ترا ایک آج کا نام ہے اور ایک آج سے پہلے کا؟ اس نے کہا کہ ہاں، میرا آج سے پہلے نہت الزماں تھا اور آج غصہ الزماں ہے۔ جب سوداگر نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور کہنے لگا کہ کیا تیرا کوئی بھائی بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں سچ ہے لیکن زمانے نے اس کو مجھ سے جدا کر دیا اور وہ بیت المقدس میں بیمار پڑا ہے۔ لڑکی کی اس شیریں کلامی پر سوداگر کو بڑا تعجب ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ بدو نے سچ کہا تھا۔ اب وہ اپنے بھائی اور اس کی بیماری اور غربت اور اس سے جدائی اور اس خیال سے کہ وہ بیمار ہے اور نہ معلوم کہ اس پر کیا گزری ہو گی اور اس بدو نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو اور اپنے ماں باپ اور وطن سے دوری کو یاد کرنے لگی اور آنسو اس کے رخسار پر بننے لگے اور وہ رونے لگی۔ سوداگر بھی رو پڑا اور چاہتا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھے مگر اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا، ایسا نہ کر۔ جب اس نے تاجر کے سامنے اپنا چہرہ چھپا لیا تو بدو بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا کہ وہ اس کے آنسو پونچھنا چاہتا ہے اور اسے گمان ہوا کہ لڑکی سودا کرنے سے اسے روکنا چاہتی ہے اور وہ اٹھ کر اس کے پاس آیا اور اونٹ کی نکیل اٹھا کر اس کے کاندھے پر اس زور سے ماری کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑی اور زمین کی کنکریاں اس کی بھوؤں میں چھ گئیں اور وہ پھٹ گئیں اور خون ان میں سے نکل کر اس کے چہرے پر بننے لگا۔ اس پر وہ زور سے چلائی اور بے ہوش ہو گئی اور رونے لگی اور

سوداگر بھی اس کے ساتھ رونے لگا۔

سوداگر نے اپنے دل میں کہا کہ میرے اوپر فرض ہے کہ اس کو خرید لوں خواہ اس کے برابر تول کر سونا ہی کیوں نہ دینا پڑے اور اس ظالم کے پنچے سے اسے نجات دوں۔ وہ بے ہوش پڑی تھی اور سوداگر بدو کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے چہرے سے آنسو اور خون پونچھا اور اپنے سر پر پٹی باندھی اور نظر اوپر کی طرف اٹھا کر غمزہ دل سے خدا کے سامنے دست بہ دعا ہوئی۔ جب وہ دعا مانگ چکی تو سوداگر کی طرف مخاطب ہو کر دھیمی آواز سے کہنے لگی کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ مجھے اس ظالم کے پاس مت چھوڑ جو خدا کو بھی نہیں پہچانتا۔ اگر میں آج کی رات اور اس کے پاس نہ گئی تو خودکشی کر لوں گی۔ مجھے اس سے نجات دے، خدا تجھے دونخ کی آگ سے نجات دے گا۔ تاجر اٹھا اور بدو سے کہنے لگا کہ اے شیخ العرب، یہ تیرے مطلب کی نہیں ہے، جس قیمت میں تو چاہے اسے میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ بدو نے کہا کہ اسے لے جا اور مجھے اس کے دام دے دے ورنہ میں اسے لے جا کر اپنے خیمے میں چھوڑ آؤں گا تا کہ وہ لیدر بنوے اور اونٹ چرائے۔ سوداگر نے کہا کہ میں تجھے پچاس ہزار دینار دوں گا۔ بدو نے کہا کہ خدا نے ابتدا تو ٹھیک کی ہے۔ سوداگر نے کہا کہ ستر ہزار دینار۔ بدو نے کہا کہ خدا اور زیادہ کرے، یہ تو سرمائے سے بھی کم ہے کیونکہ نوے ہزار دینار کی تو وہ میرے یہاں جو کی روٹی کھا چکی ہے۔ سوداگر نے کہا کہ تو اور تیرے خاندان اور قبیلے نے عمر بھر میں ایک ہزار دینار کے جو بھی نہ کھائے ہوں گے مگر میں تجھ سے آخری بات کہنا چاہتا ہوں اور اگر تو نے اسے نہ مانا تو میں دمشق کے والی سے جا کر تیری شکایت کروں گا اور وہ تجھ سے زبردستی چھین لے گا۔ بدو نے کہا کہ بول۔ سوداگر نے کہا کہ ایک لاکھ دینار۔ بدو نے کہا کہ منظور ہے اور ان داموں سے میں کم از کم نمک خرید سکوں گا۔ سوداگر یہ سن کر ہنس پڑا اور گھر جا کر دام لایا اور بدو کو دیئے۔ بدو نے دام لے کر اپنے دل میں کہا کہ اب مجھے ضرور بیت المقدس جا کر اس کے بھائی کو بھی لا کر بیچنا چاہیے۔ یہ کہہ

کر وہ سوار ہوا اور روانہ ہو گیا اور بیت المقدس پہنچ کر سرائے میں گیا اور پوچھا کہ اس کا بھائی کہاں ہے لیکن وہ نہ ملا۔ یہ تو بدو کا قصہ ہوا۔ اب سوداگر اور نہت الزماں کا ماجرا سنئے۔ جب اس نے اسے خرید لیا تو اس کے اوپر اپنے لباس میں سے ایک کپڑا ڈال کر اسے اپنے گھر لے گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• اٹھاونویں رات

جب اٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب سوداگر نے نہت الزماں کو بدوی سے اپنی تحویل میں لیا تو وہ گھر گیا اور اسے نہایت نفیس کپڑے پہنائے اور اسے لے کر بازار گیا اور جو جو زیور اس نے کہا، اس کے لیے خریدا اور انہیں اطلس کے ایک بچے میں رکھا اور نہت الزماں کے سامنے پیش کر کے کہا کہ یہ سب تیرا ہے اور میں تجھ سے محض یہ چاہتا ہوں کہ جب میں تجھے لے کر دمشق کے والی کے پاس جاؤں تو اس سے یہ کہہ دیجیو کہ میں نے تجھے کتنے میں خریدا ہے اگرچہ وہ تیری حیثیت سے بہت کم ہے۔ جب میں اس کے پاس پہنچوں اور وہ تجھے خرید لے تو اس سے کہیو کہ میں نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور اس سے میرے لیے ایک شاہی پروانہ لے لیجیو جو میں اس کے باپ بغداد کے بادشاہ عمر بن النعمان کے پاس لے جاؤں تاکہ وہ میرے کپڑوں اور دوسری سوداگری کی چیزوں پر چنگی معاف کر دے۔ جب لڑکی نے یہ باتیں سنیں تو وہ رونے اور چلانے لگی۔ سوداگر نے کہا کہ اے میری آقا، میں دیکھتا ہوں کہ جونہی میں نے بغداد کا ذکر کیا، تیری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کیا وہاں کوئی شخص ہے جس سے تجھے محبت ہے، بتا کہ وہ سوداگر ہے یا کوئی اور۔ کیونکہ میں وہاں کے تمام سوداگروں وغیرہ کو جانتا ہوں اور اگر تجھے کوئی خط بھیجنا ہو تو میں پہنچا دوں گا۔ لڑکی نے کہا کہ میں وہاں کسی سوداگر وغیرہ کو نہیں جانتی بلکہ بغداد کے بادشاہ عمر بن النعمان کو جانتی ہوں۔ سوداگر یہ بات سن کر ہنس پڑا اور بہت خوش ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا کی قسم، میری مراد بھر آئی! پھر اس نے لڑکی سے کہا کہ کیا تو کبھی اس کے سامنے پیش کی گئی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، بلکہ میں نے اور اس کی بیٹی نے ساتھ ساتھ تربیت پائی ہے اور وہ مجھے بہت عزیز رکھتا اور میری بڑی عزت کرتا تھا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ بادشاہ عمر

بن النعمان تیری خواہش کے مطابق تجھے پروانہ دے دے تو قلم دوات لا، تجھے میں خط لکھ دوں گی۔ جب تو بغداد پہنچو تو محض بادشاہ کے ہاتھ میں یہ خط دیجیو اور اس سے کہیو کہ تیری لونڈی نہت الزماں کو لیل و نہار کی گردش نے ذلیل کر دیا ہے حتیٰ کہ وہ ایک کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ بک رہی ہے اور وہ تجھے سلام بھیجتی ہے اور اگر وہ پوچھے کہ میں کہاں ہوں تو کہیو کہ دمشق کے والی کے پاس ہوں۔

سوداگر کو اس کی شیریں بیانی پر تعجب ہوا اور اس کی محبت اس کے دل میں بیٹھ گئی اور وہ کہنے لگا کہ میرا گمان ہے کہ لوگوں نے تیری عقل اور دانش سے فائدہ اٹھانا چاہا ہے اور دولت حاصل کرنے کے لیے تجھے بیچا ہے۔ کیا تجھے قرآن حفظ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اور میں حکمت اور طب میں مقدمتہ المعروفہ اور جالینوس حکیم کی شرح فصول بقراط سے واقف ہوں اور میں نے خود بھی اس کی شرح لکھی ہے۔ میں نے تذکرہ پڑھا ہے اور برہان کی شرح لکھی ہے۔ مفردات ابن البیطار کا مطالعہ کیا ہے اور ابن سینا کے قانون پر مباحثہ کیا ہے اور اس کے رموز حل کئے ہیں اور مشکل باتوں کی تشریح کی ہے اور پیمائش کے علم پر مباحثہ کیا ہے اور تشریح الابدان میں کمال حاصل کیا ہے اور شافعی مذہب کی کتابیں پڑھی ہیں اور حدیث اور نحو پر عبور ہے اور ہر علم میں مناظرہ کیا ہے۔ منطق اور بیان اور حساب اور زائچے میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور روحانی علوم اور صوم و الصلوہ کے اوقات سے واقف ہوں اور ان تمام علوم میں کافی دسترس ہے۔ اس کے بعد اس نے سوداگر سے کہا کہ قلم دوات لاتا کہ میں تیرے لیے ایک تحریر لکھ دوں جو تجھے سفر میں کام دے اور جس کی وجہ سے تجھے اور کسی راہداری کے پروانے کی ضرورت نہ پڑے۔

جب سوداگر نے اس کی باتیں سنیں تو واہ واہ چلا اٹھا اور کہنے لگا کہ کیسا خوش قسمت ہے وہ شخص جس کے محل میں تو ہو۔ یہ کہہ کر وہ دوات اور کافذ اور پیتل کا قلم لایا اور اس کے سامنے پیش کر کے زمین کو تعظیماً چوما اور نہت الزماں نے کافذ اٹھایا

اور قلم لے کر لکھنا شروع کر دیا۔ جب وہ چند اشعار لکھ چکی تو اس کے بعد یہ لکھا کہ یہ اس کا کلام ہے جس کو تفکرات نے ہلاک کر دیا اور بیداری نے گھلا دیا اور اس پر ظلم کیا ہے۔ اسے کوئی روشنی نہیں دکھائی دیتی اور رات اور دن میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ وہ جدائی کی خواب گاہ میں کروٹیں بدلتی اور آنکھوں میں بیداری کا سرمہ لگاتی ہے۔ ستاروں کی پاسبانی کرتی اور تاریکی کا ساتھ دیتی ہے۔ فکر اور کمزوری نے اسے گھلا دیا ہے اور اس کی تشریح بہت طول طویل ہے اور سوائے آنسوؤں کے اس کا کوئی رفیق نہیں۔“ اس کے بعد وہ رونے لگی اور آنسو جاری ہو گئے۔ پھر اس نے خط کے پائیں میں لکھا کہ ”یہ اس کا خط ہے جو خاندان اور وطن سے دور پڑی ہے اور جس کا دل غم زدہ ہے۔ یعنی زہت الزماں۔“

اس کے بعد اس نے خط لپیٹ کر سوداگر کو دے دیا۔ سوداگر نے اسے لے کر بوسہ دیا اور اس کا مضمون پڑھ کر خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تیری تصویر بنائی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• انسٹھ ویں رات

جب انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- نہت الزماں نے خط لکھ کر سوداگر کو دیا۔ اس نے لے لیا اور پڑھا اور مضمون سے واقف ہوا اور کہنے لگا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تیرا نقشہ کھینچا۔ اب وہ اس کا احترام اور زیادہ کرنے لگا اور دن بھر اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتا۔ جب رات ہوئی تو وہ بازار گیا اور کچھ کھانا لا کر اسے کھلایا۔ پھر اسے حمام لے گیا اور ایک غسلہ کو اس کے لیے لایا اور اس سے کہنے لگا کہ جب تو اس کا سر دھلانے سے فارغ ہو جائیو تو اسے کپڑے پہنائیو اور مجھے خبر کیجیو۔ غسلہ نے کہا کہ بسر و چشم۔ اب وہ جا کر کھانا اور میوے اور موم بتیاں لایا اور یہ سب حمام کی چوکی پر رکھ دیا۔ جب غسلہ اسے نہلا چکی تو اسے کپڑے پہنائے اور وہ حمام سے نکل کر چوکی پر بیٹھ گئی اور غسلہ کو بھیجا کہ سوداگر کو خبر کر دے اور دیکھا کہ دسترخوان حاضر ہے اور اس نے اور غسلہ نے مل کر کھانا اور میوے کھائے اور جو باقی بچ رہا وہ نہلانے والے اور حمام کے چوکیدار کو دے دیا۔ اس کے بعد وہ سو گئی اور سوداگر اس سے دور دوسری جگہ جا کر سو رہا۔ جب وہ سو کر اٹھا تو اس نے نہت الزماں کو جگایا اور ایک نفیس قمیض اسے پیش کش کی اور ایک کوئی دوپٹہ جو اس نے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا اور ایک زرکش ترکی جوڑا اور سرخ سونے کے زرکش موزے جس میں موتی اور جواہرات نکلے ہوئے تھے اور اس کے کان میں موتی جڑی ہوئی بالیاں پہنائیں جن کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اور اس کی گردن میں ایک سونے کی ہنسی پہنائی جو اس کے سینے کے دونوں اناروں کے درمیان پہنچتی تھی اور ایک ہار عنبر کا جو اس کے سینے اور ناف کے درمیان تک پہنچتا تھا۔ اس ہار میں دس قمقمے اور نو ہلال تھے اور ہر ہلال کے بیچ میں یاقوت کا ایک ایک نگینہ اور ہر قمقمے میں بلخش تھا۔ اس ہار کی قیمت تین ہزار دینار تھی اور ہر قتمہ

بیس ہزار درہم کا تھا۔

الغرض اس کی ساری پوشاک اور زیور کی قیمت بے حساب تھی۔ جب وہ کپڑے اور زیور پہن چکی تو سوداگر نے کہا کہ سنگار کر اور اس نے بہترین سنگار کیا اور اپنی آنکھوں پر ایک جالی ڈالی اور چل دی اور سوداگر آگے آگے چلتا تھا۔ جب لوگ اس کو دیکھتے تو اس کے حسن و جمال پر مبہوت ہو کر رہ جاتے اور کہتے کہ تبارک اللہ احسن الخالقین! کیسا بختاور ہے وہ شخص جس کے پاس یہ لڑکی ہے! سوداگر آگے آگے چلا جاتا تھا اور لڑکی پیچھے پیچھے یہاں تک کہ وہ شہزادے شرکان کے پاس پہنچ گئے۔ جب سوداگر شہزادے کے سامنے آیا تو اس نے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ اے نیک سیرت بادشاہ! میں تیرے لیے ایک ہدیہ لایا ہوں، جس کے اوصاف عجیب و غریب ہیں اور جس کی مثال ناپید ہے اور جس میں ظاہر اور باطنی خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ شہزادے نے کہا کہ اسے لاتا کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ سوداگر باہر جا کر اسے اپنے پیچھے لے آیا اور لا کر شہزادے شرکان کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جب اس نے لڑکی کو دیکھا تو خون کو خون کی طرف کشش ہوئی۔ وہ اس وقت بچہ تھی جب شرکان اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اس نے اسے نہ دیکھا تھا، کیونکہ اس کی پیدائش کے بعد اسے اس بات کا علم ہوا تھا کہ اس کی ایک بہن ہے، جس کا نام نزہت الزماں ہے اور ایک بھائی ہے جس کا نام ضوء المکان ہے اور حکومت کی خاطر وہ اس سے بغض رکھتا ہے یہی سبب تھا کہ وہ ان سے واقف نہ تھا۔

جب سوداگر نے لڑکی کو اس کے سامنے پیش کیا تو وہ کہنے لگا کہ جہاں پناہ، علاوہ اس کے کہ وہ اتنی حسین ہے کہ آج اس کی نظیر دنیا میں نہیں وہ تمام دینی اور دنیوی اور سیاسی اور ریاضی علوم میں ماہر ہے۔ شہزادے نے سوداگر سے کہا کہ جتنے میں تو نے اسے خریدا ہے، اتنی قیمت مجھ سے لے لے اور اسے یہاں چھوڑ جا۔ اس نے کہا کہ ہر و چشم، لیکن مجھے ایک پروانہ لکھ دے کہ میری تجارت کا دسواں حصہ نہ لیا جائے۔ شہزادے نے کہا کہ یہ تو ظاہر ہے لیکن یہ بتا کہ تو نے اس کی کتنی قیمت

تول کر دی ہے۔ سوداگر نے جواب دیا کہ ایک لاکھ دینار اور ایک لاکھ دینار کے اس کے کپڑے اور زیور ہیں۔ جب شہزادے نے یہ سنا تو کہنے لگا کہ میں اس سے زیادہ تجھے دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے خزانچی کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ اس سوداگر کو تین لاکھ بیس ہزار دینار دے دے تاکہ اس کو ایک لاکھ بیس ہزار دینار کا فائدہ ہو۔ اب شہزادہ شرکان نے چاہہ گواہوں کو طلب کر کے اس کے سامنے سوداگر کو دام دے دیئے اور گواہوں سے کہنے لگا کہ میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کنیز کو آزاد کیا اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر گواہوں نے آزادی کا پروانہ لکھ دیا اور اس کے بعد نکاح نامہ۔ اب شہزادے نے حاضرین کے سر سے بہت سی اشرفیاں نچھاور کیں اور جو وہ نچھاور کرتا جاتا غلام اور نوکر اس کو اٹھاتے جاتے۔ سوداگر کو مال دینے کے بعد شہزادے شرکان نے حکم دیا کہ اسے ایک پروانہ دے دیا جائے کہ اس کی تجارت پر نہ دسواں حصہ لیا جائے اور نہ چنگی اور سارے ملک میں اسے کوئی شخص نقصان نہ پہنچائے۔ اس کے بعد اس نے سوداگر کو ایک قیمتی خلعت عطا کی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پوری ساٹھویں رات

جب پوری ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- شنزادہ شرکان نے سوداگر کو مال دینے کے بعد تحریراً ایک غیر متعین وقت کے لیے پروانہ دے دیا کہ وہ اپنی تجارت کا دسواں حصہ نہ دے اور ملک میں اسے کوئی شخص اذیت نہ پہنچائے اور اسے ایک قیمتی خلعت عطا کی۔ اس کے بعد سب حاضرین وہاں سے چلے گئے اور سوائے گواہوں اور سوداگر کے کوئی باقی نہ رہا۔ شرکان نے گواہوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس لڑکی کی گفتگو علم اور آداب کے متعلق سنو جس کا دعویٰ اس سوداگر نے کیا ہے تاکہ اس کی سچائی ظاہر ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ شرکان نے حکم دیا کہ میرے اور میرے ساتھیوں اور اس لڑکی اور اس کی ساتھیوں کے درمیان پردہ ڈال دیا جائے۔ پردے کے پیچھے تمام عورتیں جو لڑکی کے ساتھ تھیں، اسے مبارک باد دینے اور اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگیں کیونکہ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ شنزادے کی بیوی ہو چکی ہے۔ اب وہ سب لڑکی کے گرد جمع ہو گئیں اور اس کے کپڑے اتار کر اسے بوجھ سے ہلکا کیا اور اس کے حسن و جمال کو دیکھنے لگیں۔ اب امرا اور وزرا کی بیویوں کو خبر ہوئی کہ شنزادہ شرکان نے ایک ایسی کنیز کو خریدا ہے، جس کا جواب خوبصورتی اور علم و حکمت اور حساب دانی میں نہیں اور جو تمام علوم میں ماہر ہے اور جس کی قیمت اس نے تین لاکھ بیس ہزار دینار تول کر دیئے ہیں اور اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح نامہ لکھوا لیا ہے اور چاروں گواہوں کو اس کے امتحان کے لیے طلب کیا ہے تاکہ وہ اس کے سوالوں کا جواب دے اور وہ اس سے مناظرہ کریں۔ اس پر ان عورتوں نے اپنے اپنے شوہروں سے اجازت لی اور اس محل میں گئیں جہاں نہت الزماں تھی۔ جب وہ وہاں پہنچیں تو انہوں نے دیکھا کہ نوکر چاکر ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ جب اس نے وزرا اور امرا

کی اور اراکین کی بیویوں کو اپنے پاس آتے دیکھا تو وہ کھڑی ہو گئی اور ان کا خیر مقدم کیا اور کنیزیں اس کے پیچھے تھیں اور وہ عورتوں کو مرحبا کہتی جاتی اور ان کے سامنے مسکراتی جاتی تھی۔ اس طرح اس نے ان کے دلوں پر قبضہ کر لیا اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا وعدہ کیا اور ان کو درجہ بدرجہ بٹھایا گیا کہ اس کی تربیت ان کے ساتھ ہوئی تھی۔

حسن و جمال کے ساتھ اس کی عقل اور آداب دانی پر عورتوں کو بڑا تعجب ہوا اور وہ ایک دوسرے سے کہنے لگیں کہ یہ تو کنیز نہیں معلوم ہوتی بلکہ کسی بادشاہ کی بیٹی شہزادی ہے۔ اب وہ اس کی تعظیم کرتی ہوئی بیٹھ گئیں اور اس سے کہنے لگیں کہ اے ہماری آقا، تیری وجہ سے ہمارا شہر نورانی ہو گیا اور تو نے ہمارے ملک اور مکانوں اور وطنوں اور حکومت کو شرف بخشا۔ یہ ملک تیرا ملک اور یہ محل تیرا محل ہے اور ہم سب تیری لونٹیاں ہیں۔ ہمیں اپنے احسانات اور اپنے حسن کے دیدار سے محروم نہ کیجیو۔ لڑکی نے اس پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں اور پردے کے ایک طرف اور اس کے ساتھ کی بیویاں تھیں اور دوسری طرف شرکان اور چاروں گواہ اور وہ سوداگر اور وہ سب شہزادے کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اب شہزادہ شرکان نے لڑکی کو آواز دی کہ اے عالی قدر ملکہ، یہ سوداگر تیرے علم اور ادب کی تعریف کرتا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ تو ہر فن مولیٰ ہے حتیٰ کہ نجوم میں بھی دسترس رکھتی ہے لہذا جو کچھ تو نے اس سوداگر سے بیان کیا ہے، اس میں سے کچھ ہمیں بھی سنا اور ہر ایک میں سے تھوڑا تھوڑا بیان کر۔

جب اس نے یہ سنا تو کہنے لگی کہ بسر و چشم، اے بادشاہ! اس میں سب سے پہلا باب سیاست اور ملکی آداب کا ہے اور اس بات کا کہ شرعی حاکموں کے لیے کن باتوں کی ضرورت ہے اور اچھے اخلاق سے پہلے ان پر کیا چیز لازم ہے۔ سن، اے بادشاہ، اخلاق کی خوبیاں دین اور دنیا کا مجموعہ ہیں۔ بغیر دنیا کے توسط سے کسی شخص کی رسائی دین

تک نہیں ہوتی کیونکہ وہ آخرت کا بہترین راستہ ہے اور دنیا کا کام بغیر دنیا والوں کے افعال کے، منظم نہیں ہوتا اور انسان کا فعل چار حصوں پر منقسم ہے: حکومت اور تجارت اور زراعت اور صنعت، حکومت کے لیے مکمل سیاست اور سچی فراست کی ضرورت ہے کیونکہ حکومت کا دارومدار ہے دنیا کے معمور ہونے پر جو کہ آخرت کا راستہ ہے۔ خدا نے دنیا کو اپنے بندوں کے لیے اس طرح بنایا ہے جیسے کہ مقصد تک پہنچنے کے لیے مسافر کے واسطے راہ کا کھانا پینا۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ دنیا سے محض اتنا لے کہ وہ اسے خدا تک پہنچا دے، نہ اتنا جتنا کہ اس کے نفس کی خواہش کا مقتضا ہے۔ اگر لوگ دنیا کو انصاف سے تقسیم کریں تو سارا جھگڑا مٹ جائے لیکن وہ اس کو ظلم اور ہوا و ہوس کی بنا پر تقسیم کرتے ہیں اور اس انہماک کی وجہ سے دشمنی پیدا ہوتی ہے اور ان کو حاکم کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ ان کے درمیان انصاف کرے اور ان کے معاملات کو سنبھالے۔ اگر بادشاہ لوگوں کو روکے نہ رکھیں تو قویٰ ضعیف کو دبا ڈالے۔ اردشیر نے کہا ہے کہ دین اور ملک جڑواں اولاد ہیں۔ دین خزانہ ہے اور ملک خزانچی۔ تمام شریعتیں اور عقل اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ لوگوں پر لازم ہے کہ ان کا ایک بادشاہ ہو جو مظلوم کو ظالم سے بچائے اور قوی کے مقابلے میں کمزور کے ساتھ انصاف کرے اور ظالم اور باغی کی روک تھام رکھے۔

اے بادشاہ، سن، زمانے کا دارومدار بادشاہ کے نیک چال چلن پر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان میں دو چیزیں ہیں۔ اگر وہ ٹھیک ہیں تو لوگ ٹھیک ہو جاتے ہیں اور اگر وہ بگڑ جائیں تو لوگ بگڑ جاتے ہیں: علماء اور امراء۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ بادشاہ تین طرح کے ہوتے ہیں: دین کا بادشاہ اور حلال و حرام کی محافظت کا بادشاہ اور اپنی ہوا و ہوس کا بادشاہ۔ دین کا بادشاہ اپنی رعیت کو ان کے دین کی پیروی پر مجبور کرتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ خود سب سے زیادہ دین دار ہو کیونکہ لوگ دین کے معاملے میں اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ

جو کچھ شرعی احکام کی بنا پر حکم دے، اسے لوگ مانیں۔ علاوہ اس کے اس کو چاہیے کہ راضی اور ناراض میں فرق نہ کرے کیونکہ اسے قسمت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔
 حلال و حرام کی محافظت کا بادشاہ دین و دنیا کے معاملات کا حاکم ہوتا ہے اور وہ لوگوں کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ شرع کی پیروی اور انسانی حقوق کی محافظت کریں۔ اس کو قلم اور تلوار دونوں پر حاوی ہونا چاہیے۔ جو شخص قلم کی تحریر کو نہیں مانتا اس کا قدم ڈمگانے لگتا ہے۔ بادشاہ کو چاہیے کہ تلوار کی دھار سے اس کا ٹیڑھا پن نکلے اور تمام لوگوں میں انصاف کا دور دوں کرے۔

اب رہا اپنے ہوا و ہوس کا بادشاہ۔ سوائے نفس پرستی کے، اس کا کوئی دین نہیں۔ وہ اپنے خدا سے، جس نے اسے بادشاہ بنایا ہے، نہیں ڈرتا۔ اس لیے اس کی حکومت رو بہ انحطاط ہوتی ہے اور اس کے غرور کا نتیجہ تباہی۔ حکیموں کا قول ہے کہ بادشاہ کو بہت سے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر ان سب کو محض ایک کی۔ اس لیے ضرورت ہے کہ وہ ان کی عادتوں سے واقف ہو تا کہ وہ ان کے اختلاف کو موافقت سے بدل دے اور سب کے ساتھ انصاف سے پیش آئے اور اپنے احسان سے انہیں مالا مال کر دے۔ اے بادشاہ، سن، اردشیر کو لوگوں نے تیز انگارے کا لقب دیا ہے اور وہ فارس کے بادشاہوں میں سے تیسرا بادشاہ ہے جو تمام اقلیموں کا مالک تھا اور اس نے انہیں چار حصوں میں تقسیم کیا تھا اور اس وجہ سے اس نے چار مہریں بنوائی تھیں، ہر قسم کے لیے ایک جدا مہر۔

پہلی مہر سمندر اور پولیس اور مدافعت کی تھی اور اس کے اوپر کندہ تھا ----- نیابت
 دوسری مہر خراج اور مال کے ادخال کی تھی اور اس پر کندہ تھا ----- عمارت
 تیسری مہر کھانے پینے کے سامان کی تھی، اس پر کندہ تھا ----- ارزانی
 چوتھی مظالم کی مہر تھی اس پر کندہ تھا ----- انصاف

یہ دستور فارس میں اسلام کے آنے تک قائم رہا۔ کسریٰ نے اپنے بیٹے کو جب کہ وہ لشکر کشی کر رہا تھا، لکھا تھا کہ اپنے لشکر کو بہت زیادہ مت دے کیونکہ اس کی

وجہ سے وہ تجھ سے مستغنی ہو جائیں گے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• اکسٹھویں رات

جب اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- کسریٰ نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ اپنے لشکر کو بہت مت دے ورنہ وہ تجھ سے مستغنی ہو جائیں گے اور نہ ان کے ساتھ کنجوسی کر، ورنہ تیری شکایت کریں گے۔ سوچ سمجھ کر ان کے ساتھ بخشش کر اور بغیر احسان رکھے ان کو دے۔ ارزانی کے وقت ان کو زیادہ دے اور گرانی کے وقت ان پر تنگی مت کر۔ کہتے ہیں کہ ایک بدو، خلیفہ منصور کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اپنے کتے کو بھوکا رکھ تا کہ وہ تیرے پیچھے پیچھے آئے۔ جب منصور نے یہ سنا تو اسے بدو پر غصہ آیا۔ ابوالعباس ملوسی کہنے لگا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا اسے روٹی کا ٹکڑا دکھا کر اپنے پیچھے کر لے اور کتا تیرا ساتھ چھوڑ دے۔ اس پر منصور کا غصہ جاتا رہا اور وہ سمجھ گیا کہ اسے بدو کی بات کا برا نہ ماننا چاہیے اور اسے انعام دیا اور اے بادشاہ، سن، جب عبدالملک بن مروان نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو مصر بھیجا تو اسے ایک خط میں یہ لکھا کہ اپنے کاتبوں اور حاجیوں کا خیال رکھ کیونکہ کاتب تجھے تیرے حقوق کی خبر دیتے رہتے ہیں اور حاجب رسم اور دستور کی۔ اور جو شخص تجھ سے دور ہے، وہ تجھے تیری فوج کی خبر دے گا۔ جب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی نوکر رکھتے تو اس سے چار شرطیں طے کر لیتے۔ اول یہ کہ وہ لادو جانوروں پر سواری نہ کرے، دوم یہ کہ وہ مہین کپڑا نہ پہنے، سوم یہ کہ وہ لوٹا ہوا مال نہ کھائے اور چہارم یہ کہ نماز وقت سے، دیر کر کے نہ پڑھے۔ مثل ہے کہ کوئی مال عقل سے زیادہ کھرا نہیں اور کوئی عقل تدبیر اور سمجھ سے بڑھ کر نہیں اور کوئی سمجھ تقویٰ کے برابر نہیں اور کوئی خدائی تقرب کا ذریعہ، نیک اخلاق سے زیادہ نہیں اور کوئی میزان، ادب سے بڑھ کر نہیں اور کامیابی سے بڑھ کر کوئی فائدہ نہیں اور نیک عمل کے مانند کوئی دوسری تجارت نہیں اور خدا کے ثواب کی طرح کوئی

اور فائدہ نہیں اور سنت کی حدوں پر قائم رہنے کی طرح کوئی اور پرہیزگاری نہیں اور غور و فکر سے بڑھ کر کوئی علم نہیں اور فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں اور حیا کے برابر کوئی ایمان نہیں اور تواضع سے زیادہ کوئی حسب نسب نہیں اور علم کے مقابلے میں کوئی اور شرف نہیں۔ لہذا اپنے دماغ اور خیالات کی حفاظت کر اور اپنے پیٹ اور کھانے سے خبردار رہ اور موت اور مصیبت کو مت بھول۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی خباثت سے بچو اور ان سے ہمیشہ ڈرتے رہو اور کسی بات میں ان سے مشوہ مت کرو اور ان کے ساتھ بھلائی میں کوتاہی مت کرو تا کہ ان کو دغا بازی کا خیال نہ آئے۔ انہیں کا یہ بھی مقولہ ہے کہ جس نے میانہ روی کو ترک کیا، اس کی عقل زائل ہو گئی اور اس کے اور اصول بھی ہیں جن کو اگر خدا نے چاہا تو میں پھر بیان کروں گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں: ایک دین دار عورت، خدا سے ڈرنے والی بہت پیار کرنے والی اور اولاد پیدا کرنے والی۔ یہ زمانے کے مقابلے میں اپنے شوہر کا ساتھ دیتی ہے اور شوہر کے مقابلے میں زمانے کا ساتھ نہیں دیتی۔ دوسری، وہ جس کی خواہش محض اولاد کی خاطر کی جاتی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ تیسری، ایک طوق ہے جس کو خدا جس کی گردن میں چاہتا ہے، ڈال دیتا ہے اور مرد بھی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اپنی سمجھ سے کام لیتا ہے، جب اس کے سامنے کوئی رائے پیش کی جاتی ہے۔ دوسرا اس سے زیادہ سمجھ دار ہے اور وہ شخص ہے کہ اگر اسے کوئی امر درپیش آئے اور اس کا انجام اس کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ عقلمند لوگوں کے پاس جاتا ہے اور ان کی رائے پر چلتا ہے۔ تیسرا مخبوط ہے جس کو نہ تو خود سیدھا راستہ معلوم ہوتا ہے نہ راہبر کی اطاعت کرتا ہے۔

دوسرا باب عدل ہے اور اس کا ہر چیز میں ہونا لازمی ہے حتیٰ کہ کنیزوں کو بھی عدل کی ضرورت ہے۔ اس کے متعلق ڈاکوؤں کا حال بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے جن کی زندگی کا دارومدار ہی لوگوں کے ساتھ ظلم کرنے پر ہے۔ اگر وہ آپس میں انصاف

نہ کریں اور حصہ بخرا کرنے میں عدل سے کام نہ لیں تو ان کا سارا نظام بگڑ جائے۔

منجملہ ان کے اور سب سے بڑھ کر درجے والا کریم اور نیک خلق ہے۔ اس کے بعد

نہت الزماں بادشاہوں کی سیاست پر دیر تک تقریر کرتی رہی یہاں تک کہ حاضرین سے

رہا نہ گیا اور کہنے لگے کہ ہم نے آج تک اس لڑکی کی طرح کسی کو سیاست کے

بارے میں تقریر کرتے نہیں سنا۔ امید ہے کہ وہ ہمیں اب کچھ اور سنائے گی۔

جب نہت الزماں نے ان کی باتیں سنیں اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ کیا کہنا

چاہتے ہیں تو وہ کہنے لگی کہ دوسرا باب آداب کا ہے اور اس میں بہت گنجائش ہے

کیونکہ وہ تمام کمالات کو جمع ہے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ معاویہ کے پاس اس کے

ندیموں میں سے ایک شخص آیا اور عراق والوں اور ان کی سمجھ داری کا ذکر کرنے لگا

اور اس کی بیوی میسون یزید کی ماں ان کی باتیں سن رہی تھی۔ جب وہ چلا گیا تو میسون

نے کہا کہ اے امیر المومنین! میں چاہتی ہوں کہ تو عراقیوں میں سے بعض لوگوں کو

بلائے تاکہ وہ تجھ سے گفتگو کریں اور ان کی باتیں سنوں۔ معاویہ نے لوگوں سے کہا

کہ دیکھو دروازے پر اس وقت کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بنو تمیم کے قبیلے کے

لوگ۔ اس نے کہا کہ اندر بلا لاؤ اور وہ اندر آئے اور ان کے ساتھ احنف بنی قیس

تھا۔ معاویہ نے اس سے کہا کہ میرے قریب آ، اے ابو بحر اور دونوں کے درمیان

پردہ ڈال دیا۔ اس طرح سے کہ میسون ان دونوں کی باتیں سن سکے۔ معاویہ نے کہا

کہ تیرا مشورہ میرے لیے کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مانگ نکال اور مونچھوں کو

چھوٹا کر اور ناخن کٹوا اور بغل کے بال نوچ اور ناف کے نیچے کے بال مونڈ اور ہمیشہ

مسواک کیا کر کیونکہ اس میں بہتر فضیلتیں ہیں اور جمعے کے دن نہانے سے دونوں جمعوں

کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

• باسٹھویں رات

جب باسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ احنف بن قیس نے معاویہ سے کہا کہ ہمیشہ مسواک کیا کر۔ کیونکہ اس میں بہتر فضیلتیں اور جمعے کا نہانا دنوں جمعوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ معاویہ نے کہا کہ تیرا مشورہ خود اپنے متعلق کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں زمین پر اپنے پاؤں کے بل چلوں اور انہیں آہستہ آہستہ اٹھاؤں اور ان کو خود اپنی آنکھ سے دیکھوں۔ معاویہ نے کہا کہ جب تو اپنی قوم میں سوائے سرداروں کے کسی اور سے ملتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں حیا سے سر نیچا کر لیتا ہوں اور خود پہلے سلام کرتا ہوں اور جس بات سے میری کوئی غرض نہیں ہوتی، اس کا ذکر نہیں کرتا اور باتیں کم کرتا ہوں۔ معاویہ نے کہا کہ اور اگر تو اپنے برابر والے کے پاس جاتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب وہ کچھ کہتے ہیں تو میں کان لگا کر سنتا ہوں اور اگر وہ سخت کلامی کرتے ہیں تو میں سخت کلامی نہیں کرتا۔

پھر معاویہ نے کہا کہ اگر اپنے سرداروں کے پاس جاتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ بغیر ان کی طرف سے اشارے کے، سلام کرتا ہوں اور جواب کا انتظار کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے قریب بلاتے ہیں تو میں ان کے قریب جاتا ہوں اور اگر وہ مجھے دور رکھنا چاہتے ہیں تو میں ان سے دور رہتا ہوں۔ پھر معاویہ نے پوچھا کہ تو اپنی بیوی کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین، اس سے مجھے معاف رکھ۔ معاویہ نے کہا کہ تیرے سر کی قسم، ضرور بتا۔ اس نے کہا کہ میں اس کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتا ہوں اور محبت کر اظہار کرتا ہوں اور نان نفقے میں فراخ دلی سے کام لیتا ہوں، کیونکہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ معاویہ نے کہا کہ جب تو اس سے مجامعت کرنا چاہتا ہے تو تیرا کیا سلوک ہوتا ہے؟ اس نے کہا

کہ میں اس سے باتیں کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے اور اس کے بوسے لیتا ہوں یہاں تک کہ وہ خوشی سے پھول جائے۔ پھر اگر اس کی حالت وہ ہو جاتی ہے جو تو جانتا ہے تو میں اسے چت لٹا دیتا ہوں۔ اگر اس کے رحم میں نطفہ قرار پا جاتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ خداوند اس کو مبارک بنائیو اور شقی نہ کیجیو اور اس کی خوب صورت کیجیو۔ پھر میں اٹھ کر وضو کرتا ہوں اور پہلے ہاتھوں پر پھر جسم پر پانی بہاتا ہوں۔ اس کے بعد میں اس نعمت پر جو خدا نے مجھے عطا کی ہے شکر کرتا ہوں۔ اس پر معاویہ نے کہا کہ تو نے خوب جواب دیا۔ مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ مانگتا ہوں کہ رعیت کے معاملے میں خدا سے ڈر اور ان کے ساتھ پورا پورا انصاف کر۔ یہ کہہ کر وہ معاویہ کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا۔ جب وہ چلا گیا تو میسون نے کہا کہ اگر عراق میں اس کے سوا اور کوئی نہ ہو تو کافی ہے۔ اب نہت الزماں کہنے لگی کہ یہ باب الادب کا ایک تھوڑا سا حصہ ہے اور اے بادشاہ، سن کر عمر بن الخطاب کی خلافت میں معیقب، المال کا خزانچی تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تریسٹھ ویں رات

جب تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- نہت الزماں نے کہا کہ اے بادشاہ 'سن معیقب' بن عمر بن الخطاب کی خلافت میں بیت المال کا خزانچی تھا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ اس کی نظر عمر کے بیٹے پر پڑی اور اس نے اسے بیت المال میں سے ایک درہم نکال کر دے دیا۔ معیقب کہتا ہے کہ اس کو درہم دے کر میں گھر چلا گیا اور وہاں بیٹھا ہی تھا کہ عمر کا پیادہ آ پہنچا۔ میں خیر مقدم کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ درہم اس کے ہاتھ میں ہے اور اس نے مجھ سے کہا کہ افسوس ہے تجھ پر 'اے معیقب' مجھے تیرے دل میں کھوٹ معلوم ہوتا ہے' میں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس درہم کے بارے میں قیامت کے دن تجھ میں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جھگڑا ہو گا۔

عمر نے ایک بار ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: جب تجھے میرا خط ملے تو لوگوں کا حق ادا کر کے جو باقی رہے 'میرے پاس بھیج دیجیو۔ اس نے اس کی تعمیل کی۔ جب عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی ابو موسیٰ کو اسی مضمون کا خط لکھا اور اس کی بھی تعمیل کی گئی اور زیاد اس کے ساتھ آیا۔ جب خراج کا مال عثمان کے سامنے رکھا گیا تو ان کے بیٹے نے آکر اس میں سے ایک درہم لے لیا۔ اس پر زیاد رونے لگا۔ عثمان نے پوچھا کہ تو کیوں روتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک بار میں عمر کے پاس بھی اسی طرح آیا تھا اور ان کے بیٹے نے ایک درہم اٹھا لیا تھا تو انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ وہ اس سے چھین لیا جائے۔ آج تیرے بیٹے نے بھی وہی کیا اور چھین لینا تو درکنار میں یہ بھی نہیں دیکھتا ہوں کہ کوئی اسے کچھ کہے۔ عثمان نے جواب دیا کہ عمر کی طرح اب لوگ ہیں کہاں!

زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا کہ میں ایک رات عمر کے ساتھ نکلا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ہم نے دور سے آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ عمر نے کہا کہ اے اسلم، غالباً وہاں سوار ہیں، جنہیں سردی لگ رہی ہے۔ چل، ان کے پاس چلیں۔ جب ہم دونوں وہاں پہنچے تو دیکھا، وہاں ایک عورت ہے اور ایک دیگچی آگ پر چڑھی ہوئی ہے اور دو بچے رو رہے ہیں۔ عمر نے کہا کہ السلام علیکم، اے روشنی والو، مگر آگ والو کہنا پسند نہ کیا، تمہارا کیا حال کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ عورت نے جواب دیا کہ بھوک سے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ دیگچی کیسی ہے؟ اس نے کہا کہ اسے دکھا کر بچوں کو تسلی دیتی ہوں اور قیامت کے دن خدا عمر بن الخطاب سے ان کے متعلق جواب طلب کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ عمر کو ان کے حال کی کیا خبر! عورت نے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس نے لوگوں کی ذمہ داری لی ہے اور ان کے حالات سے غافل ہے! اسلم کہتا ہے کہ عمر نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ چل اور ہم تیز تیز چلنے لگے یہاں تک کہ دار الصرف پہنچے۔ وہاں سے انہوں نے ایک بوری آٹا لیا اور ایک برتن میں روغن اور مجھ سے کہنے لگے کہ یہ میرے اوپر لا دے۔ میں نے کہا کہ تیرے عوض انہیں میں لے چلتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ کیا تو قیامت کے دن بھی میرے بوجھ اٹھائے گا! یہ سن کر میں نے وہ بوجھ ان کے اوپر لا دیا اور ہم دوڑے یہاں تک کہ ہم نے وہ بوری اس عورت کے پاس لا کر کھڑی کر دی۔ پھر انہوں نے اس میں سے آٹا نکالا اور عورت سے کہنے لگے کہ یہ کام مجھے کرنے دے اور وہ خود دیگچی کے نیچے آگ پھونکتے جاتے تھے اور چونکہ ان کی داڑھی بڑھی تھی اس میں سے دھواں نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ جب وہ پک چکا تو انہوں نے روغن نکال کر اس میں ڈالا اور اس سے کہا کہ بچوں کو کھلاؤ اور میں اسے ٹھنڈا کرتا جاتا ہوں۔ الغرض وہ کھا کر سیر ہو گئے اور باقی چیزیں انہوں نے اس عورت کے پاس چھوڑ دیں۔ اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ اے اسلم، میں

نے دیکھا کہ وہ واقعی بھوک سے رو رہے ہیں، اس لیے میں چاہتا تھا کہ جب تک بھوک کا سبب نہ دریافت کر لوں، یہاں سے نہ جاؤں۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چونسٹھویں رات

جب چونسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- نہت الزماں نے کہا کہ ایک بار عمر ایک غلام چرواہے کے پاس سے گزرے اور کہا کہ ایک بھیڑ میرے ہاتھ بچ دے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ بھیڑیں میری ملکیت نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تجھ ہی ایسے شخص کی مجھے تلاش تھی۔ یہ کہہ کر اس غلام کو انہوں نے خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ غلام نے کہا کہ خدایا، تو نے چھوٹی آزادی تو عطا کی ہے، اب بڑی آزادی بھی دیجیو! بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر نوکروں کو میٹھا دودھ پینے کو دیتے اور خود گاڑھا جما ہوا کھاتے اور نرم لباس ان کو پہناتے اور خود موٹا اور سخت پہنتے اور لوگوں کو ان کا حق دیتے بلکہ اس سے بھی زیادہ بطور بخشش کے دیتے۔ اسی طرح ایک بار انہوں نے ایک شخص کو چار ہزار درہم دیے اور ایک ہزار کا اضافہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ جس طرح تو نے اس شخص کو زیادہ دیا ہے، اپنے بیٹے کو بھی دے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس شخص کا باپ احد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا ہے۔ حسن سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت عمر کے پاس بہت سا مال آیا اور وہ اسے اپنی بیٹی حفصہ کے پاس لے گئے۔ حفصہ نے کہا کہ اے امیر المومنین، اپنے رشتے داروں کا حق دے۔ آپ نے فرمایا کہ اے حفصہ، یہ ٹھیک ہے کہ خدا نے رشتے داروں کا حق دینے کا ارشاد کیا ہے لیکن مسلمانوں کے مال میں سے نہیں۔ یا حفصہ، تو نے رشتے داروں کا دل خوش کر دیا لیکن اپنے باپ کو ناراض کر دیا۔ اس پر وہ اٹھ کر دامن کھینچتی ہوئی چلی گئیں۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سال بھر خدا سے گڑگڑا کر دعا کرتا رہا کہ وہ مجھے خواب میں میرے باپ کا دیدار دکھائے۔ بالآخر ایک بار میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا

کہ ابا جان، تیرا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر خدا کی رحمت مجھے بچا نہ لیتی تو میں تباہ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد نزہت الزماں نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- اب اول باب کی دوسری فصل سن جو تابعین اور باقی نیک لوگوں کے متعلق ہے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ بغیر تین چیزوں پر افسوس کیے انسان کی روح دنیا سے نہیں جاتی۔ اول یہ کہ جو کچھ اس نے جمع کیا تھا اس سے کافی فائدہ نہ اٹھایا، دوسرے یہ کہ جو اس کی آرزوئیں تھیں وہ پوری نہ ہوئیں، تیسرے یہ کہ جہاں وہ جا رہا ہے وہاں کے لیے اس نے کافی سامان مہیا نہیں کیا۔ سفیان ثوری سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص زاہد ہو اور اس کے پاس دولت بھی ہو؟ انہوں نے جواب

دیا کہ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ جب وہ مصیبت میں ہو تو صبر کرے اور جب خدا اس کو دے تو وہ اس کا شکر کرے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب عبداللہ بن شداد مرنے کے قریب تھے تو انہوں نے اپنے بیٹے محمد کو بلایا اور اسے نصیحت کی کہ اے میرے بیٹے، میں دیکھ رہا ہوں کہ موت کا فرشتہ مجھے بلانے آ گیا ہے لہذا میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ ظاہر و باطن میں خدا سے ڈریو اور خدا کا شکر گزار رہو اور سچ بولیو۔ شکر سے نعمتوں میں زیادتی ہوتی ہے اور خدا کا ڈر بہترین توشہ ہے۔

اس کے بعد نزہت الزماں نے کہا کہ بادشاہ پہلے باب کی دوسری فصل کے چند اور نکتے بھی سننے چاہئیں۔ پوچھا گیا کہ وہ کیا ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو جو کچھ مال و دولت اس کے خاندان والوں کے پاس تھی، وہ انہوں نے ان سے لے کر بیت المال میں جمع کر دی۔ اس کی فریاد بنو امیہ نے جا کر اس کی پھوپھی فاطمہ بنت مروان سے کی۔ فاطمہ نے عمر بن عبدالعزیز کے پاس کہلا بھیجا کہ میں تجھ سے ملنا چاہتی ہوں اور رات کے وقت ملنے کو گئی۔ عمر نے اسے سواری پر سے اتارا اور وہ بیٹھ گئی۔ عمر نے کہا کہ اے پھوپھی، پہلے تو بات کر کیونکہ تو حاجت لے کر آئی ہے۔ کہہ تیرا کیا مقصد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین، تو ہی ابتدا کر کیونکہ تو ان تمام باتوں کو تاڑ جاتا ہے جو لوگوں کے سمجھ سے باہر ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ خدا نے محمد رسول اللہ کو بعض لوگوں کے لیے رحمت اور دوسروں کے لیے عذاب بنا کر بھیجا اور اس کے بعد ان کے ساتھیوں کو برگزیدہ کیا اور انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

URDU4U.COM

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• پینٹھ ویں رات

جب پینستھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- نہت الزماں نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کے لیے رحمت اور بعضوں کے لیے عذاب بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد ان کے اصحاب کو برگزیدہ کر کے رسول اللہ کو اپنے پاس بلا لیا اور ان کے لیے ایک نہر چھوڑ گئے جس میں سے وہ پانی پییں۔ ان کے بعد ابو بکر صدیق خلیفہ ہوئے اور انہوں نے بھی نہر کو اسی حالت میں چھوڑا اور خدا کی مرضی کے مطابق کام کیا۔ اس کے بعد عمر نے خلافت کی اور انہوں نے ایسے کام کیے جن کی طرح اور کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ مگر جب عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس نہر کو کاٹ کر ایک اور نہر نکالی اور معاویہ نے اپنی حکومت میں اور بہت سی نہریں کاٹ دیں اور اسی طرح یزید اور بنو مروان مثلاً عبدالملک اور ولید اور سلیمان نہریں کاٹتے گئے یہاں تک کہ بڑی نہر خشک ہو گئی۔ اب میں حاکم ہوں اور چاہتا ہوں کہ بڑی نہر پہلے کی طرح ہو جائے۔ فاطمہ نے کہا کہ میں تجھ سے گفتگو اور مذاکرہ کرنے آئی تھی لیکن اگر تیرا بیان اسی طرح کا ہے تو میں تجھ سے کچھ نہیں کہتی۔ یہ کہہ کر وہ بنو امیہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ تم نے جو عمر بن الخطاب کے خاندان میں شادی کی ہے، اس کا مزہ چکھو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو اکٹھا کیا۔ مسلمہ بن عبدالملک نے اس سے کہا کہ اے امیر المومنین، تو اپنی اولاد کو کیوں غریبی میں چھوڑ جاتا ہے حالانکہ تو ان کا پاسبان ہے۔ اگر تو انہیں بیت المال میں سے اتنا دے دے کہ وہ امیر ہو جائیں تو کوئی تیرا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ تیرے بعد تیرے جانشین کے دست نگر ہوں۔ عمر نے مسلمہ کی طرف غصے اور تعجب سے دیکھا اور کہا کہ اے مسلمہ، میں نے اپنی زندگی میں انہیں اس سے روکا ہے، تو پھر یہ کیونکر

ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے میں مرنے کے بعد شقی بنوں۔ میری اولاد بھی اوروں کی طرح ہے۔ جو کوئی ان میں سے خدا کی فرمانبرداری کرے گا تو خدا اس کی حالت سنبھال دے گا اور جو نافرمان ہو گا اس کی نافرمانی میں، میں مددگار نہیں بن سکتا۔ اے مسلمہ، تجھے یاد ہے کہ بنی مروان میں سے ایک شخص کے دفن میں ہم دونوں موجود تھے۔ وہیں میری آنکھ بند ہو گئی اور میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ خدا اسے سزا دے رہا ہے۔ اس سے میں ڈر گیا اور میں نے خدا سے وعدہ کیا کہ اگر میں کبھی بادشاہ ہوا تو اس شخص کی طرح کام نہ کروں گا۔ عمر بھر میں نے اس کے پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور چاہتا ہوں کہ خدا کا غصہ میرا ساتھ دے۔

مسلمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص کے دفن کے وقت میں موجود تھا۔ جب میں دفن سے فارغ ہو چکا تو میری آنکھ لگ گئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک باغ میں ہے جہاں نہریں جاری ہیں اور وہ سفید پوشاک پہنے ہوئے ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے مسلمہ، لوگوں کو چاہیے کہ ان چیزوں کے حاصل کرنے کی خاطر نیک عمل کریں۔

اس قسم کے واقعات اور بھی بہت سے ہیں۔

ایک سچے راوی کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں میں دودھ دوہنے کا پیشہ کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں ایک چرواہے کے پاس سے گزرا اور دیکھا کہ اس کی بھیڑیوں کے ساتھ بھیڑیے ہیں۔ میں نے بھڑیا کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا اس لیے مجھے گمان ہوا کہ وہ ریوڑ کے کتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ان کتوں کو کیا کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ کتے نہیں ہیں بلکہ بھیڑیے ہیں۔ میں نے کہا کہ کیا بھیڑیوں کو بھیڑیے نقصان نہیں پہنچاتے؟ اس نے جواب دیا کہ جب سر سالم ہوتا ہے تو سارا جسم سالم ہو جاتا ہے۔

ایک بار عمر بن عبدالعزیز نے مٹی کے منبر پر خطبہ پڑھا اور خدا کی حمد و ثنا کرنے کے بعد تین جملے کہے، ایک یہ کہ اے لوگو! تم اپنے بھائیوں کے متعلق دل میں نیک خیال

رکھو تا کہ تمہارا ظاہر بھی نیک ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ دنیا داری سے اپنے آپ کو روکے رکھو۔ اور تیسرا یہ کہ کسی شخص اور آدم کے درمیان کوئی زندہ نہیں بچا بلکہ سب مر گئے۔ عبدالملک اور اس سے پہلے جتنے تھے سب مر گئے اور عمر اور اس کے بعد جتنے آئیں گے سب مر جائیں گے۔ مسلمہ نے کہا کہ اے امیر المومنین، اجازت ہو تو ہم تیرے لیے ایک تکیہ بنا دیں تا کہ تو ذرا اس سے ٹیک لگا لے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن اس کی وجہ سے کہیں میری گردن عذاب میں نہ پڑے۔ اس کے بعد اس کا دم چڑھنے لگا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ فاطمہ چلانے لگی کہ اے مریم، اے مزاحم، اے فلاں، ان کی خبر لو اور وہ خود اس کے منہ پر پانی چھڑکنے اور رونے لگی۔ جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ رو رہی ہے اور پوچھا کہ اے فاطمہ، تو کیوں روتی ہے؟ اس نے کہا کہ تجھے اپنے سامنے گرنا دیکھ کر موت کے وقت تیرا خدا کے سامنے گرنا اور دنیا سے تیری رحلت اور اپنا تجھ سے جدا ہونا مجھے یاد آ گیا، اس وجہ سے میں رونے لگی۔ اس نے کہا کہ اے فاطمہ بس کر تو مبالغہ کرتی ہے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور پھر گر پڑا۔ فاطمہ نے اسے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگی کہ اے امیر المومنین، تیرے اوپر میں نے ماں باپ کو قربان کیا، ہم سب تجھ سے گفتگو کرنے سے عاجز ہیں۔

اب نہت الزماں نے اپنے بھائی شرکان اور قاضیوں سے کہا کہ سنو، اب پہلے باب کی دوسری فصل کا تتمہ آتا ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چھیاسٹھویں رات

جب چھیاسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ نہت الزماں نے قاضیوں، گواہوں اور تاجر کے سامنے اپنے بھائی شرکان سے کہا، مگر اسے معلوم نہ تھا کہ وہ اس کا بھائی ہے، کہ اب پہلے باب کی دوسری فصل کا ختمہ آتا ہے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے حاجیوں کو یہ خط لکھا کہ میں مبارک شہر اور حج کے دن خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں تم پر ظلم کیے جانے اور تم پر زیادتی کرنے والے کی زیادتی سے بری ہوں۔ نہ تو میں نے اس کا حکم دیا اور نہ میرا یہ منشا تھا اور نہ اس کی کوئی خبر مجھے پہنچی اور نہ مجھے اس کا علم ہوا، اور مجھے امید ہے کہ خدا مجھے معاف کرے گا کیونکہ میں نے کسی کو کسی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس لیے کہ خدا ہر مظلوم کی باز پرس مجھ سے کرے گا اور اگر میرے عاملوں میں کوئی عامل سیدھے راستے سے بہک جائے اور قرآن اور سنت پر عمل نہ کرے تو جب تک وہ ان کی طرف دوبارہ رجوع نہ کرے تم اس کی اطاعت سے بری ہو اور انہیں کا قول ہے، خدا ان سے راضی ہوا! کہ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ موت سے مجھے چھٹکارا ملے کیونکہ وہ آخری چیز ہے جس پر مومن کو اجر ملتا ہے۔

ایک معتبر راوی کا بیان ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ تھے تو میں ان کے پاس گیا اور دیکھا کہ ان کے سامنے بارہ درہم رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے حکم دیا کہ وہ بیت المال میں داخل کر دیے جائیں۔ میں نے کہا کہ اے امیر المومنین، تو نے اپنی اولاد کو غریب کر دیا ہے اور نادار۔ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ کاش کہ تو ان کے اور خاندان کے دوسرے غریبوں کے لیے کچھ ترکہ چھوڑ جاتا! انہوں نے کہا کہ میرے قریب آ۔ جب میں ان کے قریب گیا تو انہوں نے کہا کہ تیرا یہ کہنا کہ میں نے اپنی اولاد کو غریب بنا دیا لہذا میں ان کے اور خاندان کے دوسرے غریبوں کے لیے کچھ

ترکہ چھوڑ جاؤں ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ میرے بعد میری اولاد اور خاندان کے لیے میرا قائم مقام اللہ ہے اور وہی ان کا نگہبان ہے اور وہ دو حالت سے خالی نہ ہوں گے،
 یا تو وہ خدا سے ڈرنے والے ہوں گے تو اس حالت میں خدا ان کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا اور یا گناہ گاری پر مصر ہوں گے تو میں اس حالت میں خدا کی نافرمانی میں ان کا معین و مددگار نہیں بننا چاہتا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور وہ باہ لڑکے تھے۔ جب انہوں نے بیٹوں کو دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور وہ کہنے لگے کہ تمہارا باپ دو حالتوں سے خالی نہیں، یا تو تم امیر ہو اور وہ دونخ میں جائے اور یا تم غریب رہو اور تمہار باپ جنت میں داخ ہو اور تمہارے باپ کو یہ زیادہ محبوب ہے کہ وہ جنت میں جائے بہ نسبت اس کے کہ تم امیر ہو۔ اب جاؤ، خدا تمہاری مدد کرے! میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

خالد بن صفوان سے منقول ہے کہ یوسف بن عمر میرے ساتھ ہشام بن عبدالملک کے پاس گیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہ اسی وقت اپنے رشتے داروں اور نوکروں کے ساتھ باہر آیا ہوا تھا۔ جب وہ سواری سے اترا تو اس کے لیے خیمے لگائے گئے اور جب لوگ بیٹھ چکے تو فرش کے ایک کنارے کی طرف سے میں آیا اور اسے دیکھا۔ جوں ہی ہماری آنکھیں چار ہوئیں تو میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین، خدا تجھے اپنی نعمتیں بھرپور دے! اور جو عمدہ اس نے تیرے سر ڈالا ہے اس میں تیری ہدایت کرے! اور تیری خوشی میں غم نہ ملائے! اور میں تجھے اس سے بہتر کوئی نصیحت نہیں کر سکتا جو تجھ سے پہلے ایک بادشاہ کو کی گئی ہے۔ ہشام اس وقت تکیہ لگائے بیٹھا ہوا تھا مگر یہ سن کر وہ سیدھا ہو بیٹھا اور کہنے لگا کہ اے صفوان، کہہ جو کچھ تو کہنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اے امیرالمومنین آج سے پہلے ایک بادشاہ جو تجھ سے قبل گزرا ہے اسی جگہ آکر بیٹھا تھا اور اس نے اپنے ہم مجلس سے کہا کیا تم نے میرا سا جاہ و جلال کبھی دیکھا ہے؟ اور کیا کسی اور کے پاس وہ چیزیں موجود ہیں جو میرے پاس ہیں؟ اسی وقت اس کے پاس ان لوگوں میں سے ایک شخص موجود تھا جو حجت والے ہیں اور سچ بات کے

مددگار اور خود سچائی کے راستے پر چلنے والے۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ، تو نے بڑی بات پوچھی ہے۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں جواب دوں؟ بادشاہ نے کہا کہ ہاں۔ اس شخص نے کہا کہ جس حال میں تو اس وقت ہے آیا تو اس کو باقی سمجھتا ہے یا فانی؟ اس نے کہا کہ وہ ایک فانی چیز ہے۔ اس شخص نے کہا کہ تو پھر یہ عجیب بات ہے کہ تو ایسی چیز پر ناز کرتا ہے جس میں تو تھوڑے دن رہے گا مگر جس کی باز پرس بہت طول طویل ہو گی اور جس کا حساب دینا تیرے اوپر فرض ہو گا۔ بادشاہ نے کہا کہ پھر میں اسے چھوڑ کر کہاں بھاگوں اور کس مقصد کے حاصل کرنے کی کوشش کروں؟ اس نے جواب دیا کہ یا تو بادشاہ بنا رہ اور خدا کی فرمانبرداری کر یا گدڑی پہن لے اور خدا کی عبادت کر یہاں تک کہ تیرے دن ختم ہو جائیں۔ پھر اس شخص نے کہا کہ کل سویرے میں تیرے پاس پھر آؤں گا۔

خالد بن صفوان کہتے ہیں کہ دوسرے دن صبح کو اس شخص نے پھر بادشاہ کا دروانہ کھٹکھٹایا اور دیکھا کہ اس نے اپنا تاج اتار چھوڑا ہے اور وہاں سے چل دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اس قدر اس پر نصیحت کا اثر ہوا! یہ سن کر ہشام بن عبدالملک دھاڑیں مار مار کر رونے لگا یہاں تک کہ اس کی داڑھی بھیگ گئی اور اس نے حکم دیا کہ میرے شاہی کپڑے اتار لو اور وہ محل میں جا کر گوشہ نشین ہو گیا یہ دیکھ کر اس کے نوکر چاکر خالد بن صفوان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تو نے امیرالمومنین کے ساتھ کیا کیا کہ اس کی لذتیں خراب ہو گئیں اور زندگی برباد۔

اس کے بعد نزہت الزماں نے شرکان سے کہا کہ اس باب میں بے حد پند و نصائح ہیں اور ان کا بیان ایک مجلس میں کرنا ناممکن ہے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• سڑستھویں رات

جب سڑستھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- نہت الزماں نے شرکان سے کہا کہ اے بادشاہ، اس باب میں اتنے پند و نصائح ہیں کہ میں ایک مجلس میں ان کے بیان کرنے سے عاجز ہوں لیکن اے بادشاہ آگے چل کر میں سب کچھ بیان کر دوں گی۔

قاضیوں اور گواہوں نے کہا کہ اے بادشاہ، یہ لڑکی تو عجوبہ ہے اور اس زمانے میں اس کی مثال نہیں اور ہم نے عمر بھر ایسا شخص دیکھا، نہ سنا۔ یہ کہہ کر انہوں نے شہزادے کو دعا دی اور رخصت ہو گئے۔ اب شرکان نے نوکروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اب تم لوگ ولیمے کی دعوت کا انتظام شروع کر دو اور طرح طرح کے کھانے پکواؤ۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور طرح طرح کے کھانے تیار کرائے۔ شرکان نے امرا اور وزراء اور رؤسا کی بیویوں کو کہلا بھیجا کہ منہ دکھائی اور دعوت کھانے سے پہلے نہ جائیں۔ ابھی عصر کا وقت بھی نہ ہوا تھا کہ دسترخوان بچھ گیا اور اس پر ایسی ایسی چیزیں آگئیں جن سے دل خوش ہو جائے اور آنکھیں سرور۔ مثلاً تلا ہوا گوشت اور بطخیں اور مرغیاں۔ لوگوں نے اتنا کھایا کہ سیر ہو گئے۔ دمشق کی ساری ڈونیاں بلوائی گئی تھیں اور وہ سب موجود تھیں۔ نیز بادشاہ اور امرا کی کنیریں جن کو گانا بجانا آتا تھا، وہ سب کی سب محل میں آئیں۔ جب شام ہوئی اور اندھیرا چھانے لگا تو قلعے سے لے کر محل تک دہنے بائیں قدیلیں روشن کی گئیں اور امرا اور وزراء اور رؤسا شہزادہ شرکان کے آگے آگے روانہ ہوئے اور ڈونیاں اور سنگار کرنے والیاں لڑکی کو بنانے سوارنے اور کپڑے پہنانے لے گئیں مگر انہوں نے دیکھا کہ اس کے حسن و جمال کو بناؤ سنگھار کی حاجت ہی نہیں۔

شہزادہ شرکان حمام گیا اور وہاں سے نکل کر تخت پر بیٹھ گیا اور دلہن کی منہ دکھائی

سات مختلف پوشاکوں میں اس کے سامنے کی گئی۔ اس کے بعد اس کے کپڑے اتارے گئے اور اس سے وہ بات کہی گئی جو زفاف کی رات دہنوں سے کہی جاتی ہے اور شرکان اس کے ساتھ ہم بستر ہوا اور اس کا کنوار پن زائل کیا اور اسے اسی وقت حمل رہ گیا۔ اس کا ذکر لڑکی نے شرکان سے کیا اور وہ مارے خوشی کے پھولے نہ سلایا اور حکما کو حکم دیا کہ حمل کی تاریخ لکھ رکھیں۔ جب صبح ہوئی تو وہ کرسی پر آکر بیٹھا اور امرا نے آکر اس کو مبارک باد دی۔ اب اس نے اپنے نج کے کاتب کو بلوایا اور اس سے کہا کہ میرے والد عمر بن النعمان کو ایک خط لکھ کہ میں نے ایک بڑی عالم اور آداب داں کنیز خریدی ہے جو حکمت کے سارے فنون سے واقف ہے۔ میں اسے ضرور بغداد بھیجوں گا تاکہ وہ میرے بھائی ضوء المکان اور میری بہن زہت الزماں سے ملے۔ میں نے اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح نامہ لکھوا لیا ہے اور اس کے ساتھ ہم بستی کر چکا ہوں اور اسے حمل بھی رہ گیا ہے۔ الغرض اس نے لڑکی کی دانشمندی کی بڑی تعریف کی اور اپنے بھائی بہن اور وزیر دندان اور تمام امرا کو سلام لکھا اور خط پر مہر لگا دی اور قاصد کے ہاتھ سے اپنے باپ کے پاس روانہ کر دیا۔ پورے ایک مہینے کے بعد قاصد جواب لے کر لوٹا اور اس نے وہ خط شرکان کے حوالے کیا۔ شرکان نے خط لیا اور اسے کھول کر پڑھا تو اس میں بسم اللہ کے بعد یہ لکھا ہوا تھا: یہ خط اس مصیبت زدہ اور پریشان خاطر کی طرف سے ہے جس کی دو اولادیں کھو گئی ہیں اور جو اپنے وطن میں پرہیزی ہے۔ یعنی بادشاہ عمر بن النعمان کی طرف سے اپنے بیٹے شرکان کے نام۔ تجھے معلوم ہو کہ تیرے جانے کے بعد مجھ پر دنیا تنگ ہو گئی ہے حتیٰ کہ میرا صبر و قرار جاتا رہا ہے اور میں اپنے رنج و الم کو چھپا نہیں سکتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب میں ایک دن سیر و شکار کے لیے جا رہا تھا تو ضوء المکان نے مجھ سے حجاز جانے کی اجازت مانگی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو جائے اور میں نے کہا کہ اس سفر کو پار سال یا پرار سال تک ملتوی رکھ۔ جب میں سیر و شکار کے لیے گیا تو مجھے وہاں ایک پورا مہینہ لگ گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• اڑستھویں رات

جب اڑستھویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ عمر بن النعمان نے اپنے خط میں لکھا کہ سیر و شکار میں مجھے پورا مہینہ لگ گیا۔ جب میں واپس آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ تیرا بھائی اور تیری بہن ٹھوڑے سے دام لے کر حاجیوں کے ساتھ چپکے سے حج کرنے چل دیے ہیں۔ یہ معلوم کر کے میرا دم گھٹنے لگا اور اے میرے بیٹے پھر میں حاجیوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگا کہ شاید وہ ان کے ساتھ واپس آئیں۔ جب حاجی لوٹے تو میں نے دونوں کے متعلق دریافت کیا لیکن کسی سے کوئی خبر معلوم نہ ہوئی اور میں نے ان کی وجہ سے رنج و الم کا لباس پہن لیا۔ اب میرا دل انہیں میں لگا ہوا ہے اور نیند عنقا ہو گئی ہے اور دن رات آنسوؤں میں ڈوبا رہتا ہوں۔ اس کے بعد منجملہ اور باتوں کے اس نے لکھا کہ میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کو سلام بھیجتا ہوں اور تجھ سے کہتا ہوں کہ ان کا پتہ لگانے میں کوتاہی نہ کیجیو۔ کیونکہ یہ ہمارے لیے ذلت کی بات ہے۔

جب شرکان نے یہ خط پڑھا تو اسے باپ کی حالت پر رنج ہوا مگر اپنے بھائی بہن کے غائب ہو جانے سے خوش ہوا اور وہ اس خط کو لے کر فوراً اپنی بیوی نزہت الزماں کے پاس گیا۔ نہ اس کو خبر تھی کہ یہ میری بہن ہے اور نہ بہن کو کہ یہ میرا بھائی ہے حالانکہ دونوں کا دن رات کا ساتھ تھا۔ اب اس کی مدت پوری ہو گئی اور وہ زچہ خانے میں آئی اور خدا نے اس کے اوپر ولادت سہل کر دی اور اس کے لڑکی پیدا ہوئی۔ اس پر شرکان کو بلوایا اور اس سے کہا کہ یہ تیری بیٹی ہے، اس کا نام اپنی مرضی کے مطابق رکھ۔ اس نے جواب دیا کہ دستور یہ ہے کہ بچے کا نام پیدائش کے ساتویں دن رکھا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر شرکان جھکا اور اس نے اپنی بیٹی کو بوسہ دیا اور دیکھا کہ اس کے گلے میں ان جواہرات میں سے ایک لٹکا ہوا ہے جو شہزادی ابرینہ روم سے

لائی تھی۔ یہ دیکھتے ہی وہ حیران ہو گیا اور غصے میں بھر گیا اور اس کی آنکھیں طیش سے پھر گئیں اور جواہر کا قصہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ اب اس نے نہت الزماں کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے کنیز، یہ جواہر تیرے ہاتھ کیسے لگا؟ جب اس نے شرکان کے یہ الفاظ سنے تو وہ کہنے لگی کہ میں تیری اور تیرے تمام محل والوں کی آقا ہوں۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ تو مجھے کنیز کے نام سے یاد کرتا ہے۔ میں بادشاہ کی بیٹی شہزادی ہوں۔ اب راز فاش ہو گیا اور واقعہ کھل گیا اور یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ بادشاہ عمر بن النعمان کی بیٹی نہت الزماں ہے۔ جب شرکان نے یہ سنا تو وہ کانپنے لگا اور اس نے سر نیچا کر لیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• انہر ویں راتے

جب انہر ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب شرکان نے یہ سنا تو اس کا دل کانپنے لگا اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ تھرتھرانے لگا اور اس نے سر نیچا کر لیا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ دونوں ایک ہی باپ سے ہیں اور بھائی بہن ہیں اور اس پر غشی طاری ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ حیران اور پریشان تھا لیکن اس کا دل نہ مانتا تھا اور اس نے کہا کہ اے میری آقا، کیا تو واقعی بادشاہ عمر بن النعمان کی بیٹی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ شرکان نے کہا کہ اپنے باپ سے چھٹنے اور اپنے بکنے کا حال بیان کر، اور اس نے شروع سے آخر تک سارا ماجرا بیان کر دیا اور یہ بھی کہا کہ میں اپنے بھائی کو بیت المقدس میں بیمار چھوڑ آئی ہوں اور وہ بدو مجھے چرا لایا تھا اور اس نے تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ جب شرکان نے یہ باتیں سنیں تو اس کو یقین ہو گیا کہ وہ اس کی بہن اور اس کے باپ کی بیٹی ہے اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں نے کیونکر اپنی بہن سے شادی کی! میں ابھی اس کی شادی ایک حاجب سے کیے دیتا ہوں اور اگر یہ بات ظاہر ہو گئی تو میں کہوں گا کہ میں نے دخول سے پیشتر اسے طلاق دے دی ہے اور بڑے حاجب سے اس کی شادی کر دی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے سر اٹھایا اور افسوس کرنے لگا کہ اے زہت الزماں، تو واقعی میری بہن ہے اور جس گناہ میں ہم مبتلا ہوئے ہیں، اس کی مغفرت میں خدا سے چاہتا ہوں کیونکہ میں بھی بادشاہ عمر بن النعمان کا بیٹا شرکان ہوں۔ یہ سن کر وہ اس کی طرف دیکھنے لگی اور اسے معلوم ہو گیا کہ وہ سچ کہتا ہے۔ جب اس نے شرکان کو پہچانا تو اس کے قدم ڈمگمانے لگے اور وہ رونے اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگی اور کہا کہ لاحول ولا قوہ الا باللہ! ہم کس گناہ میں مبتلا ہو گئے! اب کیا کریں اور اگر ماں باپ پوچھیں کہ یہ بیٹی کہاں سے آئی تو کیا جواب دوں! شرکان

نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تیری شادی میں اپنے حاجب سے کر دوں اور تو میری بیٹی کو اس کے گھر میں پالے اور کسی کو کانوں کون خبر نہ ہونے پائے کہ تو میری بہن ہے اور جو کچھ خدا نے ہمارے ساتھ کیا اس میں اس کی کوئی مصلحت ہو گی۔ اب ہمارا راز سوائے اس کے نہیں چھپ سکتا کہ میں تیری شادی اس حاجب سے کر دوں قبل اس کے کہ کسی کو ذرا بھی خبر ہو۔

یہ کہہ کر وہ اسے دلاسا دینے اور اس کے سر کو بوسہ دینے لگا۔ اب اس نے پوچھا کہ تو اس لڑکی کا نام کیا رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کا نام قضی فکان رکھا جائے۔ اس کے بعد اس نے اس کی شادی بڑے حاجب سے کر دی اور اس کو اور اس کی بیٹی کو اس کے گھر منتقل کر دیا۔ وہاں بچی کی پرورش کنیزوں کی گود میں ہوئی اور اسے ہر روز شربت اور طرح طرح کے سفوف دیے جانے لگے۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر اس کا بھائی ضوء المکان دمشق میں آگ سلگانے والے کے پاس تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ بادشاہ عمر بن النعمان کا قاصد شہزادہ شرکان کے پاس آیا اور اپنے ساتھ ایک خط لایا۔ اس نے خط لے کر پڑھا تو اس میں بسم اللہ کے بعد یہ لکھا ہوا تھا کہ اے عزیز شہزادے، میں اپنے اولاد کے غم میں سخت مبتلا ہوں اور سونا سوگند ہو گیا ہے اور بیداری نے آ لیا ہے۔ اس خط بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ جوں ہی وہ تجھے ملے تو مال اور خراج فوراً روانہ کر دیجیو اور اس کے ہمراہ وہ کنیز بھی جسے تو نے خریدا اور جس کے ساتھ نکاح کیا ہے، کیونکہ میں اس کو دیکھنا اور اس کی گفتگو سننا چاہتا ہوں۔ یہاں میرے اس روم کے ملک سے ایک پارسا بڑھیا آئی ہے اور اپنے ساتھ پانچ نوجوان با کہ کنیزیں لائی ہے اور وہ کنیزیں ان تمام علوم اور آداب میں ماہر ہیں جن کی ضرورت انسان کو پڑتی ہے اور اس بڑھیا اور ان کنیزوں کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ کیونکہ وہ علم اور فضیلت اور حکمت کا ذخیرہ ہیں۔ میں انہیں دیکھتے ہی ان سے محبت کرنے لگا اور میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے محل میں میری ملکیت ہو کر رہیں کیونکہ ان کی نظیر کسی بادشاہ کے پاس پائی نہیں جاتی۔ میں نے بڑھیا سے ان

کی قیمت پوچھی تو وہ کہتی ہے کہ میں دمشق کے خراج سے کم نہ لوں گی اور میرے خیال میں یہ قیمت زیادہ نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ایک ایک کی قیمت اتنی ہے۔ میں نے یہ شرط منظور کر لی ہے اور ان کو محل میں لے لیا ہے اور اب وہ میری ملکیت ہیں۔ لہذا خراج جلد روانہ کرنا کہ بڑھیا اپنے وطن واپس جائے اور اپنی کنیز بھی یہاں بھیج تاکہ وہ ان سے علما کے سامنے مناظرہ کرے۔ اگر وہ غالب آگئی تو میں اسے تیرے پاس بغداد کے خراج کے ساتھ بھیج دوں گا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پوری سترویں رات

جب پوری سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- بادشاہ عمر بن النعمان نے اپنے خط میں لکھا کہ اس کنیز کو بھیج دے تاکہ وہ علماء کے سامنے ان کنیزوں سے مناظرہ کرے۔ اگر وہ غالب آگئی تو میں اسے تیرے پاس واپس کر دوں گا اور بغداد کا خراج اس کے ساتھ کر دوں گا۔

جب شرکان کو یہ خبر پہنچی تو وہ اپنی بہنوئی کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ اپنی بیوی کو بلا جس کی شادی میں نے تیرے ساتھ کی ہے۔ جب وہ آئی تو شرکان نے اسے خط کا مضمون سنایا اور اس سے کہنے لگا کہ بہن، تیری رائے میں اس کا کیا جواب دیا جائے۔ اس نے کہا کہ جو تیری رائے ہو مناسب ہے مگر چونکہ وہ اپنے خاندان اور وطن کی مشاق تھی اس نے کہا کہ میرے شوہر حاجب کے ساتھ مجھے بھی بھیج دے تاکہ میں باپ سے اپنا قصہ بیان کروں اور جو کچھ مجھ پر اس بدو کے ساتھ گزری ہے، جس نے مجھے سوداگر کے ہاتھ بیچا ہے، کہوں اور یہ بتاؤں کہ سوداگر نے مجھے تیرے ہاتھ بیچا اور تو نے مجھے آزاد کر کے میرا نکاح حاجب سے کر دیا۔ شرکان نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے اور اس نے اپنی بیٹی کو لے کر دایاؤں اور ماماؤں کے سپرد کر دیا اور خراج اکٹھا کر کے اسے حاجب کے حوالے کیا اور کہا کہ اسے اور اپنی بیوی کو لے کر بغداد جا، اور حکم دیا کہ ایک محمل حاجب کے لیے تیار کیا جائے اور ایک بیوی کے لیے۔

حاجب نے یہ حکم بسر و چشم منظور کیا اور شرکان نے اونٹ اور خچر لدوائے اور ایک خط لکھ کر حاجب کو دیا اور اپنی بہن زہت الزماں سے رخصت ہوا اور اس سے وہ جواہر لے کر اور ایک خالص سونے کی لڑی میں پرو کر اپنی بیٹی کی گردن میں پہنا دیا۔ حاجب اسی رات روانہ ہو گیا۔

اب ایسا اتفاق ہوا کہ ضوء المکان اور بھٹی سلگانے والا دونوں اپنی جھونپڑی کے پاس ٹہل

رہے تھے کہ انہوں نے اونٹ اور بختی اور زین کسے ہوئے خچر اور روشن مشعلیں اور
 قدیلیں دیکھیں اور ضوء المکان نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا سامان ہے اور کون اس کا
 مالک ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ دمشق کا خراج ہے جو بغداد کے بادشاہ عمر بن النعمان
 کے پاس جا رہا ہے۔ ضوء المکان نے پوچھا کہ اس قافلے کا سردار کون ہے؟ انہوں
 نے کہا کہ بڑا حاجب جس نے اس لڑکی کے ساتھ شادی کی ہے جو علم اور حکمت میں
 ماہر ہے۔ یہ سن کر وہ رونے لگا اور سوچ میں پڑ گیا اور اپنے ماں باپ اور بہن اور
 وطن کو یاد کرنے لگا اور اس نے بھٹی والے سے کہا کہ اب میرا یہاں ٹھہرنا مشکل
 ہے۔ میں اس قافلے کے ساتھ جاتا ہوں اور چلتے چلتے اپنے وطن پہنچ جاؤں گا۔ بھٹی
 والے نے کہا کہ قدس سے یہاں تک تیرے آنے میں تو مجھے اطمینان نہ تھا، تیرے
 بغداد جانے میں میں کس طرح مطمئن ہو سکتا ہوں۔ میں بھی تیرے ساتھ چلتا ہوں
 اور جب تک تو اپنا مقصد حاصل نہ کر لے تیرے ساتھ رہوں گا۔ ضوء المکان نے کہا
 کہ بڑے شوق سے چل۔ بھٹی والے نے تیاری شروع کر دی اور اس کے لیے ایک
 گدھا کسا اور اس گدھے پر اس کی خرجی لادی اور اس میں راہ کے لیے کچھ توشہ رکھ
 لیا اور خود کمر باندھ کر تیار ہو گیا اور ذرا توقف کیا یہاں تک کہ لدے ہوئے جانور
 اس کے پاس سے گزرے اور اس نے دیکھا کہ حاجب ایک محمل میں سوار ہے اور
 اس کے آس پاس پیادے ہیں۔ اب ضوء المکان بھٹی والے کے گدے پر سوار ہوا اور
 اس سے کہنے لگا کہ تو بھی میرے ساتھ سوار ہو جا۔ اس نے کہا کہ میں سوار نہ
 ہوں گا بلکہ تیری ادلی میں چلوں گا۔ ضوء المکان نے کہا کہ تجھے بھی کچھ دیر سوار
 ہونا پڑے گا۔ اس نے کہا کہ اچھا جب میں تھک جاؤں۔ ضوء المکان نے کہا کہ بھائی،
 اب دیکھو کہ میں گھر پہنچ کر تیرے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں۔ چلتے چلتے اب سورج
 نکل آیا اور جب قیلوے کا وقت ہوا تو حاجب نے ٹھہرنے کا حکم دیا اور لوگ ٹھہر
 گئے اور آرام کیا اور اونٹوں کو پانی پلایا۔ اس کے بعد اس نے پھر کوچ بول دیا اور چلتے
 چلتے وہ پانچ دن کے بعد حمہ پہنچے اور اتر کر تین دن قیام کیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• اکثر دین رات

جب اکثر دین رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- قافلے نے تین دن تک حماہ میں ٹھہر کر کوچ کیا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے شہر میں پہنچا۔ وہاں بھی تین دن آرام کیا اور وہاں سے روانہ ہو کر وہ لوگ دیار بکر پہنچے اور بغداد کی ہوا آنے لگی اور ضواء المکان کو اپنی بہن زہت الزماں اور ماں باپ اور وطن یاد آنے لگے اور یہ بھی کہ وہ اب کس طرح بغیر اپنی بہن کے باپ کے پاس واپس جا رہا ہے۔ یہ سوچ کر وہ رونے اور آہیں بھرنے اور شکایت کرنے لگا۔ بھٹی والے نے کہا کہ ہم حاجب کے خیمے کے پاس ہیں۔ یہاں رونا اور آہیں بھرنا ٹھیک نہیں۔ ضواء المکان نے کہا کہ میں تو ضرور روؤں اور اشعار پڑھوں گا۔ ممکن ہے کہ میرے دل کی آگ ذرا ٹھنڈی ہو جائے۔ بھٹی والے نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں اس غمگینی کو اس وقت تک جانے دے جب تک ہم تیرے وطن نہ پہنچ جائیں۔ اس کے بعد جو تیرا جی چاہے کیجیو اور میں ہر دم تیرے ساتھ ہوں۔ ضواء المکان نے کہا کہ خدا کی قسم میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا منہ بغداد کی طرف کیا۔ چاند نکلا ہوا تھا اور چاندنی پھیلی ہوئی اور اس رات زہت الزماں کو بالکل نیند نہ آتی تھی اور وہ کروٹیں بدل رہی اور اپنے بھائی کو یاد کر کے رو رہی تھی۔ اسی حالت میں اس نے اپنے بھائی ضواء المکان کو روتے ہوئے اور اشعار گاتے ہوئے سنا۔ جب وہ گا چکا تو اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

یہ تو ضواء المکان کا حال تھا اور ادھر زہت الزماں کو رات بھر نیند نہ آئی تھی۔ کیونکہ وہ اس جگہ اپنے بھائی کو یاد کر رہی تھی۔ جب اس نے رات کے وقت وہ آواز سنی تو اس کے دل کو ذرا سکون ہوا اور وہ خوش ہو گئی اور اٹھ کر خادم کو آواز دی۔ خادم نے کہا کہ کیا حکم ہے؟ اس نے کہا کہ جا کر اس شخص کو لے آ جو اشعار

پڑھ رہا ہے۔ خادم نے کہا کہ میں نے تو کوئی شعر نہیں سنے۔
اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• بہترین رات

جب بہترین رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب نہت الزماں نے اپنے بھائی کو اشعار پڑھتے سنا تو اس نے بڑے خادم کو بلا کر کہا کہ جا کر اس اشعار پڑھنے والے کو بلا لا۔ اس نے کہا کہ میں نے تو کسی کو پڑھتے نہیں سنا اور نہ میں اسے پہچانتا ہوں اور سب لوگ سو رہے ہیں۔ نہت الزماں نے کہا کہ جس کو تو جاگتا پائے بس وہی اشعار پڑھ رہا ہے۔ خادم نے تلاش کی اور سوائے بھٹی والے اور ضواء المکان کے کسی کو جاگتا نہ پایا مگر ضواء المکان بے ہوش تھا۔ جب بھٹی والے نے خادم کو اپنے سر پر کھڑا دیکھا تو وہ ڈرا۔ خادم نے پوچھا کہ کیا تو ہی اشعار پڑھتا تھا جن کو میری آقا نے سنا ہے۔ بھٹی والے کو یقین ہو گیا کہ اشعار سن کر مالک کو غصہ آ گیا ہے۔ وہ ڈرا اور کہنے لگا کہ میں نے نہیں پڑھے۔ خادم نے کہا کہ پھر بتا کہ کون پڑھ رہا تھا کیونکہ تو بیدار ہے اور تو اسے ضرور جانتا ہو گا۔ بھٹی والا ضواء المکان کی خاطر ڈرا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خادم سے اسے کوئی نقصان پہنچے اور خادم کو جواب دیا کہ خدا کی قسم، میں اسے نہیں جانتا۔ خادم نے کہا کہ واللہ تو جھوٹا ہے کیونکہ یہاں سوائے تیرے اور کوئی بیدار نہیں تو اسے ضرور جانتا ہے۔ بھٹی والے نے کہا کہ واللہ، میں تجھ سے سچ کہتا ہوں اشعار گانے والا کوئی راہرو تھا جس نے مجھے جگا کر مصیبت میں ڈالا۔ اس سے خدا سمجھے! خادم نے کہا کہ اچھا اگر اب اسے دیکھو تو مجھے خبر کیجیو اور اسے پکڑ لیجیو۔ اس نے کہا کہ اچھا تو جا اور میں اسے پکڑ کر لے آؤں گا۔ یہ سن کر خادم وہاں سے چلا گیا اور اپنی مالک کے پاس جا کر ماجرا بیان کیا اور کہا اسے کوئی نہیں جانتا، وہ کوئی راہ گیر ہو گا۔ یہ سن کر وہ چپ ہو گئی۔

اب ضواء المکان کا حال سنئے۔ جب اس غش سے افاقہ ہوا تو اس نے دیکھا کہ چاند بچ

آسمان پر آ چکا ہے اور صبح کی بھینی بھینی ہوا چل رہی ہے۔ اس کے دل میں تمنائیں اور غم امنڈنے لگے اور اس نے اپنی آواز سدھاری اور چاہتا ہی تھا کہ گائے کہ بھٹی

URDU4U.COM

والے نے کہا کہ تو کیا کرتا ہے؟ جواب دیا کہ میں اشعار پڑھنا چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کی آگ بجھے۔ بھٹی والے نے کہا کہ تجھے معلوم نہیں کہ مجھ پر کیا گزری اور اگر میں خادم کی خوشامد نہ کرتا تو وہ مجھے مار ڈالتا۔ ضوء المکان نے کہا کہ تفصیل سے بیان کر۔ اس نے کہا جب تو بے ہوش تھا تو خادم میرے پاس آیا اور اس کے پاس بادام کی لکڑی کا ایک لمبا ڈانڈا تھا اور وہ ہر شخص کے چہرے کی طرف دیکھتا

جاتا اور پوچھتا جاتا کہ کس نے اشعار گائے ہیں۔ سوائے میرے کوئی بیدار نہ تھا اور اس نے مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے کہا کہ کوئی راہ گیر تھا۔ اس پر وہ چلا گیا اور خدا نے میری جان بچا لی ورنہ وہ مجھے مار ڈالتا۔ اب وہ مجھ سے کہہ گیا ہے کہ اگر دوبارہ سینو تو اسے میرے پاس لے آؤ۔ جب ضوء المکان نے یہ سنا تو وہ رونے لگا اور کہا کہ دیکھوں مجھے شعر پڑھنے سے کون روکتا ہے! میں تو پڑھوں گا خواہ میرے اوپر کچھ ہی گزرے! اب میں اپنے وطن کے قریب ہوں اور کسی کی پروا نہیں کرتا۔

بھٹی والے نے کہا کہ تو اپنی ہلاکت پر تلا بیٹھا ہے۔ ضوء المکان نے کہا کہ میں تو ضرور پڑھوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ اس وقت سے مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہوتی ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ جب تک تجھے تیرے وطن نہ پہنچا دوں اور تجھے تیرے باپ

ماں سے نہ ملا دوں تیرا ساتھ ہرگز نہ چھوڑوں۔ ڈیڑھ سال سے تو میرے پاس ہے اور میں نے تجھے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ آخر تو اشعار پڑھنے پر اصرار کیوں کرتا ہے؟ حالانکہ ہم چلنے اور بیداری کی وجہ سے تھکے ہوئے ہیں اور سب لوگ سو رہے ہیں

تاکہ ان کی تھکن اتر جائے اور سونا ان کے لیے ضروری ہے۔ ضوء المکان نے کہا کہ میں تو باز نہیں آنے کا اور اس کے درد و غم نے اسے پردہ دری پر مجبور کر دیا اور وہ اشعار پڑھنے لگا۔ جب وہ پڑھ چکا تو اس نے تین بار چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ بھٹی والا اٹھا اور اس نے اسے چادر اڑھا دی۔

جب نہت الزماں نے پہلی بار اشعار سنے تھے تو اسے اپنے باپ اور ماں اور بھائی کی یاد آئی تھی۔ اب جب دوبارہ اس نے اشعار سنے تو وہ رونے لگی اور خادم پر ناراض ہو کر کہنے لگی کہ حیف ہو تجھ پر، جس نے پہلے اشعار پڑھے تھے اس نے پھر پڑھے ہیں اور وہ شخص یہاں سے قریب ہے۔ خدا کی قسم، اگر تو اسے میرے پاس نہ لایا تو حاجب سے کہہ کر تجھے خوب پٹا کر نکلا دوں گی۔ لیکن یہ سو دینار لیتا جا اور اسے دے اور اسے نرمی کے ساتھ بلا لا اور اسے تکلیف مت پہنچا۔ اگر وہ لینے سے انکار کرے تو اسے یہ تھیلی دیجیو جس میں ایک ہزار دینار ہیں۔ اگر وہ اسے بھی نہ لے تو اسے مجبور مت کیجیو۔ بلکہ اس کا گھر اور پیشہ پوچھ لیجیو اور یہ کہ وہ کس ملک کا ہے اور جلد میرے پاس لوٹ کر آجائیو دیر مت کیجیو۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• تہترویں رات

جب تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- نہت الزماں نے خادم کو بھیجا کہ اس کی تلاش کرے اور کہا کہ خبردار اگر تو نے پھر میرے پاس آکر کہا کہ وہ نہیں ملا! خادم گیا اور لوگوں میں ادھر ادھر گھومنے لگا اور ان کے خیموں کے اندر بھی گیا کسی کو جاگتا نہ پایا کیونکہ سب لوگ تکان کی وجہ سے سو رہے تھے۔

اب وہ بھٹی والے کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ سر کھولے بیٹھا ہوا ہے۔ خادم نے قریب آکر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ تو نے ہی اشعار گائے ہیں۔ اسے اپنی جان کا ڈر لگا اور وہ کہنے لگا کہ اے قوم کے سردار! میں نے نہیں گائے ہیں۔ خادم نے کہا کہ جب تک تو مجھے اس شخص کے پاس نہ لے چلے گا جس نے گائے ہیں میں تجھے ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ اگر میں بغیر اس شخص کے اپنی مالکہ کے پاس جاؤں گا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے سزا دے گی۔ جب بھٹی والے نے خادم کی باتیں سنی تو اسے ضوع المکان کی طرف سے بہت ڈر لگا اور وہ زار زار رونے لگا اور اس نے خادم سے کہا کہ واللہ نہ میں نے اشعار گائے اور نہ میں یہ جانتا ہوں کہ کس نے گائے مگر میں نے ایک راہ گیر کو گاتے سنا ہے۔ میری وجہ سے گنگار مت بن! میں پردیسی ہوں اور قدس اور خلیل سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ خادم نے کہا کہ میرے ساتھ چل اور اپنی زبان سے میری مالکہ سے بیان کر کیونکہ اس وقت تیرے سوا اور کوئی جاگتا ہوا نہیں ہے۔ بھٹی والے نے کہا کہ پہلی بار بھی تو نے مجھے اس جگہ بیٹھے دیکھا تھا۔ کوئی شخص اپنی جگہ سے یہاں ہل نہیں سکتا ورنہ اسے چوکیدار پکڑ لیں گے۔ تو واپس جا اور اگر اس کے بعد تو کسی کو شعر پڑھتے سنے، خواہ وہ دور ہو یا نزدیک، تو وہ میں ہوں گا یا میں اس کو جانتا ہوں گا اور مجھ ہی سے تجھے اس کا پتہ چلے گا۔ یہ کہہ کر اس نے خادم کے سر کو بوسہ دیا اور اس کی خوشامد کرنے لگا۔ خادم اس کو چھوڑ

کر چلا گیا اور ایک چکر لگا کر بھٹی والے کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا کیونکہ بغیر نتیجے کے اپنی مالکہ کے پاس جانے سے وہ ڈرتا تھا۔

اب بھٹی والا اٹھا اور اس نے ضوء المکان کو جگایا اور کہا کہ اٹھ کر بیٹھ جا، میں تجھ سے ماجرا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اٹھ بیٹھا اور بھٹی والے نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ ضوء المکان نے کہا کہ ارے جانے بھی دے، میں کسی کی پروا نہیں کرتا اور نہ کسی سے ڈرتا ہوں کیونکہ میرا ملک قریب ہے۔ بھٹی والے نے کہا کہ آخر تو کیوں اپنے نفس اور شیطان کی پیروی کرتا ہے؟ تو کسی سے نہیں ڈرتا مگر میں اپنی اور تیری بابت ڈرتا ہوں۔ تجھے خدا کی قسم، جب تک اپنے شہر نہ پہنچ جائیو، ہرگز اشعار نہ گائیو۔ میں تجھے ایسا ہرگز نہ جانتا تھا۔ تجھے معلوم نہیں کہ یہ خانم جو حاجب کی بیوی ہے تجھے سزا دینا چاہتی ہے کیونکہ تو اسے دق کر رہا ہے۔ غالباً وہ بیمار ہے یا سفر کی تکان سے اسے نیند نہیں آتی۔ یہ دوسری مرتبہ ہے کہ اس نے خادم کو تیری تلاش میں بھیجا ہے۔ ضوء المکان اس کی باتوں کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوا بلکہ تیسری بار اس نے آہ کھینچی اور اشعار پڑھنے لگا۔ خادم چھپا ہوا کھڑا تھا اور اس کے اشعار سن رہا تھا۔ جب وہ پڑھ چکا تو خادم اس کے سر پر آ پہنچا۔ بھٹی جھونکنے والا یہ دیکھ کر بھاگا اور دور کھڑا ہو کر دیکھنے لگا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ خادم نے کہا کہ السلام علیکم، اے میرے آقا، ضوء المکان نے جواب دیا کہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خادم نے کہا کہ اے میرے آقا.....

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چوتھریں رات

جب چوتھریں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- خادم نے ضوء المکان سے کہا کہ اے میرے آقا! میں آج رات تیرے پاس تین بار آچکا ہوں کیونکہ میری مالکہ نے تجھے یاد کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ کون کتیا ہے جو مجھے یاد کرتی ہے؟ خدا اس پر اور اس کے ساتھ اس کے شوہر پر لعنت بھیجے! یہ کہہ کر اس نے خادم کو برا بھلا کہنا شروع کیا، لیکن خادم کو یہ مجال نہ ہوئی کہ اسے جواب دے کیونکہ اس کی مالکہ نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اسے تکلیف نہ پہنچائو اور اسے زبردستی نہ لائیو اور اگر وہ تیرے ساتھ نہ آئے تو اسے سو دینار دیجیو۔ اس لیے خادم اس سے ملنمت سے باتیں کرنے لگا اور اس سے کہا کہ اے میرے آقا! یہ لے اور میرے ساتھ چل۔ ہم نے نہ تو تیرا کچھ بگاڑا ہے اور نہ کوئی جرم کیا ہے۔ میرا مطلب محض اتنا ہے کہ تو ہماری مالکہ کے یہاں قدم رنجہ فرمائے تاکہ وہ تجھ سے کچھ پوچھے اور پھر تو بخیر و خوبی واپس آجائے۔ ہم تجھے ایک بڑی خوش خبری سنانا چاہتے ہیں۔ جب اس نے خادم سے یہ سنا تو اٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں پر کودتا پھاندتا چل دیا۔ بھٹی والا اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اس کو برابر دیکھا جاتا اور اپنے دل میں کہتا جاتا تھا کہ ہائے اس کی جوانی! کل وہ اسے پھانسی پر چڑھا دیں گے۔ بھٹی والا ان کے پیچھے پیچھے تھا مگر انہوں نے اس کو نہ دیکھا اور جب وہ اپنی جگہ پہنچ گئے تو وہ بھی ٹھہر گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر وہ کہے کہ میں نے اس سے اشعار پڑھنے کو کہا تھا تو اس کی یہ بڑی رذالت ہو گی۔

یہ تو بھٹی والے کا قصہ ہوا۔ اب ضوء المکان کا حال سنئے۔ وہ خادم کے ساتھ چلتے چلتے محل تک پہنچا اور خادم نے نہت الزماں کے پاس جا کر خبر کی اور کہا کہ اے میرے آقا! جس کو تو چاہتی تھی اسے میں لے آیا ہوں اور وہ بڑا حسین جوان ہے اور ناز پروردگی کے آثار اس سے نمودار ہیں۔ جب نہت الزماں نے یہ سنا تو اس کا دل دھڑکنے

لگا اور اس نے کہا کہ اس سے کہہ کہ اشعار پڑھے تاکہ میں قریب سے بھی سنوں۔ اس کے بعد اس کا نام اور وطن پوچھیو۔ یہ سن کر خادم آیا اور کہنے لگا کہ اگر اور شعر یاد ہوں تو پڑھ، میری مالکہ تیرے قریب گھڑی سن رہی ہے۔ اس کے بعد میں تیرا نام اور وطن اور حال دریافت کروں گا۔ ضوء المکان نے کہا بسر و چشم لیکن اگر تو میرا نام جاننا چاہتا ہے تو وہ مٹ چکا ہے اور میرا پتہ فنا ہو چکا ہے اور میرا جسم گھل چکا ہے۔ اور میری سرگزشت ایسی ہے جس کی ابتدا نامعلوم ہے اور انتہا نامفہوم اور میری حالت اس متوالے کی سی ہے جس نے بہت شراب پی لی ہو اور اپنے اوپر ظلم کیا ہو اور حوادث کا شکار بنا ہو اور جس کا سر پھر گیا ہو اور جو اپنے معاملے میں حیران و پریشان اور فکر کے سمندر میں غرق ہو۔ جب نزہت الزماں نے یہ باتیں سنیں تو وہ رو پڑی اور خوب روئی اور آہیں بھرنے لگی اور خادم سے کہا کہ اس سے پوچھ کہ کیا تو کسی عزیز دوست سے جدا ہو گیا ہے مثلاً باپ یا ماں سے۔ خادم نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور ضوء المکان نے جواب دیا کہ ہاں، میں سب سے جدا ہو گیا ہوں اور ان میں سے سب سے زیادہ عزیز میری بہن ہے جسے زمانے نے مجھ سے جدا کر دیا ہے۔ نزہت الزماں یہ سن کر چپ ہو گئی اور کہنے لگی کہ خداوند اس کو اپنے عزیزوں سے ملا دے!

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پچھترویں رات

جب پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب نہت الزماں نے اس کی باتیں سنیں تو کہنے لگی کہ خدا اسے اس کے عزیزوں سے پھر ملائے! اس کے بعد وہ خادم سے کہنے لگی کہ اس سے کہہ کہ وہ اپنے خاندان اور وطن کی مفارقت میں مجھے کچھ سنائے۔ خادم نے اپنی مالکہ کے حکم کی تعمیل کی اور ضوء المکان سرد آہ بھر کر اسے اشعار سنانے لگا۔ جب وہ اشعار پڑھ چکا اور نہت الزماں انہیں سن چکی تو اس نے محمل کا پردہ اٹھا دیا اور اسے دیکھنے لگی۔ جب اس کی نظر ضوء المکان کے چہرے پر پڑی تو اس نے اسے پہچان لیا اور اسے یقین آ گیا کہ وہ ضوء المکان ہے اور وہ چلا اٹھی کہ بھائی ضوء المکان! وہ بھی اس کی طرف دیکھنے لگا اور اسے پہچان لیا اور چلا اٹھا کہ بہن نہت الزماں! وہ بھائی سے لپٹ گئی اور بھائی نے اسے گود میں لے لیا اور دونوں بے ہوش ہو گئے۔ جب خادم نے ان کی یہ حالت دیکھی تو اسے ان پر بڑا تعجب ہوا اور اس نے دونوں پر چادر ڈال دی اور ان کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتا رہا۔ جب انہیں ہوش آیا تو نہت الزماں مارے خوشی کے پھولے نہ ساتی تھی اور اس کا رنج و الم سب دور ہو گیا اور خوشی نے ان کی جگہ لے لی۔ اب ضوء المکان نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور مارے خوشی کے اس کی آنکھوں سے آنسو بننے لگے اور تھوڑی دیر تک وہ دونوں محمل کے دروازے پر بیٹھے رہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ محمل کے اندر چل اور تو اپنی سرگزشت مجھ سے بیان کر اور میں تجھ سے اپنی سرگزشت بیان کروں۔ جب وہ اندر آئے تو ضوء المکان نے کہا کہ پہلے تو کہہ۔ اس نے اپنا قصہ شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ اس وقت سے لے کر جب وہ اس سے سرائے میں رخصت ہوئی تھی اور یہ کہ بدو اور تاجر کے ساتھ کیا واقعہ

پیش آیا اور تاجر اسے کس طرح بدو سے خرید کر اس کے بھائی شرکان کے پاس لے گیا اور اس کے ہاتھ بیچا اور اس نے خرید کر اسے آزاد کیا اور اس کے ساتھ نکاح نامہ لکھوایا اور اس کے ساتھ ہم بستر ہوا اور جب اس کے باپ نے اس کی خبر سنی تو اس نے خط لکھ کر اسے بلوایا۔

اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ شکر ہے خدایا جس نے میرے اوپر احسان کیا اور تجھ سے ملایا اور جس طرح ہم باپ کے یہاں سے ساتھ ساتھ نکلے تھے اسی طرح ساتھ ساتھ واپس جا رہے ہیں۔ پھر اس نے یہ بیان کیا کہ میرے بھائی شرکان نے میری شادی اس حاجب سے کر دی ہے تاکہ وہ مجھے میرے باپ تک پہنچا دے۔ بس یہ میری سرگزشت اول سے لے کر آخر تک۔ اب تو کہہ کہ میرے جانے کے بعد تجھ پر کیا گزری۔ اس نے بھی شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا اور یہ کہ خدا نے اس پر احسان کیا اور اس بھٹی والے سے ملا دیا اور وہ اس کے ساتھ سفر میں ہے اور اپنا مال اس پر خرچ کر رہا ہے اور دن رات اس کی خدمت کرتا ہے۔ بہن نے کہا کہ میں اس پر اس کی بہت شکر گزار ہوں۔ ضوء المکان نے کہا کہ بہن، اس بھٹی والے نے میرے ساتھ وہ احسان کیا ہے جو نہ دوست دوست کے ساتھ کرتا ہے اور نہ باپ بیٹے کے ساتھ۔ حتیٰ کہ وہ مجھے کھانا کھلاتا اور خود بھوکا رہتا ہے اور مجھے سوار کرتا اور خود پیادہ چلتا اور میرے زندہ رہنے کا سبب وہی ہے۔ نہت الزماں نے کہا کہ اگر خدا نے چاہا تو ہم حتی المقدور اس کا بدلہ دیں گے۔ اب نہت الزماں نے خادم کو آواز دی اور اس نے آکر ضوء المکان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ نہت الزماں نے اس سے کہا کہ اے نیک مرد، میں تجھے بھی خوشخبری دیتی ہوں کیونکہ تیرے ذریعے سے میں اپنے بھائی سے ملی ہوں۔ تھیلی اور جو کچھ اس میں ہے، تیرا ہے۔ اب فوراً جا کر اپنے مالک کو بلا لا۔ خادم خوش ہو گیا اور حاجب کے پاس جا کر کہا کہ میری مالکہ تجھے بلاتی ہے۔ حاجب اس کے ساتھ آیا اور اپنی بیوی نہت الزماں کے پاس گیا اور دیکھا کہ اس کا بھائی اس کے پاس ہے اور اس نے قصہ دریافت کیا۔ بیوی نے ساری سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دی اور اس کے بعد کہنے

لگی کہ اے حاجب، تو نے کسی کنیز کے ساتھ شادی نہیں کی بلکہ بادشاہ عمر بن النعمان کی بیٹی کے ساتھ کی ہے۔ کیونکہ میں نہت الزماں ہوں اور یہ میرا بھائی ضوء المکان۔

URDU4U.COM

جب حاجب نے یہ سارا قصہ سنا اور اسے اس کا یقین آ گیا اور اسے سارا واقعہ معلوم ہو گیا اور وہ یہ جان گیا کہ وہ بادشاہ عمر بن النعمان کا داماد ہے تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب تو کسی نہ کسی صوبے کا میں والی بنایا جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ ضوء المکان کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی سلامتی اور بہن سے ملنے پر مبارک باد دی اور فوراً نوکروں چاکروں کو حکم دیا کہ ضوء المکان کے لیے ایک خیمہ اور بہترین گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا تیار کریں۔ نہت الزماں نے کہا کہ اب ہم وطن کے قریب پہنچ گئے ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ وطن پہنچنے تک میں اپنے بھائی کے ساتھ تنہا رہوں اور ہم مل کر لطف اٹھائیں۔ یہاں تک کہ سیر ہو جائیں کیونکہ ہم بہت دنوں تک جدا رہے ہیں۔ حاجب نے کہا کہ تیرا حکم سر آنکھوں پر! یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور ان کے لیے شمعیں اور طرح طرح کی مٹھائیاں اور ضوء المکان کے لیے تین جوڑے بہترین لباس کے بھیجے۔ اس کے بعد وہ پھر محمل میں آیا اور اپنی دیا دلی بیان کی۔ نہت الزماں نے اس سے کہا کہ خادم کو بھیج کر بھٹی والے کو بلوا اور اس کی سواری کے لیے ایک گھوڑا دے تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر چلے اور صبح شام اس کے لیے دسترخوان تیار کر اور اس سے کہہ کہ وہ ہمارا ساتھ نہ چھوڑے۔ یہ سن کا حاجب نے خادم کو بلوایا اور اسے سارے احکامات دے دیے۔ خادم نے کہا کہ بسر و چشم اور اپنے ساتھ نوکروں کو لے کر بھٹی والے کی تلاش میں گیا اور دیکھا کہ وہ قافلے کے پیچھے اپنا گدھا کس رہا ہے اور بھاگنا چاہتا ہے اور اپنی جان کے خوف اور ضوء المکان کی جدائی کے رنج سے اس کے چہرے پر آنسو بہہ رہے ہیں اور کہہ رہا ہے کہ میں نے فی سبیل اللہ اسے نصیحت کی تھی لیکن اس نے میری نہ سنی۔ معلوم نہیں کہ اب وہ کس حال میں ہے۔ ابھی وہ یہ باتیں ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ خادم اس کے سر پر آ پہنچا

اور نوکر چاکر اس کے آس پاس گھومنے لگے۔ بھٹی والے نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ خادم اس کے سر پر کھڑا ہے اور اس کے ارد گرد بہت سے نوکر چاکر ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ سہم گیا اور اس کا رنگ فق ہو گیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چھترویں رات

جب چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب بھٹی والے نے ارادہ کیا کہ اپنے گدھے پر کاٹھی رکھ کر بھاگ جائے اور جب وہ اپنے دل میں یہ باتیں کر رہا تھا کہ دیکھنا چاہیے کہ اس کا کیا حال ہو تو ابھی یہ باتیں ختم نہ کرنے پایا تھا کہ خادم اس کے سر پر آکھڑا ہوا اور دوسرے نوکر چاکر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ جب بھٹی والے نے دیکھا کہ خادم اس کے سر پر کھڑا ہے تو اس کے پٹھے کانپنے لگے اور وہ سہم گیا اور بلند آواز سے کہنے لگا کہ اس نے میری ساری بھلائوں پر پانی پھیر دیا اور وہ اس خادم اور دوسرے نوکر چاکروں کو میرے پیچھے لگایا گویا میں بھی اس کے گناہ میں شامل ہوں۔ اتنے میں خادم نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ اے جھوٹے اشعار کون پڑھتا تھا! تو نے مجھ سے یہ کیوں کہا کہ نہ تو تو نے اشعار پڑھے اور نہ تجھے معلوم کہ کس نے پڑھے؟ حالانکہ وہ تیرا رفیق ہے۔ اس لیے میں یہاں سے لے کر بغداد تک تیرا پیچھا نہ چھوڑوں گا اور جو تیرے رفیق کا حال ہو گا وہی تیرا بھی ہو گا۔ جب اس نے خادم کو یہ کہتے سنا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ جس سے میں ڈرتا تھا وہی پیش آیا۔

اب خادم نے دوسرے نوکروں سے ڈانٹ کر کہا کہ اسے گدھے سے اتار لو اور انہوں نے اسے اتار لیا اور اسے گھوڑے پر سوار کیا اور قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا اور نوکر چاکر اس کے ارد گرد تھے اور آنکھ مارتے جاتے تھے۔ خادم نے ان سے چپکے سے کہا اسے عزت سے رکھنا ذلیل نہ کرنا۔ اگر اس کا ذرا بھی بال بیکا ہوا تو تمہاری خیر نہیں۔ بھٹی والے نے جب نوکروں کو اپنے ارد گرد دیکھا تو وہ زندگی سے ناامید ہو گیا اور خادم کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے سردار! میں نہ اس شخص کا بھائی ہوں اور نہ عزیز! نہ میرا اس سے کوئی رشتہ ناٹھ ہے! نہ ہی اس کا مجھ سے۔ میں

ایک بھٹی جھونکنے پر مامور ہوں اور میں نے ایک دن اسے کوڑے کے ڈھیر پر بیمار پایا تھا۔ قافلہ چلا جا رہا تھا اور وہ رو رہا تھا اور اس کے دل میں ہزاروں دوسے آ جا رہے تھے اور خادم اس کے ساتھ ساتھ تھا اور اسے واقعات سے مطلع نہ کرتا بلکہ یہ کہتا کہ تو نے اور اس لڑکے نے شعر پڑھ کر میری مالکہ کو دق کیا ہے اور تجھے اپنی جان کا خوف نہیں۔ خادم دل ہی دل میں اس پر ہنستا اور جب وہ ٹھہرتے تو وہ کھانا لاتا اور دونوں ایک ہی برتن میں کھاتے اور وہ کھانا کھا چکے تو شراب کی صراحی منگواتا اور خود پیتا اور بھٹی والے کو پلاتا لیکن اپنی جان کے خوف اور ضوع المکان کے فراق کی وجہ سے اس کے آنسو بند نہ ہوتے اور وہ یہ سوچتا کہ پردیس میں آکر وہ کس مصیبت میں پھنس گیا! وہ یہی سوچتا جاتا اور خادم اس کے ہمراہ چلتا جاتا تھا۔ حاجب کبھی تو بادشاہ عمر بن النعمان کے بیٹے ضوع المکان اور اس کی بہن کی خدمت میں محل کے دروازے پر حاضر ہوتا اور کبھی بھٹی والے کا تماشہ دیکھتا اور نہت الزماں اور اس کا بھائی ضوع المکان بات چیت اور شکوے شکایت میں مصروف تھے۔

وہ اسی حالت میں چلتے چلتے ملک کے قریب پہنچے اور ان کے درمیان محض تین روز کا فاصلہ رہ گیا۔ اب شام ہوتے ہی وہ اتر پڑے اور آرام کرنے لگے اور صبح تک آرام کرتے رہے۔ جب صبح نمودار ہوئی تو وہ اٹھے تو سامان لادنے ہی والے تھے کہ ان کو ایک گرد اٹھتی دکھائی دی اور ہوا تاریک ہو کر اندھیری رات کی طرف ہو گئی۔ حاجب نے آواز دی کہ ٹھہرو! ابھی مت لادو اور وہ اس کے غلام سوار ہو کر گرد کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو انہیں گرد کے نیچے ایک بڑا لشکر نظر آیا جو متلاطم سمندر کی طرح تھا اور جس کے ساتھ جھنڈے اور علم اور ڈھول اور سوار اور سورا تھے۔ حاجب کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ جب لشکر والوں نے اس کو دیکھا تو تقریباً پانچ سوار آگے بڑھ کر حاجب اور اس کے ساتھیوں کے پاس آئے اور ان کو گھیر لیا اور ایک ایک غلام کے گرد پانچ پانچ سوار جمع ہو گئے۔ حاجب نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے اور یہ لشکر کہاں سے آیا ہے کہ ہمارے ساتھ یہ حرکت کر رہا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تو کون

ہے اور کہاں سے آ رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں بغداد اور خراسان کے بادشاہ عمر بن النعمان کے بیٹے شرکان کا، جو دمشق کا والی ہے حاجب ہوں اور اس نے مجھے خراج اور ہدیے لے کر اپنے باپ کے پاس بغداد بھیجا ہے۔ جب انہوں نے اس سے یہ سنا تو منہ پر رومال ڈال کر رونے لگے اور کہا کہ عمر بن النعمان فوت ہو چکا ہے اور وہ بھی زہر سے۔ تیرے لیے کوئی ہرج نہیں، تو جا کر بڑے وزیر دندان سے ملاقات کر۔

جب حاجب نے یہ سنا تو رونے پینے لگا اور کہنے لگا کہ ہائے، اس سفر میں ہماری ناکامی! یہ کہہ کر وہ اس کے سب ہمراہی رونے لگے اور دوسرے لشکر میں جا کر وزیر دندان سے ملنے کی اجازت مانگی۔ وزیر نے اجازت دے دی اور اپنے خیمے لگوا کر خود ایک خیمے کے بیچ تخت پر بیٹھ گیا اور حاجب نے کہا کہ بیٹھ۔ جب وہ بیٹھ گیا تو وزیر نے اس سے حال دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں دمشق کا امیر حاجب ہوں اور ہدیے اور دمشق کا خراج لے کر آیا ہوں۔ جب وزیر نے سنا تو بادشاہ عمر بن النعمان کو یاد کر کے رونے لگا اور اس سے کہا بادشاہ عمر بن النعمان کو زہر دے دیا گیا ہے اور اس کی موت کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا ہے کہ کس کو بادشاہ بنائیں یہاں تک کہ ان میں کشت و خون ہو گیا تھا مگر اراکین اور امراء اور چاروں قاضیوں نے ان کو روکا اور لوگوں کو اس بات پر اتفاق ہوا کہ جو کچھ چاروں قاضی کہیں، اسے سب لوگ مان لیں اور چاروں اس بات پر متفق ہیں کہ ہم دمشق جا کر شہزادہ شرکان کو لائیں اور اسے باپ کے تخت پر بٹھائیں مگر لوگوں میں ایک جماعت ہے جو اس کے دوسرے بیٹے کو تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں جس کا نام ضوء المکان اور جس کی بہن زہرت الزماں ہے پانچ سال ہوئے کہ وہ حجاز گئے تھے اور آج تک ان کا پتہ نہیں۔ جب حاجب نے یہ سنا تو اس کو یقین آ گیا کہ جو قصہ اس کی بیوی نے بیان کیا تھا، صحیح ہے۔ بادشاہ کی موت پر اسے بہت غم ہوا لیکن ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی بالخصوص ضوء المکان کے آنے کی وجہ سے کیونکہ اس کا گمان تھا کہ وہ اپنے باپ کی جگہ بغداد کے تخت

پر بیٹھے گا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• سترویں رات

جب سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بادشاہ، جب شرکان کے حاجب نے وزیر دندان کی باتیں سنیں کہ بادشاہ عمر بن النعمان فوت ہو چکا ہے تو اسے افسوس ہوا لیکن اپنی بیوی اور اس کے بھائی ضوء المکان کی خاطر وہ بہت خوش تھا کہ وہ اپنے باپ کی جگہ بغداد میں بادشاہ بنے گا۔ اب اس نے وزیر دندان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا قصہ عجیب و غریب ہے۔ اے بڑے وزیر، اب جب کہ تم ہم سے ملے ہو تو خدا نے تمہاری پریشانی دور کر دی ہے اور نہایت آسانی کے ساتھ تمہاری مطلب برآری ہو گئی ہے کیونکہ خدا ضوء المکان اور اس کی بہن کو یہاں لے آیا ہے اور سارا معاملہ صاف اور آسان ہو گیا ہے۔

جب وزیر نے یہ سنا تو مارے خوشی کے پھول گیا اور حاجب سے کہنے لگا کہ بیان کر، ان کا کیا قصہ ہے اور ان پر کیا گزری اور وہ اب تک کیوں ناپید رہے؟ حاجب نے اس سے سارا قصہ کہہ سنایا جو نہت الزماں نے اس سے بیان کیا تھا اور کہا کہ اب وہ میری بیوی ہے اور ضوء المکان کی سرگزشت بھی شروع سے آخر تک کہہ سنائی۔ جب حاجب اپنی باتیں ختم کر چکا تو وزیر دندان نے امراء اور وزراء اور ملک کے بڑے لوگوں کو بلوایا اور انہیں ساری باتوں سے مطلع کیا۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور ان واقعات سے انہیں سخت تعجب ہوا۔ اب وہ سب کے سب حاجب کے پاس آئے اور اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوئے اور زمین کو بوسہ دیا اور وزیر بھی فوراً حاجب کے پاس آیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس روز حاجب نے ایک بڑا دبار کیا، وہ اور وزیر تخت پر بیٹھے اور ان کے سامنے سارے امراء و اراکین اپنے اپنے درجوں کے مطابق کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے گلاب کے پانی میں شکر گھولی اور اسے پیا۔ اب امراء سے مشورہ کرنے بیٹھ گئے اور باقی لشکر کو حکم دیا کہ آہستہ آہستہ آگے

بڑھیں اور مشورہ ختم کرنے کے بعد وہ ان سے آلیں گے۔ انہوں نے حاجب کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور سوار ہو گئے اور جھنڈے ان کے آگے آگے روانہ ہوئے۔ جب امراء مشورے سے فارغ ہو چکے تو سوار ہو کر ان سے جا ملے۔ اب حاجب وزیر دندان کے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم سے آگے چل دوں تاکہ میں نئے بادشاہ کی خاطر خواہ جگہ تیار کروں اور اسے تم لوگوں کے آنے کی خبر پہنچاؤں اور یہ کہ تم نے اس کے بھائی شرکان کو چھوڑ کر اسے اپنے اوپر بادشاہ بنایا ہے۔ وزیر نے کہا کہ تیری رائے مناسب ہے۔

یہ کہہ کر حاجب اٹھا اور وزیر دندان بھی تعظیماً اٹھ کھڑا ہوا اور حاجب کے سامنے تحفے پیش کئے اور اس کو قسم دی کہ انہیں قبول کرے۔ اسی طرح بڑے بڑے امراء اور منصب داروں نے تحفے تحائف پیش کئے اور اسے دعا دی اور اس سے کہا کہ سلطان ضوء المکان سے ہماری سفارش کیجیو تاکہ وہ ہمیں ہمارے عہدوں پر بحال رکھے۔ حاجب نے ان کی درخواست منظور کر لی اور اپنے غلاموں کو کوچ کا حکم دے دیا۔ وزیر دندان نے حاجب کے ہمراہ خیمے بھیجے اور فراشوں کو حکم دیا کہ انہیں شہر سے ایک دن کی راہ پر نصب کریں اور انہوں نے جواب دیا کہ بہت خوب۔ حاجب سوار ہو کر خوش خوش چل دیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ سفر کیسا مبارک ہے! اور اس کے دل میں اپنی بیوی اور ضوء المکان کی قدر بڑھ گئی۔ اب وہ تیز تیز چلتے ایک جگہ پہنچا جہاں سے شہر ایک دن کے فاصلے پر تھا اور فوج کو ٹھہرنے کا حکم دیا تاکہ آرام کریں اور سلطان ضوء المکان کے لیے جگہ تیار کریں۔ اس کے بعد وہ ابھی نہت الزماں کے بالکل قریب نہ پہنچا تھا کہ گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کے ساتھ اس کے سفید اور کالے غلام بھی پیادہ ہو گئے اور اس نے ان سے کہا کہ مالکہ سے اجازت مانگیں کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے اجازت مانگی اور مالکہ نے اجازت دی اور وہ اندر جا کر اس سے اور اس کے بھائی سے ملا اور انہیں ان کے باپ کے مرنے کی خبر پہنچائی

اور یہ کہ امراء نے باپ کی جگہ اس کو بادشاہ منتخب کیا ہے اور ان کو حکومت ملنے پر مبارک باد دی۔ دونوں اپنے باپ کے مرنے کی خبر سن کر رونے لگے اور اس کے قتل کا سبب دریافت کیا۔ حاجب نے کہا کہ اس کی خبر وزیر دندان کو ہے اور وہ مع اپنے لاؤ لشکر کے عنقریب یہاں پہنچ جائے گا۔ اب اے بادشاہ سوائے اس کے اور چاہ نہیں کہ تو ان کے انتخاب کو منظور کرے کیونکہ انہوں نے کیرائے ہو کر تجھے منتخب کیا ہے اور اگر تو منظور نہیں کرے گا تو وہ کسی دوسرے کو سلطان بنا دیں گے اور اس کے ہاتھ سے تو امن و امان میں نہ رہ سکے گا، ممکن ہے کہ وہ تجھے قتل کر دے یا تم دونوں میں جھگڑا ہو اور سلطنت دونوں کے ہاتھ سے نکل جائے۔

اس پر ضوء المکان تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہا اور پھر کہنے لگا کہ میں نے منظور کیا کیونکہ اس سے مفر نہیں۔ اسے یقین آ گیا کہ حاجب کا مشورہ درست ہے اور وہ اس سے کہنے لگا کہ چچا، تو پھر میرے بھائی شرکان کا کیا حشر ہو گا؟ اس نے کہا کہ بیٹا، وہ دمشق کا سلطان ہے اور تو بغداد کا ہو گا۔ تو اپنا ارادہ مضبوط رکھ اور اپنے کام میں مشغول ہو جا۔ ضوء المکان نے اسے منظور کر لیا۔ اس کے بعد حاجب نے اسے شاہی لباس پیش کیا جو وزیر دندان اپنے ساتھ لایا تھا اور خنجر دیا اور باہر جا کر فراشوں کو حکم دیا کہ ایک بلند مقام چن کر اس میں بڑے بڑے خیمے لگائیں تاکہ جب امراء بادشاہ سے ملنے آئیں تو وہاں بیٹھ کر ان سے ملے۔ اس کے بعد اس نے باورچیوں کو حکم دیا کہ عمدہ عمدہ کھانے پکا کر حاضر کریں اور سقوں کو حکم دیا کہ پانی کی ٹانڈیں لگائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انہیں غبار اڑتا دکھائی دیا یہاں تک کہ وہ چاروں طرف پھیل گیا۔ جب غبار پھٹا تو اس کے نیچے متلاطم سمندر کی طرح ایک جرار لشکر دکھائی دیا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی۔ اب اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• اٹھترویں رات

جب اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- جب حاجب نے فراشوں کو حکم دیا کہ بڑا خیمہ لگائیں، جس میں بادشاہ دربار کر سکے تو انہوں نے شاہی قاعدے کے موافق ایک بڑا خیمہ لگا دیا۔ جب وہ یہ کام کر چکے تو انہیں ایک غبار اٹھتا ہوا دکھائی دیا اور جب ہوا نے غبار کو دور کر دیا تو اس کے نیچے سے ایک جرار لشکر نکلا اور انہوں نے معلوم کیا کہ یہ بغداد و خراسان کا لشکر ہے اور اس کا سردار وزیر دندان ہے اور سب ضواء المکان کے بادشاہ ہونے پر خوش و خرم ہیں۔

ضواء المکان شاہی پوشاک پہنے ہوئے اور شاہی تلوار لگائے ہوئے تھا۔ حاجب نے اس کے سامنے گھوڑا پیش کیا اور وہ سوار ہوا اور اس کے غلام اور دوسرے لوگ جو خیمے میں اس کی خدمت میں تھے پیادہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ بڑے گنبد نما خیمے میں داخل ہوا اور بیٹھ گیا اور خنجر کو اپنے زانو پر رکھ لیا اور حاجب اس کی خدمت کے لیے اس کے آگے کھڑا ہو گیا اور غلام ہاتھوں میں برہنہ شمشیر لے کر خیمے کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں فوجیں اور لشکر آ پہنچا اور اجازت طلب کی۔ حاجب نے اندر آکر ان کے لیے اجازت چاہی اور ضواء المکان نے حکم دیا کہ دس دس کر کے اندر آ جائیں۔ حاجب نے یہ حکم ان کو پہنچا دیا اور انہوں نے اسے بسر و چشم تسلیم کر لیا اور سب کے سب آکر دروازے پر ٹھہر گئے اور ان میں سے دس دس اندر داخل ہوئے اور دروازے پر حاجب ان کے بیچ میں شامل ہو گیا اور ان کو سلطان ضواء المکان کے پاس لے گیا۔ جب انہوں نے اسے دیکھا تو وہ اس کی ہیبت سے مرعوب ہو گئے لیکن وہ ان سے بڑی اچھی طرح ملا اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا وعدہ کیا۔ انہوں نے اس کی سلامتی پر مبارک باد دی اور اس کے لیے دعا کی اور سچی قسمیں کھائیں کہ وہ اس کی کسی امر میں نافرمانی نہ کریں گے۔ اس کے بعد انہوں نے اس کے

آگے نہیں کو بوسہ دیا اور چلے گئے اور دوسرے دس اندر آئے اور بادشاہ نے ان کے ساتھ وہی کیا جو ان سے پہلے والوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس کے بعد دس دس آتے رہے، یہاں تک کہ سوائے وزیر دندان کے اور کوئی باقی نہ رہا۔

اب وزیر دندان بھی اندر آیا اور بادشاہ کے آگے نہیں بوسہ ہوا۔ صوم المکان اٹھ کر آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ مرحبا، اے وزیر اور بڑے باپ، تو نے ہمیشہ عزیز مشیر کا کام دیا ہے اور تیری تدبیریں ہمیشہ دانشمندی کے ساتھ ہوئی ہیں۔ اس کے بعد اس نے حاجب کو حکم دیا کہ فوراً دسترخوان بچھایا جائے اور سب لشکریوں کو کھانا کھلایا جائے۔ وہ سب آئے اور انہوں نے کھایا پیا۔ اس کے بعد بادشاہ صوم المکان نے وزیر دندان سے کہا کہ لشکر کو حکم دے کہ دس دن یہاں ٹھہریں تاکہ میں تجھ سے تھکنے میں باتیں کر لوں اور تو مجھے میرے باپ کے قتل کے سبب سے آگاہ کرے۔ وزیر نے سلطان کے حکم کی تعمیل کی اور کہا کہ یہ ضروری ہے۔ اس کے بعد وہ باہر گیا، جہاں آس پاس خیمے لگے ہوئے تھے اور فوج کو دس روز ٹھہرنے کا حکم دیا اور انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور وزیر نے ان کو اجازت دی کہ وہ سیرو تفریح کریں اور کوئی عمدہ دار اس کے پاس تین دن تک نہ آئے کیونکہ اس عرصے میں وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے گا۔ اس پر سب لوگ گڑگڑا کر صوم المکان کو دعا دینے لگے کہ وہ ہمیشہ باعزت رہے۔ اس کے بعد وزیر بادشاہ کے پاس گیا اور اس سے ساری سرگزشت بیان کی۔ بادشاہ نے رات تک انتظار کیا اور پھر اپنی بہن نہت الزماں کے پاس جا کر اس سے پوچھا تجھے باپ کے قتل ہونے کی وجہ معلوم ہے یا نہیں؟ اس نے جواب دیا، نہیں۔ اس پر صوم المکان نے ایک ریشمی پردہ ڈلوایا اور خود باہر کی طرف بیٹھا اور وزیر دندان کو بلوایا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس سے کہا کہ اب میرے بادشاہ عمر بن النعمان کے قتل کی وجہ بالتفصیل بیان کر۔

وزیر دندان نے کہا کہ اے بادشاہ، سن۔ جب بادشاہ عمر بن النعمان سیرو شکار سے واپس آیا اور شہر پہنچا تو اس نے تم دونوں کے متعلق دریافت کیا لیکن کوئی تمہارا پتہ معلوم

نہ ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ تم دنوں حج کرنے چلے گئے ہو۔ اس پر وہ بہت غمگین ہوا اور اسے بہت غصہ آیا اور اس کو دلی صدمہ پہنچا۔ چھ مہینے تک وہ برابر ہر آنے جانے والے سے تمہارے متعلق پوچھتا رہا لیکن کسی کو تمہاری خبر نہ تھی۔ تمہارے چلے جانے کے ایک سال بعد کا واقعہ ہے کہ ایک دن جب ہم اس کی خدمت میں حاضر تھے ایک بڑھیا آئی جس کی صورت سے عبادت کے آثار نمودار تھے۔ اس کے ساتھ پانچ کنیریں تھیں جن کے سینے ابھرے ہوئے تھے اور جو با کہ تھیں گویا وہ چاند تھیں اور ایسی حسین و جمیل تھیں کہ زبان ان کی تعریف سے قاصر ہے۔ علاوہ حسین ہونے کے وہ قرآن پڑھ سکتی تھیں اور حکمت اور تاریخ سے واقف تھیں۔ بڑھیا نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے اجازت دے دی اور بڑھیا حاضر ہوئی اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اس وقت میں بادشاہ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ بڑھیا کہ چہرے سے زاہد و عبادت کے آثار نمایاں ہیں تو اسے اپنے پاس بلایا۔

جب بڑھیا اس کے پاس بیٹھ گئی تو بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اے بادشاہ میں اپنے ساتھ پانچ کنیریں لائی ہوں جن کا جواب کسی بادشاہ کے پاس نہیں پایا جاتا کیونکہ وہ دانشمندی اور حسن و جمال اور کمال میں یکتا ہیں۔ قرآن کی مختلف قراستیں جانتی ہیں اور علوم اور تاریخ سے واقفیت رکھتی ہیں اور اے جہاں پناہ وہ تیری خدمت کے لیے حاضر ہیں اور تیرے سامنے کھڑی ہیں اور امتحان کے بعد انسان کی عزت یا ذلت کا پتہ چلتا ہے۔ مرحوم نے نظر اٹھا کر کنیروں کی طرف دیکھا اور دیکھ کر خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم میں سے ہر ایک مجھے گزشتہ لوگوں اور قوموں کے حالات سے کچھ سنائے۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• اناسی ویں رات

جب اناسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- وزیر دندان نے بادشاہ ضوء المکان سے کہا کہ مرحوم نے کنیزوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور دیکھ کر خوش ہو گیا اور ان سے کہنے لگا کہ تم میں سے ہر ایک مجھے گزشتہ لوگوں اور قوموں کے حالات سے کچھ سنائے۔ یہ سن کر ایک کنیز آگے بڑھی اور اس کے آگے زمین بوس ہو کر کہنے لگی کہ اے بادشاہ، سن۔ آداب داں شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ فضول گوئی سے اجتناب کرے اور اپنے آپ کو فضیلتوں سے آراستہ کرے اور فرائض کو پورا کرے اور کبیرہ گناہ سے پرہیز کرے اور اس کا اتنا التزام کرے کہ اسے یقین ہو کہ اگر وہ اس کو چھوڑ دے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ آداب کی بنیاد نیک اخلاق پر ہے۔ جان لے کہ کھانے پینے کا مقصد زندگی کی خواہش ہے اور زندگی کا مقصد خدا کی عبادت۔ اس لیے ضروری ہے کہ تو لوگوں کے ساتھ بھلے خلق سے پیش آئے اور اس راہ سے ہرگز نہ پھرے۔ جس شخص کو جتنا زیادہ خطرہ ہوتا ہے، اسے اتنی ہی زیادہ تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ عوام الناس سے زیادہ بادشاہوں کو تدبیر اور سیاست کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ عوام الناس بغیر نتیجے کے سوچے سمجھے کام میں پڑ جاتے ہیں۔ دوسری بات اس میں یہ ہے کہ تو جان و مال کو خدا کی راہ میں صرف کرے۔ جان کہ تیرا دشمن تیرا مقابل ہے، اس کا مقابلہ حجت کے ساتھ کر اور اس سے بچتا رہ۔ اب رہا دوست۔ تیرے اور اس کے درمیان اچھے خلق کے سوا اور کوئی قاضی نہیں۔ لہذا پہلے اس کو ٹھونک بجا کر دیکھ لے۔ اگر وہ دین والوں میں سے ہے تو وہ ایسا ہونا چاہیے کہ وہ ظاہری شرح کا پابند ہو اور باطن کا حتی الامکان عارف، اور اگر وہ دنیا والوں میں سے ہو تو آزاد اور سچا ہو نہ کہ جاہل اور شریر۔

جاہل اس قابل ہوتا ہے کہ خود اس کے ماں باپ اس سے کوسوں بھاگیں۔ جھوٹا آدمی

دوست نہیں ہو سکتا کیونکہ صدیق لفظ جس کے معنی دوست کے ہیں، صدق سے نکلا ہے اور صدق وہ چیز ہے جو سچے دل سے نکلتی ہے اور یہ اس وقت ناممکن ہے جب کہ زبان پر جھوٹ جاری ہو اور جان کہ شرع کی پیروی فائدہ مند چیز ہے۔ اگر تیرا دوست اس صفت سے موصوف ہو تو اس سے محبت کر اور اس سے تعلقات مت توڑ، خواہ اس سے کبھی ایسی بات بھی سرزد ہو جائے جو تجھے ناپسند ہو کیونکہ دوست عورت کی طرح نہیں ہوتا کہ آج طلاق دی اور کل پھر شادی کر لی، بلکہ اس کا دل شیشے کی طرح ہوتا ہے، جب ٹوٹ گیا تو پھر نہیں جڑ سکتا۔

اس کے بعد اس کنیز نے اپنی تقریر کے آخر میں ہماری طرف اشارہ کر کے کہا کہ غفلتوں کا قول ہے کہ بہترین دوست وہ ہے جو نصیحت کرنے میں سب سے سخت ہو اور بہترین عمل وہ ہے، جس کا انجام اچھا ہو۔ اور بہترین تعریف وہ ہے جو آدمیوں کی زبان پر ہو۔ یہ بھی کہا گیا کہ کہ بندے کو خدا کے شکر سے غافل نہ ہونا چاہیے بالخصوص دو نعمتوں پر: عافیت اور عقل۔ اور یہ بھی لوگوں کا قول ہے کہ جو اپنے نفس کو بڑا جانتا ہے اس پر نفس کی شہوتیں آسان ہو جاتی ہیں اور جو شخص چھوٹی مصیبتوں کو بڑا کر کے دکھاتا ہے اس کو خدا بڑی مصیبتوں میں گرفتار کر دیتا ہے۔ جو شخص اپنی ہوا و ہوس کی اطاعت کرتا ہے، وہ اپنے حقوق کو ضائع کر دیتا ہے اور جو چغل خور کی باتیں سنتا ہے، اپنے دوست کو کھو بیٹھتا ہے۔ جو شخص تیرے متعلق نیک گمان رکھتا ہے، اس کے گمان کو سچا کر دکھا۔ جو شخص دشمنی میں حد سے تجاوز کرتا ہے، وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو شخص ظلم کرنے سے نہیں ڈرتا وہ تلوار سے نہیں بچتا۔

اب میں قاضیوں کے آداب کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتی ہوں۔ اے بادشاہ، جان کہ کوئی فیصلہ سچائی کے لیے سود مند نہیں ہوتا جب تک کہ چھان بین کر کے نہ کیا جائے قاضی کو چاہیے کہ تمام لوگوں کو ایک درجے پر رکھے تا کہ بڑے آدمی کو ظلم کرنے کی ہمت نہ ہو اور کمزور کو انصاف سے ناامیدی نہ ہو۔ اس کو یہ بھی چاہیے کہ مدعی

سے ثبوت مانگے اور جو انکار کرے، اس سے حلف اٹھوائے۔ مسلمانوں کے درمیان میں صلح کرانا جائز ہے مگر نہ ایسی صلح جس سے حرام، حلال ہو جائے اور حلال، حرام۔ اگر تجھے آج کسی بات میں شک ہو تو اپنی عقل سے مشورہ کر اور خدائی ہدایت سے اس کے عقد کشائی کر، تاکہ تو حق کی طرف راجع ہو، کیونکہ حق فرض ہے اور حق کی طرف رجوع کرنا باطل میں پڑے رہنے سے بہتر ہے۔ نظیروں سے آگاہی حاصل کر اور فیصلوں سے واقفیت۔ مدعی اور مدعا علیہ کے ساتھ برابر کا سلوک کر اور اپنی نظر کو محض سچائی پر موقوف رکھ اور اپنے کام کو خدا کے سپرد کر۔ مدعی پر ثبوت کا بار ڈال، اگر اس نے ثبوت پیش کر دیا تو اس کا حق اسے دے ورنہ مدعا علیہ سے حلف اٹھوا۔ یہ خدا کا حکم دیا ہے کہ حکام ظاہری حالت کے موافق احکام دیں اور باطن کو خدا پر چھوڑ دیں۔ قاضی پر یہ بھی واجب ہے کہ رنج اور بھوک کی زیادتی کے وقت فیصلہ نہ کرے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کے وقت محض خدا کی خوشنودی کا خیال رکھے کیونکہ جس کی نیت نیک ہے اور اس کے اور خدا کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں تو اس کے اور لوگوں کے درمیان خدا کافی ہے۔ زہری کہتا ہے کہ اگر قاضی میں تین چیزوں میں سے ایک بھی ہو تو اس کو معزول کر دینا چاہیے: جب وہ رزیلوں کی عزت کرے اور اپنی تعریف پسند کرے اور معزول ہونے کو ناپسند کرے۔ ایک بار عمر بن عبدالعزیز نے ایک قاضی کو معزول کیا۔ اس نے پوچھا کہ تو نے مجھے کیوں معزول کیا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تیری باتیں تیرے درجے سے بڑھ کر ہیں۔ سکندر نے اپنے قاضی سے کہا کہ میں نے تجھے ایک ایسا درجہ دیا ہے جس میں میری روح اور عزت اور مروت شامل ہے لہذا اس درجے کی حفاظت اپنی جان اور عقل سے کر۔ اور اس نے اپنے باورچی سے کہا کہ تو میرے جسم کا مالک ہے لہذا دل و جان سے اس کے ساتھ مہربانی کر۔ اور اس نے اپنے کاتب سے کہا کہ تو میری عقل کا محافظ ہے لہذا جو کچھ تو میری طرف سے لکھے اس میں میری حفاظت کر۔ یہ کہہ کر پہلی کنیز پیچھے ہٹ گئی اور دوسری آگے بڑھی۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی، جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• پوری اسی دیں رات

جب پوری اسی دیں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ یہ کہہ کر پہلی کنیز پیچھے ہٹ گئی اور دوسری نے آگے بڑھ کر تیرے والد بادشاہ کے آگے سات بار زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگی کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ بغیر تین وقتوں کے وہ معلوم نہیں ہو سکتیں: حکیم غصے کے وقت، بہادر لڑائی کے وقت اور تیرا دوست اس وقت جب تجھے اس کی ضرورت پڑے۔ اور یہ بھی ایک مقولہ ہے کہ ظالم نادم ہو کر رہتا ہے خواہ لوگ اس کی مدح کریں اور مظلوم سلامت، خواہ لوگ اس کی برائی کریں۔ خدا فرماتا ہے کہ ہرگز یہ خیال مت کر کہ جو لوگ اپنے عمل پر مغرور ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی تعریف ان باتوں میں کریں جو انہوں نے نہیں کی ہیں، عذاب سے بچ جائیں گے بلکہ انہیں سخت عذاب ہو گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، خدا ان پر درود و سلام بھیجے! کہ سب کاموں کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص پر محض بیت کی مسئولیت ہو گی۔ انہیں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ”جسم کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ ٹھیک ہے تو کل جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، غور سے سنو کہ وہ قلب ہے۔“ سب سے زیادہ عجیب چیز جو انسان کے اندر ہے، اس کا قلب ہے کیونکہ اس کے تمام کاموں کی باگ اس کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا اگر قلب میں لالچ زور پکڑتا ہے تو حرص انسان کو ہلاک کر دیتی ہے، اگر تکلیف اس پر قابو پا جاتی ہے تو افسوس اس کو قتل کر ڈالتا ہے اور اگر قلب میں غصے کی شدت ہوتی ہے تو انسان کو خطرہ آ گھیرتا ہے اور اگر قلب کو قناعت کی نعمت عطا ہوتی ہے تو انسان رنج سے محفوظ رہتا ہے، اور اگر دل میں خوف جاگزیں ہو جاتا

ہے تو انسان دن رات غمگین رہتا ہے اور اگر دل پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے تو رنج و الم انسان کو چکنا چور کر ڈالتے ہیں۔ اگر انسان کو دولت مل جاتی ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اگر فاقہ اس کا گھلا گھونٹتا ہے تو غم اس کو گھیر لیتا ہے اور اگر شکایت اسے جھنجھوٹی ہے تو ضعف اس کو بے کار کر دیتا ہے۔ بہر حال سوائے اس کے اس کا کوئی علاج نہیں کہ خدا کی یاد کرے اور اپنی روزی کمائے اور آخرت کو سدھارے۔

کسی عالم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ خوش حال کون شخص ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جس کی مرادگی اس کی شہوت پر غالب آ جائے اور اس کی ہمت بہت بلندی پر پرواز کرے تاکہ اس کی معرفت میں وسعت اور معذرت میں کمی واقع ہو۔ اس کے بعد کنیز کہنے لگی کہ اب زاہدوں کے واقعات سنئے: ہشام بن بشر کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبید سے پوچھا کہ نہد کی حقیقت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اس کی تفصیل کی ہے کہ زاہد وہ ہے جو قبر اور مصیبت کو کبھی نہ بھولے اور باقی کو فانی پر ترجیح دے اور یہ نہ سمجھے کہ وہ کل بھی زندہ رہے گا اور اپنا شمار مرے ہوؤں میں کرے۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ابوذر کہا کرتے تھے کہ میں فقیری کو تو نگری سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اور بیماری کو صحت سے۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا کہ خدا ابوذر پر رحم کرے! مگر میرا یہ قول ہے کہ جو اس بات پر بھروسہ رکھتا ہے کہ خدا جو کچھ کرتا ہے، اچھا کرتا ہے تو وہ ہمیشہ اس حال پر خوش رہتا ہے جس میں خدا اسے رکھتا ہے۔ ایک معتبر راوی کا قول ہے کہ ایک بار ہم نے ابن ابی اوفی کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے اس میں یا ایہا المدثر پڑھنا شروع کیا جب وہ فاذا نقر الناقور پر پہنچے تو گر پڑے اور مر گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ثابت بنانی اتنا رویا کرتے تھے کہ ان کی آنکھیں قریب قریب جاتی رہیں۔ لوگ ایک معالج کو لائے، اس نے کہا کہ میں اس شرط پر

علاج کروں گا کہ وہ میرا کہنا مانیں۔ ثابت نے پوچھا کہ کس بات میں؟ طبیب نے کہا کہ پھر مت رویو۔ ثابت نے جواب دیا کہ میری آنکھوں کی خوبی ہی کیا ہے اگر وہ آنسو نہ بہائیں۔ ایک شخص نے محمد بن عبداللہ سے کہا کہ مجھے نصیحت کر۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی نظر آئی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• اکیاسی ویں رات

جب اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ دوسری کنیز نے تیرے مرحوم والد عمر بن النعمان سے کہا کہ ایک شخص نے محمد بن عبداللہ سے کہا کہ مجھے نصیحت کر۔ اس نے کہا کہ میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ دنیا میں مالک اور زاہد بن کر رہ اور آخرت میں مملوک اور لالچی۔ اس شخص نے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ محمد نے کہا کہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے والا دنیا اور آخرت دونوں کا مالک ہوتا ہے۔

غوث بن عبداللہ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل میں دو بھائی تھے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تو نے سب سے زیادہ خوفناک عمل کیا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک بار مرغی کے ڈربے کے پاس سے گزرا اور اس میں سے ایک مرغی کا بچہ اٹھایا تھا۔ یہ میرا سب سے زیادہ خوفناک عمل ہے اور تیرا کون سا سب سے زیادہ خوفناک عمل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سب سے زیادہ خوفناک عمل جو میں کرتا ہوں یہ ہے کہ جب میں نماز پڑھنے کے لیے اٹھتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ میں اسے محض ثواب کی خاطر پڑھتا ہوں۔ ان کا باپ ان کی یہ باتیں سن رہا تھا اور اس نے کہا کہ خداوند اگر یہ دونوں سچ کہتے ہیں تو ان کی روحمیں قبض کر لے۔ ایک دانش مند کا قول ہے کہ یہ دونوں بہترین اولادیں ہیں۔ عبد بن جبر کہتے ہیں کہ جب میں فضالہ بن عبید کی صحبت میں تھا تو میں نے اس سے کہا کہ نصیحت کر۔ اس نے جواب دیا کہ یہ دو خصلتیں یاد رکھ: خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کر اور خلق میں سے کسی کو اذیت مت پہنچا۔

اب دوسری کنیز پیچھے ہٹ گئی اور تیسری نے آگے بڑھ کر کہا کہ نہد کا باب بہت وسیع ہے لیکن نیک بزرگوں کے متعلق چند باتیں جو اس وقت میرے خیال میں آتی ہیں

بیان کروں گی۔ ایک عارف باللہ کا قول ہے کہ میں موت سے بہت خوش ہوں اگرچہ مجھے اس میں سوائے ایک آرام کے اور کسی کا یقین نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ موت انسان اور اس کے اعمال کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے نیک اعمال دگنے ہو جائیں اور بد اعمال منقطع۔ جب عطاء السملی اپنے وعظ یا نصیحت کو ختم کرتا تو کانپنے لگتا اور زار زار روتا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے ایک بڑی مشکل کا سامنا پڑتا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں خدا کے سامنے اپنی نصیحت کے مطابق کام کرنے والا ثابت ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب علی زین العابدین بن الحسین نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو کانپنے لگتے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کس کے آگے کھڑا ہوتا اور کسے مخاطب کرتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ سفیان ثوری کے پڑوس میں ایک اندھا رہتا تھا۔ جب رمضان کا مہینہ آتا تو وہ گھر سے باہر آتا اور امامت کرتا مگر اس کے بعد وہ چپ ہو جاتا اور ٹھنک جاتا۔ سفیان کا قول ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اہل القرآن لائے جائیں گے اور ان کی پہچان یہ ہو گی کہ ان پر اور لوگوں سے زیادہ رحمت کی نشانیاں ہوں گی۔ سفیان کا یہ بھی قول ہے کہ اگر انسان کے دل میں روح اس طرح سے ہو جس طرح سے ہونی چاہیے تو وہ جنت کی خوشی اور شوق اور دوزخ کے رنج اور خوف کی وجہ سے اڑ جائے۔ یہ بھی سفیان کا قول ہے کہ ظالم کا چہرہ بھی دیکھنا گناہ میں شامل ہے۔

یہ کہہ کر تیسری کنیز بھی پیچھے ہٹ گئی اور چوتھی آگے بڑھی اور کہنے لگی کہ اب میں نیک لوگوں کی چند باتیں بیان کرنا چاہتی ہوں جو اس وقت میرے خیال میں آئی ہیں۔ بشرحانی کو قول ہے کہ میں نے خالد کو یہ کہتے سنا ہے کہ پوشیدہ شرک سے بچو۔ میں نے پوچھا کہ پوشیدہ شرک کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ کوئی شخص نماز پڑھے اور اپنے رکوع اور سجدے کو اتنا طول دے کہ اسے حدت ہو جائے۔ ایک عارف باللہ کا قول ہے کہ نیکی کرنے سے برائیاں دور ہو جاتی ہیں۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے بشر بن الحانی سے کہا کہ مجھے حقائق کے اسرار سے مطلع کر۔ انہوں نے جواب دیا کہ بیٹا، یہ علم ہر ایک کو سکھایا نہیں جاسکتا بلکہ مال کی زکوہ کی طرح ہر سو میں سے پانچ کو۔ ابراہیم بن ادہم کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات بہت پیاری اور اچھی معلوم ہوئی۔ ایک بار جب کہ میں نماز پڑھنے والا تھا تو میں نے دیکھا کہ بشر بھی نماز پڑھنے والا ہے، لہذا میں اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور اس بات کا انتظار کر رہا تھا کہ موزان اذان دے چکے کہ اتنے میں ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے لوگو! نقصان پہچاننے والی سچائی سے بچو مگر فائدہ مند جھوٹ میں کوئی ہرج نہیں۔ مجبوری پر کوئی اختیار نہیں۔ اگر بخشش نہ کی جائے تو محض باتیں بنانے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ جس طرح سے کہ بخشش کے وقت خاموشی سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بشر نے ایک دانق نیچے ڈال دیا۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور اس کے بدلے ایک درہم نکال کر اس شخص کو دیا۔ اس نے کہا کہ اسے نہیں لیتا۔ میں نے کہا کہ یہ حلال کی کمائی کا ہے۔ اس نے کہا کہ میں آخرت کی نعمتوں کے بدلے دنیا کی نعمتیں نہیں چاہتا روایت کی جاتی ہے کہ بشر حانی کی بہن احمد بن حنبل کے پاس گئی۔ اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• بیاسی ویں رات

جب بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ کنیز نے تیرے والد سے کہا کہ بشر حانی کی بہن احمد بن حنبل کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ اے دین کے امام، ہم لوگ رات کو سوت کاتے ہیں اور دن میں گھر بار کا کام کرتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بغداد کے حاکموں کی مشعلیں ہمارے پاس سے گزرتی ہیں اور ہم چھت پر اس کی روشنی میں اپنا سوت کاتے ہیں، کیا یہ ہمارے لیے حرام ہے؟ انہوں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بشر الحانی کی بہن۔ انہوں نے کہا کہ اے بشر کی خاندان والی، میں پرہیزگاری کے گھونٹ ہمیشہ تمہیں لوگوں کے دلوں سے پیتا ہوں۔ ایک عارف باللہ کا قول ہے کہ جب خدا کسی کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے تو اس پر عمل کا دروانہ کھول دیتا ہے۔ مالک بن دینار جب بازاروں میں سے گزرتے اور کوئی چیز ان کو پسند آتی تو وہ کہتے کہ اے نفس، صبر کر کیونکہ جو تو چاہتا ہے وہ میں تجھے ہرگز نہ دوں گا۔ اور یہ بھی انہی کا قول ہے، خدا ان سے راضی رہے! کہ نفس کی سلامتی اس کی مخالفت میں ہے، اور اس کی ہلاکت اس کی متابعت میں۔ منصور بن عمار بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سال حج کے لیے کوفہ کے راستے سے مکہ روانہ ہوا۔ رات تاریک تھی اور میں نے سنا کہ کوئی شخص رات کے وقت بلند آواز سے یہ کہہ رہا ہے: خداوند، تیری عزت و جلال کی قسم، میں نے تیری مخالفت کی وجہ سے گناہ نہیں کئے اور نہ میں تجھ سے ناواقف تھا لیکن ان گناہوں کو تو نے ازل میں میرے لیے لکھ دیا تھا، لہذا میری زیادتیوں سے درگزر کر کیونکہ میں نے اپنی جہالت کی وجہ سے تیری نافرمانی کی۔ جب وہ شخص یہ دعا مانگ چکا تو اس نے یہ آیت پڑھی ”اے مومنو، اپنی اور اپنے خاندان والوں کی روحوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔“ اس کے بعد میں نے

کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی لیکن معلوم نہ ہو سکا کہ کیا گرا اور میں چلتا گیا۔ دوسرے دن صبح کو جب ہم اپنے راستے پر چلے جا رہے تھے تو ہمیں ایک جناحہ نظر پڑا جس کے پیچھے پیچھے ایک بڑھیا تھی جو بالکل کمزور تھی۔ میں نے اس سے میت کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ یہ جناحہ ایک شخص کا ہے جو کل ہمارے پاس سے گزرا تھا جب کہ میرا بیٹا نماز پڑھ رہا تھا۔ جب میرے بیٹے نے قرآن کی ایک آیت پڑھی تو اس شخص کا پتہ پھٹ گیا اور وہ مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔

یہ کہہ کر چوتھی کنیز پیچھے ہٹ گئی اور پانچویں آگے بڑھی اور کہنے لگی کہ اب میں نیک بندوں کے حالات کچھ بیان کرنا چاہتی ہوں جو اس وقت میرے خیال میں آتے ہیں: مسلمہ بن دینار کا قول ہے کہ اگر ضمیر کی اصلاح کی جائے تو چھوٹے اور بڑے گناہ سب معاف ہو جاتے ہیں اور جب بندہ گناہوں سے دست بردار ہو جائے تو اس کے لیے کامیابیاں ہی کامیابیاں ہیں۔ انہیں کا قول ہے کہ جس نعمت سے خدا کا قرب حاصل نہ ہو، وہ بلا ہے۔ تھوڑی سی دنیا بڑی آخرت کو بھلا دیتی ہے اور بہت سی دنیا رہی سہی آخرت کو بھی تیرے دل سے نکال دیتی ہے۔ ابو حازم سے پوچھا گیا کہ خوش حال ترین شخص کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ شخص جس نے اپنی ساری عمر خدا کی اطاعت میں گزاری ہو، پھر لوگوں نے پوچھا کہ احمق ترین شخص کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس نے اپنی آخرت کو دوسرے کے ہاتھ دنیا کے عوض بیچ ڈالا ہو۔

روایت کی جاتی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مدین میں کنوئیں کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اے میرے رب، جو بھلائی تو نے میرے لیے بھیجی ہے، میں اس کا محتاج ہوں۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا، نہ کہ لوگوں سے۔ جب وہ لڑکیاں آئیں تو انہوں نے دونوں کو پانی دیا لیکن چرواہے نہ آئے۔ جب وہ دونوں گھر گئیں تو انہوں نے اپنے باپ شعیب علیہ السلام کو خبر کی۔ انہوں نے کہا کہ شاید وہ بھوکا ہے۔ پھر انہوں نے ایک لڑکی سے کہا کہ جا کر اسے لے آ۔ جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی تو اس نے اپنا منہ چھپا لیا اور کہا کہ میرا باپ تجھے بلاتا ہے تاکہ

وہ تجھے ہمیں پانی پلانے کی اجرت دے۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ برا لگا اور اس کے ساتھ جانا مناسب نہ سمجھا۔

اس لڑکی کے بڑے بڑے کولے تھے اور ہوا سے اس کا دامن اٹھ جاتا اور کولہا کھل جاتا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی نظر نیچی کر لی اور لڑکی سے کہا کہ تو پیچھے پیچھے چل اور میں آگے آگے چلتا ہوں۔ لڑکی پیچھے پیچھے ہوئی، یہاں تک کہ وہ شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے، رات کا کھانا تیار تھا۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تراسی ویں راتے

جب تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ ----- وزیر دندان نے ضوء المکان سے کہا کہ پانچویں کنیز نے تیرے والد سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کھانا تیار تھا اور انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ میں چاہتا ہوں کہ دنوں لڑکیوں کو پانی دینے کی اجرت تجھے دوں۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ میں اس گھرانے سے ہوں جو آخرت کے کام کو دنیا کے تمام سونے چاندی کے عوض بھی نہیں بیچتے۔ حضرت شعیب نے کہا کہ اے نوجوان، لیکن تو میرا مہمان ہے اور مہمانوں کو احترام کے ساتھ کھانا کھلانا میرا اور میرے بزرگوں کا دستور رہا ہے۔ حضرت موسیٰ بیٹھ گئے اور کھانا کھایا۔ اس کے بعد حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ کو آٹھ سال کے لیے نوکر رکھ لیا اور اس کی اجرت یہ ٹھہرائی کہ وہ اس کی شادی اپنی ایک بیٹی سے کر دیں گے اور حضرت موسیٰ کی اجرت لڑکی کا مر ہو گی۔ خدا نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ”میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کی شادی تیرے ساتھ کر دوں اور اس کے بدلے تو آٹھ سال میری نوکری کرے اور اگر تو دس سال پورے کر دے تو یہ تیری طرف سے احسان ہو گا لیکن میں اپنی طرف سے تجھ پر زور نہیں ڈالتا۔“

ایک شخص نے اپنے دوست کو مدت کے بعد دیکھا اور اس سے کہا کہ میں پریشان تھا کہ تجھے ایک مدت تک نہ دیکھا۔ اس نے کہا کہ ابن شہاب کے ساتھ مشغول رہنے کی وجہ سے تجھ سے نہ مل سکا۔ کیا تو اسے جانتا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ہاں، وہ تیس سال سے میرا پڑوسی ہے مگر کبھی اس سے میری بات نہیں ہوئی۔ دوست نے کہا کہ تو خدا کو بھول گیا ہے، اس لیے پڑوسی کو بھی بھول گیا۔ اگر تجھے خدا سے محبت ہوتی تو پڑوسی سے بھی ہوتی۔ معلوم ہے کہ پڑوسی کا پڑوسی پر وہی حق ہے جو رشتے

دار کا۔

حذیفہ سے روایت ہے کہ میں ابراہیم بن ادھم کے ساتھ مکہ گیا تو دیکھا کہ شقیق بلخی بھی اسی سال حج کے لیے آئے ہوئے ہیں اور طواف کے وقت ہماری ملاقات ہوئی۔ ابراہیم نے کہا کہ تمہارا دستور اپنے ملک میں کیا ہے؟ شقیق نے کہا کہ جب ہمیں کھانے کو ملتا ہے تو کھاتے ہیں اور جب بھوکے رہتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ ابراہیم نے شقیق سے کہا کہ بلخ کے کتوں کا بھی یہی دستور ہے لیکن جب ہمیں رزق ملتا ہے تو ہم ایثار کرتے ہیں اور بھوکے رہتے ہیں تو شکر کرتے ہیں۔ یہ سن کر شقیق ابراہیم کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ تو میرا استاد ہے۔ محمد بن عمران سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حاتم اصم سے پوچھا کہ تو کس وجہ سے خدا پر توکل کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ دو وجہوں سے، ایک تو یہ کہ میں جانتا ہوں کہ میرا رزق کوئی دوسرا نہیں کھا سکتا، لہذا مجھے اس طرف سے اطمینان ہے، دوسرے یہ کہ میں جانتا ہوں کہ میں بغیر خدا کے علم کے پیدا نہیں ہوا، لہذا مجھے اس کے آگے شرم آتی ہے۔

یہ کہہ کر پانچویں کینز پیچھے ہٹ گئی اور بڑھیا نے آگے بڑھ کر تیرے باپ کے آگے نو بار زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگی کہ اے بادشاہ، نہد کے بارے میں تو نے ان سب کا بیان سنا۔ اب میں ان کی پیروی کرتی ہوں اور بزرگوں کے اقوال جو مجھ تک پہنچے ہیں، بیان کرتی ہوں۔ کہتے ہیں کہ امام شافعی رات کو تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے: پہلی تہائی علم کے لیے، دوسرے سونے کے لیے اور تیسری تہجد کے لیے۔ امام ابو حنیفہ آدھی رات جاگا کرتے تھے۔ ایک روز جب وہ کہیں جا رہے تھے تو ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ دیکھ، یہ شخص ساری رات جاگتا ہے۔ جب آپ نے یہ سنا تو کہنے لگے کہ مجھے خدا کے آگے اس بات سے شرم آتی ہے کہ لوگ میری تعریف میں ایسی بات کریں جو مجھے میں موجود نہ ہو، اس کے بعد وہ رات بھر جاگنے لگے۔

ربیع سے روایت ہے کہ امام شافعی رمضان کے مہینے میں ستر بار قرآن ختم کرتے اور یہ محض نماز کے ساتھ۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس سال تک میں نے

جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی کیونکہ سیری سے دل سخت ہوتا ہے اور عقل زائل ہوتی ہے اور نیند آتی ہے اور نماز پڑھنے میں کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ عبداللہ بن محمد السکری کہتے ہیں کہ میں اور عمر ایک دن باتیں کر رہے تھے کہ اس نے کہا کہ میں نے محمد بن ادریس الشافعی سے زیادہ پرہیزگار اور خوش بیان کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں اور حارث بن لبیب الصفار جو مزنی کا شاگرد نہ تھا، ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ اس کی آواز بہت اچھی تھی اور اس نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:
 ہذا یوم لا ینطقون ولا یؤذن نہم فیعتذرون میں نے دیکھا کہ امام شافعی کا رنگ فق ہو گیا اور ان کا بدن کانپنے لگا اور وہ سخت مضطرب ہو کر بے ہوش گر پڑے۔ جب انہیں ہوش آیا تو کہنے لگے کہ خداوند! مجھے جھوٹوں کے پاس ٹھہرنے اور غافلوں کے سامنے جانے سے بچائیو! خداوند! تیرے آگے عارفوں کے دل خضوع و خشوع کرتے ہیں، خداوند! اپنے کرم سے میرے گناہ بخش دیجیو اور اپنی پردہ پوشی سے میری آبرو رکھ لیجیو اور اپنی مہربانی سے میری کوتاہیوں کو معاف کیجیو! اس کے بعد میں اٹھ کر چلا گیا۔

ایک معتبر راوی کا بیان ہے کہ جب میں بغداد گیا تو امام شافعی وہیں تھے۔ میں دیا کے کنارے بیٹھا ہوا نماز کے لیے وضو کر رہا تھا کہ ایک شخص میرے پاس سے گزرا اور کہنے لگا کہ صاحبزادے! اپنا وضو ٹھیک طرح سے کر، خدا تجھے دنیا اور آخرت کی نیکی دے گا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور دیکھا کہ بہت سے لوگ اس کے پیچھے پیچھے ہیں۔ میں نے جلدی جلدی وضو ختم کیا اور اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس پر اس شخص نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تو کچھ چاہتا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں، جو کچھ خدا نے تجھے سکھایا ہے، مجھے بھی سکھا دے۔ اس نے کہا کہ سن، جو خدا کے سامنے سچ بولتا ہے، وہ نجات پاتا ہے اور جو اپنے دین پر جما رہتا ہے، وہ تباہی سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جو دنیا سے کنارہ کشی کرتا ہے، اس کی آنکھیں آخرت کے روز ٹھنڈی ہوں گی۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اور کچھ تجھے بتاؤں؟ میں نے جواب دیا کہ

ہاں۔ اس نے کہا کہ دنیا سے کناہہ کشی اختیار کر اور آخرت سے لو لگا اور ہر بات میں سچائی سے کام لے تاکہ تو بھی نجات پانے والوں میں سے ایک ہو۔ یہ کہہ کر وہ شخص چلتا ہوا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے تو معلوم ہوا کہ امام شافعی۔ انہیں کا مقولہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو اس میرے علم سے فائدہ پہنچے بشرطیکہ اس میں کوئی چیز میری طرف منسوب نہ ہو۔

اب شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

